زرد زمانوں کا سویرا

نبیلہ ابر راجہ

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

زرد زمانوں کا سویرا

نبیلہ ابر راجہ

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور
فون 7352332-7232336

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنفہ (نبیلہ ابر راجہ) اور پبلشرز (علم و عرفان) محفوظ ہیں۔ ادارہ علم و عرفان نے اردو زبان اور ادب کی ترویج کیلئے اس کتاب کو kitaabghar.com پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس کے لئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	....	زرد زمانوں کا سویرا
مصنفہ	....	نبیلہ ابر راجہ
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	اکرم، انیس احمد
سن اشاعت	....	جنوری 2011ء
قیمت	....	=/220 روپے

......ملنے کا پتہ......

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون 7352332-7232336

ادارہ علم و عرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

زرد زمانوں کا سویرا

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''اے شان کون آیا ہے۔'' وہ تجاہل عارفانہ سے بولی حالانکہ پورچ میں کھڑی ریڈ سیوک دیکھ کر وہ اچھی طرح جان گئی تھی کہ کون آیا ہے۔ ساتویں کلاس میں زیرِ تعلیم ریحان بھائی کا بیٹا شان بہت تیز تھا جھٹ بولا۔

''عطیہ پھوپھو کے سسرال والے آئے ہیں۔''

''وہ گنجو بھی آیا ہے'' رباب رازداری سے منہ اس کے کان کے قریب لے جا کر بولی۔

''نہیں وہ تو آج نہیں آیا پر ایک لمبے بالوں والی مخلوق بھی آئی ہے شاید مریخ سے نزول ہوا ہے'' شان سوچ میں ڈوبے ڈوبے بولا تو رباب نے ایک زوردار دھپ اس کی کمر میں لگائی وہ بلبلا گیا۔

''قسم لے لو جو آئندہ کوئی بات تمہیں بتائی'' وہ ناراض ہو گیا اتنے میں تجل آپی اس طرف آ گئیں۔

''یہ تم آتے ہی شروع ہو گئیں'' انہوں نے شان کا پھولا پھولا منہ دیکھ لیا تھا رباب نے جھٹ بات بدل دی۔

''آپی آج گرمی کتنی زیادہ ہے'' اس نے ماتھے سے نادیدہ پسینہ صاف کیا۔

''اچھا چھوڑو یہ بتاؤ تمہارا پیپر کیسا ہوا ہے؟''

''فرسٹ کلاس ہوا ہے، سنا ہے کہ اندر کیٹ ونسیلٹ کے سسرال والے آئے ہیں'' وہ کھل کھلائی تو تجل نے اسے گھورا۔

''خبردار رباب کوئی بدتمیزی نہیں چلے گی'' انہوں نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی تو وہ مسکراہٹ ہونٹوں میں دبائے اندر آ گئی آج ہی میٹرک کا آخری پرچہ دے کر آئی تھی سوچ رہی تھی کہ جی بھر کر امتحانوں کا بوجھ اترنے کی خوشی میں سوئے گی اور انجوائے کرے گی اور انجوائے منٹ کا کیا زبردست طریقہ ہاتھ آیا تھا۔

تائی اماں کی چھوٹی صاحبزادی عطیہ کے سسرال والے اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے خاص طور پر اس کا تیسرے نمبر والا دیور عاقب اسے انتہائی فضول لگتا تھا جب بھی آتا تجل آپی کو گھور گھور کر دیکھتا جیسے سالم ہی نگل لے گا گزشتہ مہینے اس نے سر کے بال صاف کروائے تھے اب وہ سر پر اہتمام سے پرنٹڈ رومال باندھ کر آتا رباب نے اس کا نام ''گنجو'' رکھا تھا عطیہ کا نام کیٹ ونسیلٹ رکھا تھا بدقسمتی سے یا کہ خوش قسمتی سے اللہ نے انہیں سنہری بال اور گوری رنگت دی تھی وہ اس پہ بہت اکڑتی تھیں خود کو کسی ہالی وڈ کی ہیروئن سے کم تصور نہیں کرتی تھیں اس لیے رباب نے ان کا نام کیٹ ونسیلٹ رکھا ہوا تھا جبکہ عطیہ کی ساس اس عمر میں بھی جبکہ وہ نانی اور دادی بھی بن چکی تھیں خوب بنی سنوری رہتی تھیں اس لیے رباب نے انہیں ''ہیروئن نمبر ون'' کا خطاب دیا تھا۔

ان کے گھر کا ہر فرد ہی خوب تھا۔ عطیہ کی بڑی نند ایک انگلش میڈیم سکول چلاتی تھیں جب بھی آتیں یوں سنبھل سنبھل کر بیٹھتیں جیسے شیشے کی بنی ہوں ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جائیں گی ان کا نام رباب نے ''چینی کی گڑیا'' رکھا تھا حالانکہ ان کے تھل تھل کرتے بے ہنگم سراپے پر یہ نام سوٹ نہیں کرتا تھا۔ کپڑے بدل کر کھانا کھائے بغیر ہی وہ نظر بچا کر تائی رقیہ کے ڈرائنگ روم میں گھس گئی کچن کی طرف سے بڑی زبردست خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانا آخری مراحل میں ہے اسے دیکھتے ہی تائی اماں کی بڑی صاحبزادی عریشہ جو شادی شدہ تھیں کے ماتھے پر کئی بل پڑ گئے رباب بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ تھی جھٹ بڑے ادب سے مہمانوں کو فرداً فرداً اسلام کیا لمبے بالوں والی مخلوق کو اس نے بڑے جوش سے سلام کیا تو وہ بھی جو اسے غور سے دیکھ رہا تھا جھٹ بولا۔

''یار ادھر میرے پاس بیٹھ جاؤ'' شارٹ کٹ بالوں نیلی جینز اور سفید کرتے میں ملبوس وہ اسے کوئی نوعمر سا لڑکا ہی سمجھا تھا۔

''معاف کیجئے گا میں یار نہیں یاری ہوں۔'' وہ عطیہ کی نند کے قریب بیٹھ گئی بے چارا عدنان کھسیانی سے ہنسی ہنسنے لگا۔ رباب اپنائیت کے تمام تر ریکارڈ توڑتے ہوئے ہیروئن نمبرون کے بی پی ہائی ہونے کی شکایت کرنے پر اس کا علاج اور مشورے بتا رہی تھی چینی کی گڑیا اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

جب صومیہ بھابی کھانا لگنے کا کہنے آئیں تو ''آیئے آیئے'' کہتی ڈائننگ ہال میں سب سے پہلے پہنچنے والی رباب تھی تائی امی اور عریشہ کے منہ کے زاویے بار بار بگڑ رہے تھے اور رباب سوچ رہی تھی کہ تائی، رقیہ اور عریشہ آپی کو انگلش ہارر فلموں میں زبردست رول مل سکتا ہے۔

''یہ چکن پلاؤ لیں ناں عطیہ آپی نے بنایا ہے اور یہ کوفتے چکھ کر دیکھیں ایمان سے مزا آ جائے گا'' رباب نے پلاؤ اور کوفتوں کی ڈش ہیروئن نمبرون کی طرف بڑھائی جیسے ہی انہوں نے تھوڑے سے چاول اور ایک کوفتہ پلیٹ میں ڈالا رباب نے اس کے بعد فوراً ہی اپنی پلیٹ کناروں تک بھر لی بڑی فراخدلی سے کوفتے اور کباب چاولوں پر چھائے۔ تائی اور عریشہ بڑی مشکل سے رسمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر جمائے بیٹھی تھیں۔

عطیہ کے سسرالی اپنا گھر سمجھ کر بڑی بے تکلفی سے کھا رہے تھے اور وہ پوری طرح ان کا ساتھ دے رہی تھی عرصے بعد ایسا مزیدار کھانا ملا تھا اگر سجل آپی یہاں ہوتیں تو آنکھوں آنکھوں میں اسے سرزنش کرتیں اس نے شکر کیا کہ سجل آپی اس کی یہاں موجودگی سے لاعلم ہیں وہ کھانا آخری مراحل میں چھوڑ کر اپنے پورشن میں چلی گئی تھیں رباب کے برعکس وہ بڑے صبر و شکر والی تھیں کھانے پینے کے معاملے میں کبھی ندیدوں کا سا مظاہرہ نہیں کیا جو ملا کھا لیا جو دیا پہن لیا۔ رباب کا پیٹ تو بھر گیا تھا بس اب وہ ایسے ہی کھانا خراب کر رہی تھی فیرنی کا ڈونگا اس نے لبالب بھر رکھا تھا۔

''آپی یہ فروٹ ٹرائفل بھی عطیہ آپی نے بنایا ہے'' چینی کی گڑیا سے اس نے سفید جھوٹ بولا۔

''بہت مزیدار بھئی بہت مزیدار'' ہیروئن نمبرون کھاتے ہوئے بمشکل بولیں۔

''سچ آنٹی آپ کے تو مزے آ جائیں گے عطیہ آپی روز آپ کو مزے مزے کے کھانے کھلائیں گی ہمارا کیا بنے گا'' وہ چمچ چمچ کر ٹرائفل میں سے پھلوں کے ٹکڑے کانٹے میں پھنسا کر کھا رہی تھی رقیہ کا دل چاہ رہا تھا اسے کچا چبا جائیں۔

''باقی اپنے کمرے میں جا کر کھاؤں گی'' رباب نے ایک پلیٹ میں چار کوفتے اور چار ہی کباب ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی اس کی اس

وجہ سے تینوں ہمہ وقت عمارہ کو یہ جتلاتیں کہ تم ہم سے کمتر ہو ہم اعلیٰ خاندانوں کی پڑھی لکھی خواتین ہیں تم نچلے درجے کی ہو، مخمل میں ٹاٹ کا پیوند وغیرہ وغیرہ وہ ایسی ہی دل جلانے والی باتیں کرتی رہتیں اسی دوران سجل پیدا ہوئی سجل کے ساڑھے چھ سال بعد رباب پیدا ہوئی۔ بڑے ابا دونوں پوتیوں خاص کر رباب سے بہت لاڈ کرتے تھے اور پیار سے اسے طوطا کہتے وہ باتیں جو بہت کرتی تھی۔

رباب سات سال کی تھی جب بڑے ابا نے ان کا ساتھ چھوڑا ان کے بعد اسد بھی فوت ہو گئے ادھر عمارہ کا واحد جوان بھائی بھی مارا گیا پے در پے پریشانیوں کا انبار کھڑا ہو گیا عمارہ کو احساس ہوا کہ فضل کمال اور اسد ڈھال تھے۔ ان کے نہ ہونے سے خلا سا پیدا ہو گیا تینوں جیٹھانیوں کی مخالفت بڑھتی جا رہی تھی عمارہ بڑی صابر و شاکر عورت تھیں کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیا اس لیے وہ اور بھی شیر بنی ہوئی تھیں وہ سب کے بدلتے تیور دیکھ رہی تھیں شوہروں نے بھی بیویوں کو نہیں روکا پہلے تو وہ چھپ چھپا کر ڈھکے چھپے انداز میں عمارہ کو اس کی حیثیت یاد دلاتیں پھر فضل کمال اور اسد کی موت کے بعد ان کا رہا سہا لحاظ بھی ختم ہو گیا۔

اسد کے نام فیکٹری کا انتظام پاور آف اٹارنی کے ذریعے بڑے جیٹھ زاہد کمال کے سپرد کر دیا گیا ان کی یہ ضد تھی کہ پاور آف اٹارنی میرے نام ہونی چاہئے عمارہ بری طرح مجبور تھیں انکار کر کے یہاں سے دربدر نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ زاہد ہر ماہ انہیں لگی بندھی قلیل سی رقم دیتے جوں جوں سجل اور رباب بڑی ہو رہی تھیں یہ رقم کم ہوتی جا رہی تھی ان کا کہنا تھا کہ فیکٹری خسارے میں جا رہی ہے میں اپنا سرمایہ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ پھر وہ فائلیں اور حسابات کے موٹے موٹے رجسٹر اٹھا کر لے آتے کہ بھابی پڑھ لیں جو میں نے ایک پیسے کی بھی بے ایمانی کی ہو، معمولی سی پڑھی لکھی عمارہ ان پیچیدہ گورکھ دھندوں کو کہاں سمجھ سکتی تھیں الٹا شرمندہ ہو جاتیں ایسے میں رقیہ یہ کہنا نہ بھولتیں کہ:

''آپ فیکٹری کے انتظامات عمارہ کو واپس کر دیں ہم ان کے نوکر نہیں ہیں محنت کر کے خون پسینہ بہائیں اور مجرم بھی ٹھہریں۔''

پھر انہیں ہی منتیں کر کے جیٹھ اور جیٹھانی کو منانا پڑتا۔ فضل کمال کی زندگی میں سب لوگوں کا کھانا ساتھ پکتا ان کی موت سے کچھ عرصہ بعد عمارہ کو ہدایت ملی کہ تم اپنا چولہا الگ کرو ساتھ ہی ان کی رہائش بھی تبدیل ہو گئی سٹور روم کے ساتھ جو کمرہ تھا وہ ان تینوں ماں بیٹیوں کے حوالے کر دیا گیا عمارہ نے اسے تقدیر کا فیصلہ جان کر قبول کر لیا تھا سجل جو پہلے ایک اچھے اور مشہور تعلیمی ادارے میں پڑھتی تھی بعد میں ایک معمولی سے سکول میں آ گئی فیکٹری روز بروز خسارے میں جو جا رہی تھی۔ تمام کزنز کا سلوک ان دونوں بہنوں کے ساتھ غلاموں اور اچھوتوں والا تھا عمارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں تھیں۔ سجل سکول سے واپس آنے کے بعد تائی کے بلاوے پر کچن میں چلی جاتی جہاں بہت سے کام اس کے منتظر ہوتے سکول سے کالج میں آتے ہی کاموں میں اضافہ ہو گیا تائی کے ساتھ ساتھ دونوں چچیاں بھی اس پر انحصار کرنے لگی تھیں باورچی خانے کا تمام نظام سجل کے سپرد تھا بڑے تینوں بھائیوں کے خاندانوں کا کھانا پہلے کی طرح ایک ہی جگہ پکتا تھا۔

☆☆☆

سجل باورچی خانے میں گھسی پلاؤ کو دم دے رہی تھی جانے رباب کو کس نے بتایا کہ چکن پلاؤ پک رہا ہے وہ سیدھی کچن میں چلی آئی سجل پلاؤ کو دم دینے کے بعد چلی گئی تھی رباب نے سٹول اٹھا کر کچن کاؤنٹر کے قریب رکھا اور اوپر چڑھ کر پتیلی کا ڈھکن اتارنے لگی اسی اثناء میں چچی کا ادھر سے گزر ہوا وہ رقیہ کو بھی بلا لائیں اندر کا منظر کچھ یوں تھا۔ آٹھ ساڑھے آٹھ سالہ رباب ادھ گلے چاول کاؤنٹر پر ہی ڈالے مزے سے سٹول پر چڑھے کھا رہی تھی رقیہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ پوری قوت سے رباب کو لگا تار کئی طمانچے مارے اسے کچھ سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیوں ہو رہا ہے وہ تو اپنے پسندیدہ چاول کھا رہی تھی اور جی ہی جی میں اپنی اس شرارت پر خوش ہو رہی تھی۔ کاؤنٹر کی دیوار سے اس کا سر ٹکرایا تو سر سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا عمارہ رباب کی چیخیں سنتی بھاگی بھاگی آئیں پیچھے سجل کا گھبرایا ہوا چہرہ تھا۔

”اٹھاؤ اس حرام خور کو، یہاں بھی بے برکتی دکھانے آ گئی کل سے اگر اسے کچن میں یا آس پاس بھی دیکھا تو خیر نہیں ہے“ رقیہ غیض و غضب میں بھری ہوئی تھیں عمارہ اور سجل دونوں رباب کو لے کر آ گئیں اس روز سجل نے رات کو پہلی بار تایا ابا سے پیسے مانگے جھوٹ بول کر۔

”تایا ابا میں نے شوز لینے ہیں بالکل پھٹ گئے ہیں اب وہ کالج میں پہننے کے لائق نہیں رہے“ سجل کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اسے بے حد شرمندگی اور خوف محسوس ہو رہا تھا کیونکہ عمارہ نے اسے سچ بولنے کی تلقین بچپن سے ہی کی تھی۔

”تو کوئی اور پہن جاؤ کالج میں سب چلتا ہے“ وہ بے نیازی سے سامنے رکھے اخبار کو ادھر اُدھر کرنے لگے۔

”تایا ابا نئی پرنسپل آئی ہیں بہت سخت اور نظم و ضبط کی پابند ہیں“ کہتے کہتے سجل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کیونکہ یہ واقعی سچ تھا۔

”اچھا یہ رونا دھونا بند کرو اور سیل سے شوز خرید لینا“ انہوں نے ایک سو بیس روپے اس کے ہاتھ پر رکھ ہی دیئے سجل آنکھوں میں ڈھیروں جگنوں چھپائے پیسے مٹھی میں دبائے اپنے کمرے میں آئی کل پانچ تاریخ تھی عمارہ کو گھر کا سودا سلف خریدنے بازار جانا تھا ان کے پاس صرف اتنے پیسے ہوتے تھے کہ وہ دال مرچیں، چینی پتی ہی بمشکل خرید پاتیں۔ گوشت مرغی خریدنے کی استطاعت ہی نہیں تھی۔ عمارہ جب سٹور سے باہر نکلی تو سجل نے وہ پیسے ماں کی مٹھی میں تھما دیے۔

”امی کل میں نے تایا ابا سے لیے تھے ان روپوں کی ایک کلو مرغی اور چاول خرید لیتے ہیں رباب کو اچھے جو لگتے ہیں“ اس کے لہجے میں بہن کے لیے بے پناہ محبت تھی۔

”کیسے دے دیئے ہیں انہوں نے یہ پیسے“ عمارہ زاہد کی فطرت سے آشنا تھیں اس لیے ان کا سوال بھی فطری تھا۔

”امی جھوٹ بول کر لیے تھے“ سجل کی پیشانی بوندوں سے چمکنے لگی۔

”کب تک جھوٹ بول بول کر اس کی خواہشوں کو پورا کرو گی“ انہوں نے سخت لہجہ اپنایا۔ یہ اچھا ہوا کہ اس سے ناراض ہونے کے باوجود انہوں نے مرغی اور چاول خرید لیے پر رباب نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا بینڈیج کیے ہوئے سر کے ساتھ وہ چپ چاپ بستر پر لیٹی رہی دونوں نے کتنی منتیں کیں تھوڑے سے کھا لو تمہاری پسند کا لیگ پیس بھی ہے مگر رباب نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کر لیں عمارہ کو اس کی خاموشی سے بڑا خوف آیا۔

اب وہ سمجھدار ہو رہی تھی اور نویں کلاس میں آ گئی تھی اس کی سوچوں میں انقلاب آ گیا تھا ایک روز بے خیالی میں عمارہ کے منہ سے نکل گیا۔

''کاش ایک بیٹا ہی ہوتا'' یہ جملہ، یہ خواہش، یہ حسرت نیزے کی انی کی طرح رباب کے دل میں پیوست ہو گئی وہ شام کو مسز سبحانی کی بہو سے اپنے لمبے بال کٹوا آئی سجل اور عمارہ کو اس کا شارٹ باب کٹ اسٹائل بالکل ہضم نہیں ہو رہا تھا اتنے خوبصورت بال تھے اس کے لمبے چمکدار ریشم سے۔ شزاء اور رحمہ تو تاک میں رہتی تھیں کہ جانے وہ کیا استعمال کرتی ہے جو اس کے بال ایسے ہیں اس کے بال بڑھتے بھی تو بہت جلدی تھے چھ چار ماہ بعد سجل اس کے بال تھوڑے تھوڑے کاٹ کر برابر کر دیتی جب اس کے بال کھلے ہوتے اور جب وہ چلتی تو ہر قدم کے ساتھ جب وہ ہلکورے لیتے تو نہایت حسین لگتے اسد کو تو رباب کے بال بہت پسند تھے عمارہ کو سختی سے کہا تھا کہ اس کے بال مت کٹوانا اور آج وہ خود ہی کٹوا کر آ گئی تھی ذرا دیر میں اس نے پہناوا بھی بدل لیا سفید کرتا اور ٹیپو کی نیلی جینز جسے وہ ٹھکرا چکا تھا رباب کے جسم پر نظر آ رہی تھی ایک دم ہی وہ لڑکی سے لڑکا لگنے لگی تھی گھر بھر کو اس تبدیلی کی خبر ہو گئی سب نے مذاق اڑایا مگر رباب نے کسی پر بھی توجہ نہیں دی۔

پھر اسے کراٹے سیکھنے کا شوق ہوا کئی دن عمارہ اور سجل کے آگے پیچھے گھومتی رہی کہ داخلہ دلوا دو کسی نہ کسی طرح بات زاہد تک پہنچ گئی انہوں نے اسے طلب کر لیا تمام گھر جمع تھا سب ہال کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب وہ نڈر انداز میں سر اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

''کیوں رباب یہ میں کیا سن رہا ہوں تم کراٹے سیکھنا چاہتی ہو۔'' وہ اس کے اس انداز کو ہضم نہیں کر پا رہے تھے۔

''جی تایا ابا مجھے شوق ہے کراٹے سیکھنے کا، ایک ماہ کی فیس پانچ سو روپے ہے اور ایڈمیشن فیس ایک ہزار ہے'' اس نے اعتماد سے بتایا تو رقیہ کھول سی گئیں۔

''کیوں تم نے چوروں ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہونا ہے جو کراٹے سیکھو گی'' انہوں نے غصے سے اسے دیکھا۔

''تایا ابا چور ڈاکو کراٹے نہیں سیکھتے اس مقصد کے لیے ان کے پاس کلاشنکوف اور ریوالور ہوتے ہیں۔'' وہ سکون سے بولی تو زاہد کمال کا پارہ چڑھ گیا۔ ''عمارہ عمارہ'' انہوں نے آواز دی وہ ڈرتی ڈرتی آگے آئیں۔ ''یہی تربیت کی ہے تم نے اس کی، بڑوں سے بات کیسے کی جاتی ہے اسے سکھاؤ۔'' انہوں نے بات ہی ختم کر دی۔

بس یہیں سے وہ بدلحاظ اور ضدی ہو گئی تھی رقیہ کے آگے بولنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی پر رباب تو ان کے آگے چیخ چیخ کر بولتی بڑی چچی اور چھوٹی چچی بھی اس کے بدلتے تیوروں سے خائف رہنے لگی تھیں وہ کالر جھاڑ کر کہتی ''میں بیٹا ہوں بیٹا اپنے پپا کا۔''

سجل نے بی ایس سی کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اسے ہوم اکنامکس میں ماسٹر کا شوق تھا تایا نے صاف صاف کہہ دیا کہ فیکٹری سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی میں تمہیں ہوم اکنامکس جیسی مہنگی تعلیم کیسے دلاؤں؟ ہوم اکنامکس کی تعلیم اتنی مہنگی نہیں تھی کم از کم ایم بی اے سے تو مہنگی نہیں تھی انہوں نے فہد کو ایم بی اے کے لیے باہر بھیجا ہوا تھا کسی میں ہمت ہوتی تو کہتا کہ لاکھوں کروڑوں کی لگائی گئی شوگر مل سے اتنی آمدنی بھی نہیں ہوتی کہ تعلیم کا خرچہ ہی پورا کر سکے پر یہ ہمت کرتا کون سجل اور عمارہ اتنی بہادر نہیں تھیں رباب اس وقت بہت چھوٹی تھی اپنے آپ میں مگن اور لاپرواہ باب برستی بارش اور گرجتے بادلوں میں چوزے کی طرح ماں کی آغوش میں دبک جاتی اس کے معصوم ذہن میں بڑے ابا اور پپا کی موت کا منظر تازہ تھا۔

وہ ایک جل تھل برسات کا روز تھا بادل گرج رہے تھے بجلی پوری شدت سے چمک رہی تھی بڑے ابا وضو کرنے نکلے رباب برآمدے میں تھی وہ واش بیسن کی طرف جاتے جاتے دُہرے ہو گئے بادل گرجے وہ زمین پر گر پڑے اس نے چیخ کر گھٹنوں میں سر چھپا لیا سب اندر سے بھاگتے ہوئے نکلے تب تک بڑے ابا ٹھنڈے ہو گئے تھے اچانک دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا تھا۔ پپا کی وفات کے دن بھی بادل گرج رہے تھے یہ دو دن پوری بدصورتیوں کے ساتھ اس کی یادداشت کے خانے میں محفوظ تھے اس کے بعد جب بھی بارش ہوئی، بجلی چمکی، بادل گرجے رباب کی حالت قابل رحم ہو گئی وہ سارا سارا دن عمارہ یا سجل سے لگی بیٹھی رہتی ایک پل کے لیے بھی پاس سے نہ ہٹنے دیتی خود بھی ڈرتی اور انہیں بھی ہولاتی۔

عمارہ بہت پریشان تھیں مسز بخاری جوان کے پڑوس میں رہتی تھیں انہوں نے مشورہ دیا کہ رباب کو کسی ماہر نفسیات کو دکھائیں انہوں نے ایک دوبارہ گھریلو اخراجات کم کر کے یہ بھی کر کے دیکھ لیا مگر مسئلہ جوں کا توں رہا جب بھی بارش ہوتی رباب آنکھیں بند کیے بستر میں دبک جاتی۔ عمارہ نے ایک بار دبی زبان سے زاہد سے کہا کہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں انہوں نے ہمیشہ کی طرح اخراجات کی زیادتی کا رونا رویا فیکٹری کے خسارے کا بتایا ساتھ اپنا احسان جتایا کہ میں نے اپنے شیئرز نکال کر فیکٹری میں لگائے ہیں تاکہ اس کی ڈوبتی ساکھ کو کچھ تو سہارا ہو۔ عمارہ چپ ہو گئیں۔ اس روز وہ بہت روئیں بیٹی کا معاملہ تھا اس کی شادی بھی کرنی تھی ادھر تینوں جیٹھانیوں نے رباب کو ”نفسیاتی مریضہ“ کہنا شروع کر دیا تھا جو بھی گھر میں آتا عمارہ کو ہمدردانہ مشورے دیتا اور تاسف کا اظہار کرتا۔

گھر میں سب لوگوں کو علم تھا کہ رباب کے ساتھ یہ مسئلہ ہے اس کے بعد تو سب رشتہ داروں کو بھی علم ہو گیا کہ رباب کے ساتھ نفسیاتی مسئلہ ہے خود عمارہ کے بہن بھائی اس واقعے کے بعد رباب سے کترانے لگے تھے کم فہمی اور لاعلمی کے باعث ان کا خیال تھا کہ یہ بیماری ان کے بچوں کو بھی لگ جائے گی حالانکہ یہ خالصتاً ذہنی مسئلہ تھا۔ عمارہ نے خود ہی آہستہ آہستہ ہر جگہ آنا جانا کم کر دیا سجل اور رباب کو تو ساتھ لے کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا بھائی کی موت کے بعد انہوں نے بھابی کے گھر جانا بھی ختم کر دیا اگر رباب بھی ان کے ساتھ جاتی تو وہ فوراً اپنے بچوں کو ادھر ادھر کر دیتیں۔ دو بہنیں تھیں جو گاؤں میں اپنے ہی جیسے لوگوں میں بیاہی ہوئی تھیں ان کے سسرال والے پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ میکے والوں سے زیادہ میل جول رکھیں عمارہ کی شادی اونچے گھرانے میں ہوئی تھی اس وجہ سے وہ احساس کمتری کا شکار رہتی تھیں سسر اور شوہر کی وفات کے بعد اس اونچے گھرانے کا بھی پول کھل گیا۔ چالیسویں پر عمارہ کی جیٹھانیاں جس تحقیرانہ طریقے سے اس سے پیش آ رہی تھیں یہ عمارہ کی دونوں بہنوں کے لیے بڑا طمانیت بخش تھا اندر لگی حسد کی آگ پر کچھ سرد پانی کے چھینٹے پڑے وہ بہن سے ملنے جلنے میں محتاط ہو گئی تھیں۔

جس مکان میں عمارہ کی سب بہن بھائی شادی سے پہلے رہتے تھے وہ فروخت کر دیا گیا رقم بھابی اور بہنوں کے حصے میں آئی عمارہ کو پھوٹی کوڑی تک نہ ملی وہ سب عمارہ کے ٹھاٹ دیکھ کر اندر ہی اندر جلتی تھیں وہ اس بات کی قائل تھیں کہ جو ہمارے پاس نہیں ہے وہ کسی اور کے پاس بھی نہیں ہونا چاہئے۔ یوں وہ ہر طرف سے اکیلی ہو گئیں جو کرنا تھا خود کرنا تھا فیکٹری شوہر کے بھائی کے پاس تھی وہ خود سٹور روم میں منتقل ہو گئی تھیں ان کی بیٹیاں عام تعلیمی اداروں میں پڑھ رہی تھیں عمارہ کو اب تعلیم کی اہمیت کا شدت سے احساس ہوا تھا تینوں جیٹھانیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں بس ایک وہی تھیں جنہوں نے واجبی سی تعلیم حاصل کی تھی وہ سجل اور رباب کو...... ہر ممکن تعلیمی سہولت مہیا کرنا چاہتی تھیں۔

بی ایس سی کے بعد سجل گھر میں ہی سلائی کڑھائی کا کام کرنے لگی کاموں میں مصروف رہ کر اپنے تیئں وہ اپنی خواہشوں اور خوابوں کو مار رہی تھی مگر کاش خوابوں کو مارنا اتنا ہی آسان ہوتا تو سب خواب دیکھنا چھوڑ دیتے۔عمارہ بھی بلڈ پریشر کی مریضہ بن گئی تھیں۔ پریشانیوں کی وجہ سے وہ اپنی اصل عمر سے کئی گنا بڑی نظر آتی تھیں جبکہ ان کے مقابلے میں رقیہ رفعت اور آمنہ نے خود کو خاصا مین ٹین کر رکھا تھا...... قیمتی کپڑوں میں ملبوس نفیس سی جیولری پہنے، بال بنائے، نت نئے پرفیومز میں نہائی وہ واقعی اس اعلیٰ خاندان کی بہوئیں لگتی تھیں جبکہ خود عمارہ تھکے تھکے پژمردہ چہرے، ملگجے کپڑوں اور اُلجھے بالوں میں مڈل کلاس طبقے کی عام سی عورت لگتی تھیں جن کی پوری زندگی پریشانیوں اور مسائل کے خلاف لڑتے لڑتے ختم ہو جاتی ہے۔

سجل اور رباب کے کپڑے جوتے بھی سیل سے خریدے جاتے تھے انہیں جب بھی کوئی کپڑا جوتا یا سویٹر شال خریدنی ہوتی تو اس کے لیے سیل کا انتظار کرنا پڑتا جبکہ کھانے پینے کی اشیاء بھی وہ دوسرے بلکہ تیسرے درجے کی لاتیں تا کہ مہینہ آرام سے گزر سکے۔اس کے باوجود بھی رقیہ۔ رفعت اور آمنہ طعنے دینے سے باز نہیں آتی تھیں عمارہ اور ان کی بیٹیوں کا وجود انہیں گوارا نہیں تھا۔

آمنہ نے اٹھتے بیٹھتے عمارہ کو یہ طعنے دینے شروع کر دیئے کہ سجل کی اتنی عمر ہو گئی ہے ابھی تک اس کا ایک رشتہ بھی نہیں آیا ہے سجل کی عمر بائیس تیئس سال کے قریب تھی حالانکہ آمنہ کی اپنی بیٹی جو سجل سے پورے چار برس بڑی تھی اس کی شادی گزشتہ سال ہی ہوئی تھی عریشہ اور مومو کا خیال تھا کہ چلو سجل پر کوئی تو ترس کھا کر شادی کر لے گا مگر رباب پر کوئی تھوکے گا بھی نہیں یہ سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی وہ پوری طرح تیار ہو کر میدان میں اتر آتی تھی اپنی ذات کی بے عزتی اس نے برداشت کر لی تھی سجل آپی کے لیے تو اس کو ایک لفظ سننا بھی گوارا نہیں تھا۔

''میں خود ہی کسی پر نہیں تھوکوں گی کوئی شادی کی نیت سے میری طرف آنکھ اٹھا کر تو دیکھے میری آپی کے لیے ''شہزادہ آئے گا شہزادہ'' وہ کمر پر ہاتھ رکھے لڑاکا عورتوں کی طرح زور زور سے بول رہی تھی۔

''کوئی شادی کی نیت سے تمہاری طرف جب آنکھ اٹھا کر دیکھے تو ہمیں بھی بتانا گینز ورلڈ بک میں چھپوا دیں گے اور سجل صاحبہ کے لیے جب شہزادہ آئے گا تو اس کے دیدار ہمیں بھی کروا دینا'' مومو تمسخر سے بولی جب سے اس کی شادی ہوئی تھی وہ خود کو توپ شے تصور کرنے لگی تھی اس کا سسرال بھی بڑا زبردست تھا شوہر دبئی میں سونے کا کاروبار کرتا تھا اسی لیے اس کی گردن اکڑی ہی رہتی تھی عریشہ کم نہیں تھی نت نئے سوٹ اور جیولری پہن کر میکے آتی اور اپنے تیئں سب کو جلاتی۔

عطیہ کے سسرال والے اپنے لمبے بالوں والے بیٹے کے لیے لڑکی کی تلاش میں تھے آمنہ اور رفعت نے رقیہ سے کہلوایا کہ گھر میں تین لڑکیاں افشاں، خمار اور اسماء موجود ہیں جس کو چاہیں پسند کر لیں کیونکہ لمبے بالوں والا گرین کارڈ ہولڈر تھا یعنی اچھی خاصی موٹی آسامی تھا، رفعت کی نظر عاقب پر اپنی افشاں کے لیے تھی۔

آج عطیہ کے سسرال والے پھر آ رہے تھے وہ پہلے بھی سرسری طور پر لڑکیاں دیکھ چکے تھے اب بطور خاص سمدھن کے بلاوے پر تشریف لا رہے تھے وہ جب بھی آتے اپنے ساتھ گویا پوری بارات لاتے، بیچاری صومیہ پکاتے پکاتے عاجز آ جاتی عطیہ تو کسی کام کو ہاتھ بھی نہ لگاتی اسے اپنے گورے گورے ہاتھ کے ناخن کیوٹکس سے سجے رہتے تھے بہت عزیز تھے بقول اس کے:

"میرے ہاتھ مارلن منرو سے ملتے جلتے ہیں۔"

ایسے میں سجل ہی کام آتی تھی آج بھی صبح سے صومیہ بھابی کے ساتھ لگی ہوئی تھی چھوٹے موٹے کام خانساماں نبٹا رہا تھا افشاں، خمار اور اسماء نے بھی ہاتھ پیر ہلا لیے تھے انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہوئی تھیں۔

حسبِ معمول عطیہ کے تمام سسرالی آئے ہوئے تھے رباب نے تمیز سے سلام کیا اور بیٹھ گئی آج تو گنجو بھی آیا ہوا تھا لمبے بالوں والی مخلوق دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھی شادی بیاہ کی باتیں ہو رہی تھیں لمبے بالوں والے نے بڑی عاشقانہ نظروں سے رباب کو دیکھا اور باآواز بلند کہا۔

"مس آپ مجھ سے شادی کریں گی۔" یہ بم پھاڑ کر وہ اپنی ممی کی طرف مڑا اور کہا۔

"میں نے اگر شادی کی تو اسی سے کروں گا" گنجو بھی پھیل گیا اس کی نگاہ انتخاب سجل پر جا ٹھہری بس پھر کیا تھا رباب نے عطیہ کے سسرالیوں کی کسی پشت کو بھی نہ بخشا عمارہ اور سجل بمشکل تمام اسے باہر لے کر گئیں۔ گنجو اور لمبے بالوں والے کی ممی رقیہ کو سو سو باتیں سنا کر گئیں اور ڈھکے چھپے انداز میں منگنی توڑنے کی دھمکی بھی دی رقیہ اور آمنہ دندناتی عمارہ کے سر پر جا پہنچیں۔

"عمارہ بی اگر عطیہ کی منگنی ٹوٹی تو میں تمہاری ان لاڈلیوں کو زندہ دفن کروا دوں گی، باندھ کر رکھو انہیں یہ اپنے حسن اور ناز و انداز کے تیر کہیں اور جا کر چلائیں تو بہ کیسی گھنی اور اپنی طرح چالاک اولاد پیدا کی ہے خدا جانے اندر ہی اندر کیسے چکر چلتے رہے کہ وہ لڑکا افشاں کے رشتے سے انکاری ہو گیا۔" حالانکہ یہ بات بالکل جھوٹ تھی اس نے اقرار ہی نہیں کیا تھا تو اقرار کا سوال کہاں سے پیدا ہو گیا۔ وہ دونوں رباب کو کچا چبا ڈالنا چاہتی تھیں دونوں نے اپنے شوہروں کو ایک کی چار لگا کر سنائیں چھوٹے چچا کا ہاتھ رباب پر اٹھتے اٹھتے رہ گیا سجل کی بھی طلبی ہوئی۔

"خوب باپ کے مرنے کے بعد گل کھلا رہی ہو" تایا ابا نے خوں آشام نگاہوں سے سجل کو دیکھا تو اس کی جان پتے کی طرح کانپنے لگی انہوں نے جانے اسے کیا کیا کہا وہ سر جھکائے سنتی رہی مگر رباب اس وقت ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر رہی تھی اس سے مزید کھڑے ہو کر صفائی پیش کرنا دوبھر ہو رہا تھا، وہ بھاگ آئی عمارہ اور سجل زیرِ عتاب رہیں۔

"صاحبزادی جاؤ جلد ہی تمہارا رشتہ ڈھونڈوں گا" تایا ابا کے اس جملے پر سجل کی گردن گھٹنوں سے جا لگی وہ کہنا چاہتی تھی نہیں تایا اب ایسی بات نہیں ہے مگر اس کی تو ہونٹ ہی گویا سل گئے تھے۔

"تم دونوں بہنیں آئندہ کسی مہمان سے نہیں ملو گی اور نہ ڈرائنگ روم کی طرف آؤ گی" بڑے چچا نے بھی حصہ لیا۔

تینوں بھائیوں کا غصہ دیکھ کر لگ رہا تھا کہ رباب کی شامت آنے والی ہے عمارہ اسے زبردستی ممانی کے گھر چھوڑ گئیں وہ بری طرح مچل رہی تھی کہ مجھے یہاں نہیں رہنا ہے خود بھابی کے ماتھے کے بل دور ہونے میں نہیں آ رہے تھے عمارہ نے اسے اپنی ممتا کا واسطہ دے کر روکا۔ واپسی پر مسز بخاری کے ہاں سے انہوں نے عطیہ کے سسرال فون کر کے معافی مانگی روئیں اور منگنی نہ توڑنے کی منت کی پھر یہ ہوا کہ اس کے سسرال والے آئے ٹھونسا اور منگنی نہ توڑنے کی خوشخبری سنا گئے۔

ادھر رباب سخت مشکل میں تھی ممانی اس سے بات تک نہیں کر رہی تھیں اور نہ بچوں کو اس کے قریب پھٹکنے دے رہی تھیں وہ اچھوتوں کی

طرح کمرے میں بند ہو کر رہ گئی ایک ہفتے بعد امی اسے لے گئیں یہ سات دن اس کے لیے بڑے ہولناک تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ دنیا سے اس کا رابطہ ہی کٹ گیا ہے۔

''امی کیا بات ہے یوں چپ کیوں ہیں؟'' سجل نے ان کو پریشان دیکھا تو چلی آئی۔

''کچھ نہیں ہے'' انہوں نے زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی تو وہ ٹھٹک گئی کہ کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔

''امی مجھے اپنی پریشانی نہیں بتائیں گی'' اس نے خلوص سے ماں کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''رباب کا رزلٹ آنے والا ہے اسے آگے داخلہ دلانا ہے کتابوں یونیفارم کا خرچہ اور فیس بھی تو لازمی دینی ہوگی کہاں سے ہوگا یہ انتظام'' وہ بے حد پریشان لگ رہی تھیں۔

''امی فکر مت کریں اللہ بڑا مسبب الاسباب ہے مسز کرمانی نے مجھ سے کچھ کپڑے سلوائے تھے اچھی سلائی دی ہے وہ روپے میرے پاس پڑے ہوئے ہیں رباب کے داخلے کے اخراجات پورے ہو ہی جائیں گے انشاء اللہ اسے ہم آگے ضرور پڑھائیں گے'' سجل کے لہجے میں عزم تھا عمارہ نے بے اختیار اپنی صابر سی بیٹی کو لپک کر گلے سے لگا لیا۔

''اچھا رباب کو بھی ادھر ہی بلا لو کہیں بیٹھی ہوگی ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح'' انہوں نے کہا۔

''ڈار سے بچھڑی کونج کیوں ہونے لگی وہ رونق ہے اس گھر کی'' سجل نے بے اختیار و رنگی کی تو عمارہ مسکرانے لگیں۔

رباب کا رزلٹ بھی آؤٹ ہو گیا پہلے دس بہترین طلباء کی لسٹ میں اس کا نام بھی شامل تھا یہ بڑے اعزاز کی بات تھی کسی بھی اچھے کالج میں بغیر کسی سفارش کے بھی اسے داخلہ مل سکتا تھا رباب لاکھ جھگڑالو اور زبان دراز سہی مگر پڑھائی میں بہت اچھی تھی اور یہ اس کا پلس پوائنٹ تھا وہ صرف امتحانات میں پوری دلچسپی سے پڑھتی اور ساری ساری رات جاگ کر پڑھنے والے سٹوڈنٹس کی طرح کے نمبر لاتی جو بات دوسرے سٹوڈنٹس ایک ایک ہفتے تک نہ سمجھ پاتے وہ محض پانچ دس منٹ میں سمجھ پاتی تھی مزے کی بات یہ تھی کہ اسے اپنی اس خوبی سے کوئی خاص غرض یا لگاؤ نہیں تھا اس کی اس لاپرواہی پر سجل اکثر اسے ٹوک دیتی تھی۔

اس روز رباب سٹور میں گھسی ہوئی تھی بکھرا ہوا سامان اٹھا کر اس نے کونوں میں کر دیا تھا اب سٹور کھلا کھلا لگ رہا تھا۔

''میں رات کو یہاں پڑھا کروں گی'' اس نے بتایا سجل اور عمارہ کو اعتراض نہیں تھا اب وہ بڑی کلاس میں آ گئی تھی جتنا زیادہ پڑھتی اس کے لیے اتنا ہی اچھا تھا۔ کالج میں داخلہ لیتے ہی رباب کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں وہ کالج ٹائم سے لیٹ آتی تھی عمارہ نے سبب پوچھا تو بتا دیا۔

''میں اپنی فرینڈ کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو ٹیوشن پڑھا کر آتی ہوں اس لیے دیر ہو جاتی ہے'' وہ رات کو بھی کتنی کتنی دیر جاگتی رہتی تھی سٹور روم کو جائے پناہ بنائے کتابیں کاغذ سامنے پھیلائے وہ مکمل طور پر مگن ہوتی تھی سجل اور عمارہ اپنے اکلوتے کمرے میں اسے ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے جلد سو جاتیں انہیں علم نہ ہوتا کہ وہ کب بستر پر آئی اور سوئی ان کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ پڑھائی میں واقعی دلچسپی لینے لگی ہے سجل نے ایک روز یونہی اس کے مضامین پوچھے تو اس نے بتایا کہ اکنامکس پولیٹیکل سائنس اور جرنلزم۔

"تینوں مضمون خاصے ٹف ہیں تمہیں گھبراہٹ نہیں ہوتی۔" اس نے یونہی برسبیل تذکرہ پوچھا۔

"نہیں آپی گھبراہٹ کیسی" وہ خوش دلی سے بولی۔

افشاں اور خمار کے امتحانات قریب تھے دونوں سارا سارا دن اور رات کمرے میں پڑھائی کرتی رہتیں رفعت اور آمنہ مامتا کی ماری باداموں والا دودھ اور حلوے زبردستی انہیں کھلا رہی تھیں ہر گئے آئے سے وہ تذکرہ کرتیں کہ ہماری بچیاں بڑی محنتی ہیں ہر وقت پڑھتی ہی رہتی ہیں کھانے پینے تک کا ہوش نہیں ہے دل میں رباب اور بجل بھی مرعوب تھیں اس روز رباب کو آمنہ چچی نے زبردستی روک لیا۔

"جاؤ دونوں بہنوں کو یہ دودھ دے آؤ" انہوں نے پستے بادام ملا دودھ کا جگ اسے تھمایا ناچار رباب کو یہ خدمت سرانجام دینی پڑی اس نے کمرے کا دروازہ ناک کیا جو اندر سے لاک تھا اسے دروازہ بند کر کے پڑھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

"کون" اندر سے خمار نے صدا لگائی۔

"میں ہوں رباب، دروازہ کھولیں چچی نے دودھ بھیجا ہے۔" اس نے بتایا۔

"آجاؤ اندر" خمار نے اسے ہٹ کر جگہ دی اور دروازہ دوبارہ بند کر دیا سامنے وی سی آر لگا ہوا تھا رباب کی نظر بھٹکتی ہوئی سکرین پر پڑی اس کا سارا لہو گالوں پر جمع ہو گیا ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی ایسی فلم اس نے کب دیکھی تھی فلم تھی یا شیطانی خزانہ۔

"رباب بیٹھ جاؤ دیکھو کتنی دھانسو فلم لگی ہوئی ہے جا کر کہہ آؤ تم بھی ہمارے ساتھ پڑھ رہی ہو" افشاں نے آج پہلی بار اس سے نرم لہجے میں بات کی اور خمار نے آنکھ دبا کر اسے دیکھا۔

"نہیں میں نہیں دیکھوں گی۔" وہ جلد از جلد یہاں سے نکلنا چاہتی تھی وہ مڑی تاکہ جا سکے افشاں اور خمار دونوں اس کے سامنے آگئیں۔

"دیکھو رباب جو کچھ اس کمرے میں دیکھا ہے باہر جا کر کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے" افشاں سرد لہجے میں بولتی دروازے کے آگے سے ہٹ گئی اس کے نکلتے ہی انہوں نے دوبارہ لاک لگا لیا وہ جب واپس اپنے کمرے کی طرف آرہی تھی تو اس نے سنا آمنہ چچی رفعت چچی سے کہہ رہی تھیں۔

"پڑھ پڑھ کر دونوں کے اتنے سے منہ نکل آئے ہیں امتحانوں کے بعد انہیں کہیں باہر سیر کرانے لے جائیں گے۔"

"ہاں ٹھیک ہے فرانس چلتے ہیں۔" رفعت نے تائید کی۔ رباب کمرے میں پہنچتے ہی ڈھیر ہو گئی خمار اور افشاں جو کچھ دیکھ رہی تھیں نہ جانے وہ فلموں کی کونسی فلم میں شمار ہوتی تھی پہلے اس کا خیال تھا کہ انڈین فلمیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ انہیں فیملی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا جائے اب وہ جو کچھ دیکھ کر آئی تھی اس کا خیال تھا کہ اسے تو اکیلے بیٹھ کر بھی نہیں دیکھا جا سکتا نہ جانے کیوں اسے افسوس سا ہوا دونوں کی مائیں مگن تھیں کہ وہ پڑھائی کر رہی ہیں انہوں نے جا کر یہ معلوم کرنے یا دیکھنے کی بھی ضرورت ہی نہیں محسوس کی کہ واقعی دونوں پڑھ رہی ہیں یا کچھ اور کر رہی ہیں؟ خاصی دیر بعد وہ ناگوار خیالات سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہوئی۔

تایا ابا کے چھوٹے صاحبزادے ایم اے کر کے لوٹ آئے تھے فہد عطیہ سے بڑا اور عریشہ سے چھوٹا تھا سب سے بڑا ریحان تھا جو شادی

شدہ اور صاحب اولاد تھا اس کے بعد عریشہ اپنے گھر کی ہو چکی تھی عطیہ کی بھی بات پکی تھی اب صرف فہد رہ گیا تھا بہن بھائیوں کو اس کی شادی کا بڑا ارمان تھا آمنہ اور رفعت دونوں چاہتی تھیں کہ وہ ان کا داماد بنے ایک لڑکا تھا اور تین لڑکیاں تھیں آج کل تو آئے روز اس کی دعوتیں ہو رہی تھیں کبھی خالہ کے گھر، کبھی پھوپھو کے گھر کبھی اس چچی کے ہاں ہر جگہ اسے وی آئی پی ٹریٹ منٹ مل رہی تھی افشاں، خمار اور اسما بھی اسے متاثر کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ فہد کے دل میں کیا ہے ماں باپ دونوں کی طرف سے اس پہ جلد شادی کرنے کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور وہ تھا کہ مسلسل ٹالے جا رہا تھا ہر کوئی اس کی تعریفیں کر رہا تھا مگر رباب کو فہد اچھا نہیں لگا تھا وہ جب سے آیا تھا ایک بار بھی ان کے پورشن کا رخ نہیں کیا بس سرسری سا آتے جاتے حال احوال پوچھ لیا اس نے اسے بھی ہٹ لسٹ پر رکھ دیا گڈ بک میں وہ پہلے ہی نہیں تھا۔

اس روز تینوں گھروں کی مشترکہ دعوت تھی تایا ابا نے رحم کھا کر ان تینوں کو بھی مدعو کر لیا عمارہ نے سجل اور اسے دونوں کو اچھے کپڑے پہننے کی تلقین کی اور خود بھی نہا دھو کر سفید کاٹن کا سوٹ پہنا سجل چکن کے کپڑوں میں اپنے سادہ حلیے میں بھی اچھی لگ رہی تھی ہاں رباب نے کوئی خاص تیاری نہیں کی نیلی جینز کے اوپر آف وائٹ کرتا پہن لیا بالوں میں برش پھیر لیا کسی بھی قسم کی جیولری اور میک اپ سے تو اسے بھی خاص دلچسپی نہیں تھی بس اس کی تیاری مکمل تھی بال اس کے پہلے کی نسبت خاصے بڑے ہو گئے تھے تین چار ماہ سے اس نے کٹوائے ہی نہیں تھے اب اس کا ارادہ دوبارہ سے بال بڑھانے کا تھا کالج میں اس کی جو دوست بنی تھی۔ اس کے بال بے تحاشا لمبے تھے رباب کو اپنے بال یاد آ گئے ساتھ ہی دکھ بھی ہوا کہ کیوں کٹوائے تھے اس لیے وہ آج کل بڑھا رہی تھی۔

عمارہ اور سجل جا کر خاصے تکلف سے بیٹھ گئیں رباب بھی ایک میگزین دیکھنے لگی سجل تو بعد میں صومیہ کے ساتھ کھانا لگوانے لگی وہ یونہی بیٹھی رہی کھانا کھاتے ہی اس نے عمارہ اور سجل کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''امی اٹھیں آپی آپ بھی آئیں مجھے اکنامکس کے نوٹس بنانے ہیں'' فہد نے دخل اندازی کی۔

''بھئی بیٹھو اتنے عرصے بعد یوں سب لوگ اکٹھے ہوئے ہیں'' اس نے روکا رباب کو اچھی طرح پتہ تھا اگر امی اور آپی بیٹھی رہیں تو پھر انہیں کھانے کے برتن دھو کر ہی جانا پڑے گا اور یہ وہ نہیں چاہتی تھی۔

''تو آپ سب بیٹھیں باتیں کریں آپی آئیں ناں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔'' اس نے بہن کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔

''رباب کیا بدتمیزی ہے یہ سب سوچ رہے ہوں گے ٹھونس کر چلی گئی ہیں کسی کام کو ذرا بھی ہاتھ نہیں لگایا ہے'' سجل ناراضگی سے بولی۔

''صرف ہم نے اکیلے نہیں ٹھونسا ہے اوروں نے بھی کھایا ہے، کھائیں سب اور کام صرف ہم کریں یہ تو نہیں ہو سکتا یہ دعوت کھلا کر کسی نے ہم پر احسان نہیں کیا ہے میرے پپا کے پیسوں پر یہ سب عیش ہو رہے ہیں'' وہ تلخی سے بولی تو سجل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مبادا کوئی اور یہ گفتگو سن لے۔

''کون سکھاتا ہے تمہیں یہ باتیں اگر تایا چچا کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی تو رہنے کا یہ ٹھکانہ بھی چھن جائے گا تمہیں ہماری مشکلات کا کوئی احساس ہے یا نہیں امی پہلے ہی بی پی کی مریضہ ہیں تمہاری حرکتیں ہمارے لیے کوئی نہ کوئی بڑا مسئلہ ضرور پیدا کریں گی۔''

اس روز وہ کالج سے لوٹی تو فہد بھائی ان کے اکلوتے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے رباب نے لٹھ مار انداز سے سلام کیا اور سجل کا پوچھا وہ

سٹور روم میں تھی۔ کپڑے تبدیل کر کے کھانا لے کر وہ بھی ادھر آ گئی۔

''بھئی تم دونوں سے اس بے مروتی کی توقع نہیں تھی'' فہد جاتے جاتے سٹور کے آگے رکا اور اندر جھانکا۔

''ہم تو ایسے ہی ہیں'' رباب بے نیازی سے بولی البتہ سجل شرمندہ ہو گئی۔

''ایم سوری فہد بھائی یہ تو ایسے ہی بکتی رہتی ہے۔''

''میں بکتی نہیں سچ کہتی ہوں صرف سچ'' رباب اطمینان سے بولی۔

فہد کی نگاہیں سجل کی سیدھی مانگ پر جم کر رہ گئیں اس سادگی میں بھی اس میں غضب کا رکھ رکھاؤ تھا۔

''کیا بات ہے تم دونوں ہماری طرف آتی ہی نہیں ہو'' فہد آگے بڑھ آیا۔

''سجل آپی آپ کی ظہر کی نماز نکلی جا رہی ہے۔'' اس نے فہد کی بات کو نظر انداز کر کے بہن کو یاد دلایا تو اسے بہت غصہ آیا وہ چلا آیا جس عزت افزائی کی اسے توقع تھی ایسا نہیں ہوا تھا جب وہ یہاں سے گیا تھا عمارہ اور سجل پوری طرح اس کی ماں اور آمنہ رفعت کے قبضے میں تھیں واپسی میں اسے یوں لگا جیسے کایا پلٹ گئی ہے وہ دونوں رباب کے قبضے میں نظر آ رہی تھیں چھوٹی اور کم سن سی رباب کے قبضے میں، جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نفسیاتی مریضہ ہے وہ بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی جب وہ یہاں سے گیا تھا وہ چھوٹی سی تھی اب تو پہچانی ہی نہیں جاتی تھی ظاہر ہے بارہ سالہ اور سترہ سالہ رباب میں زمین آسمان کا فرق تھا وہ جب واپس اپنے پورشن میں آیا تو اسے ماں نے روک لیا۔

''ادھر کیا لینے گئے تھے بڑی گھنی ہیں یہ ماں بیٹیاں'' انہوں نے بیٹے کو یاد دلایا ساتھ ہی عطیہ کی سسرال والوں کے ساتھ رباب کی بدتمیزی کا بھی واقعہ نمک مرچ لگا کر بتایا وہ سوچ میں ڈوب گیا رباب کو دیکھ کر لگتا تو نہیں تھا کہ وہ اتنے دم خم والی ہے۔

سجل تائی رقیہ کے کچن میں مصروف تھی انہوں نے ماتھے پر سلوٹیں ڈالتے ہوئے اسے جلدی جلدی ہاتھ چلانے کی تاکید کی اس نے مچھلی فرائی کر کے ڈھانپ دی اور فیرنی پکانے لگی۔

''بڑی زبردست خوشبو آ رہی ہے'' فہد اچانک ہی آ گیا تھا سجل ڈر گئی تائی کی ہدایت تھی کہ فہد سے بلاضرورت بات نہ کی جائے وہ اس سے مخاطب ہی نہیں ہوتی تھی وہ خود ہی ٹکرا جاتا تھا جیسے اس وقت ہوا تھا اس نے جیسے تیسے فیرنی کی ڈیکوریشن کر کے فریج میں رکھی اور باہر جانے لگی تھی کہ فہد آگے آ گیا۔

''کزن کیا بات ہے مجھے دیکھتے ہی تم کترانے کیوں لگتی ہو۔'' اس کا موڈ آف ہو گیا۔

''فہد بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے اور پلیز مجھے راستہ دیں'' اس کے ہٹتے ہی وہ اپنے کمرے میں آ گئی شکر تھا کہ تائی کو خبر نہیں تھی۔

اس روز تائی اور دونوں چچیاں کہیں جا رہی تھیں افشاں، اسماء، خمار اور عطیہ بھی تیار ہو رہی تھیں صومیہ بھابی اور بینا دونوں اپنے اپنے میکے میں تھیں فہد کسی دوست کی طرف گیا ہوا تھا جانے سے پہلے تائی رقیہ سجل کو یہ ہدایات دینا نہ بھولیں کہ فہد کے کمرے کی صفائی اچھی طرح کروا دینا اس کروا دینا میں ''کر دینا'' چھپا ہوا تھا جسے وہ بخوبی جانتی تھیں چنو صاحبہ تو جیسے تیسے ہاتھ مار کر چل دیتیں بعد میں اسے ہی باریکی سے تمام کام کرنا پڑتا

جس کی وہ ماہر تھی ہوم اکنامکس کی تعلیم اس صورت میں اس کے کام آ رہی تھی۔ امی کو بتا کر وہ فہد کے کمرے کی صفائی کرنے لگی شکر تھا کہ وہ خود گھر پر نہیں تھا رباب بھی سوئی ہوئی تھی اس کی تین ٹیچرز چھٹی پر تھیں وہ بھی ہر تیسرے روز چھٹی کر لیتی اور اب دن کے گیارہ بج رہے تھے وہ مزے سے سوئی ہوئی تھی عمارہ سودا سلف لینے قریبی مارکیٹ گئی ہوئی تھی گھر میں بس وہ دونوں تھیں...... فہد جلدی لوٹ آیا تھا اس کا دوست گھر پر نہیں تھا دونوں کا پروگرام باہر لنچ کرنے کا تھا جو احمد کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔

سجل اس کے کمرے کی جھاڑ پونچھ میں لگی ہوئی تھی اسے ایک عجیب سی خوشی ہوئی ''مجھے تائی اماں نے کہا تھا آپ کے کمرے کی صفائی کر دوں'' وہ سادگی سے بولی۔

''ہاں تو میں نے کب کہا ہے کہ تم میرے کہنے پر صفائی کر رہی ہو کاش کبھی تم میرے کہنے پر بھی......'' فہد کے لہجے میں اس کی دلی خواہش بول رہی تھی۔ ''سجل جب سے آیا ہوں تمہارا گریز دیکھ رہا ہوں حالانکہ اس گریز کو اچھی طرح سمجھتا ہوں پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ بدل جائے اس لیے کہ یہی میری دلی خواہش ہے سجل آئی لو یو......'' فہد نے دل کا بھید ظاہر کر ڈالا سجل کا چہرہ ایک دم زرد ہو گیا اگر تائی اماں یہ سن لیتیں تو اسے لفظوں کے تیروں سے چھلنی کر دیتیں عافیت اس میں تھی کہ خاموش رہا جائے۔

''فہد بھائی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کریں۔'' وہ روہانسی ہو گئی تو فہد کو اس کے حال پر رحم آ گیا وہ خاموشی سے کمرے سے چلا گیا سجل جلدی جلدی چیزیں سمیٹ کر آ گئی۔

☆☆☆

خدا اور محبت

خدا اور محبت بہت ہی خوبصورت اور رومانی ناول ہے جو مصنف ہاشم ندیم کی اپنی محبت کی سچی داستان پر مبنی ہے۔ یہ مصنف ہاشم ندیم کا پہلا ناول ہے اور اس کی کہانی کوئٹہ اور لندن شہر کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ یہ ناول ایک پرائیوٹ چینل پر ڈرامائی شکل میں بھی پیش کیا جا رہا ہے۔ اس ناول کو نیشنل اور انٹرنیشنل دونوں سطح پر بہت سراہا گیا ہے اور بہت جلد علم و عرفان پبلیکیشنز والے اس ناول کا انگریزی ایڈیشن لندن سے شائع کرنے والے ہیں۔

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

عطیہ کی شادی قریب تھی اس کے زیادہ تر جوڑے سجل ہی سی رہی تھی جو بھی دیکھتا اس کی مہارت پر حیران ہوئے بغیر نہ رہتا خمار، اسماء، افشاں، عریشہ اور موموتک نے بھی اپنے تمام کپڑے سینے کے لیے اس کے حوالے کر دیئے رباب نے کتنا کہا کہ واپس کر دیں ہم نوکر نہیں ہیں جو مفت میں کپڑے سی کر دیں سجل نے نرمی سے اسے ٹوک دیا تھا۔

''آپ کو پتہ ہے جہاں سے یہ کپڑے سلواتی ہیں وہ ڈیزائننگ کرنے کے صرف دو دو ہزار لیتا ہے آپ اتنے زیادہ کپڑے ایسے ہی انہیں سی کر دیں گی'' رباب نے ہار نہیں مانی اور اسے سمجھاتی رہی۔

اس روز سجل اسماء کے کپڑے سی رہی تھی۔ کالی اسٹریپ شرٹ کے ساتھ سرخ رنگ کی شلوار اور دوپٹہ تھا قمیص کے پلوؤں پر کڑھائی اور پھول پتی کا کام دوپٹے میں چنری کے چھوٹے چھوٹے چوکھٹے کاٹ کر لگائے گئے تھے سائیڈوں پر ہلکی ہلکی دیدہ زیب کڑھائی تھی یہ سب اس نے گھر پر کیا تھا اسی وقت مسز جواد آ گئیں سجل تائی کے لاؤنج میں بیٹھی سلائی کر رہی تھی وہ بھی ادھر ہی آ گئیں۔

''سجل میرا مشورہ ہے کہ تم ڈریس ڈیزائننگ کی طرف آ جاؤ سچ تمہارے تیار کیے ہوئے ملبوسات کی دھوم مچ جائے گی۔ اب بی جی کو ہی لے لو ایک عام سے سوٹ کی ڈیزائننگ کے پانچ سے دس ہزار لے لیتی ہے ریشمی اور ملبوسات کے سوٹوں کا پوچھو ہی مت دو ہزار کے سوٹ پر ڈیزائننگ پچیس سے تیس ہزار کی ہوتی ہے ہماری تمام فلم ایکٹریس اس سے کرواتی ہیں اس کے ڈریسز کی دھوم ہے حالانکہ مجھے اتنے خاص نہیں لگتے ابھی گزشتہ دنوں جو فلم ایوارڈز ہوئے تھے اس میں ہماری ٹاپ کی ہیروئنز نے اسی کے تیار کردہ ملبوسات پہنے ہوئے تھے وہی کپڑے اگر ہم گھر پر تیار کریں تو ہزار میں آرام سے بن سکتا ہے ویسے ریشم نے جو سوٹ پہنا ہوا تھا مجھے بہت اچھا لگا میں تمہیں سب کچھ لا دوں گی مجھے سی دو گی؟'' انہوں نے لہجے میں شہد سمویا حالانکہ ابھی خود ہی وہ کچھ دیر پہلے کہہ رہی تھیں کہ بی جی کے ڈریسز اتنے خاص نہیں ہوتے اور اب خود ہی اسی کے تیار کردہ سوٹ کی نقل بنوا رہی تھیں سجل کو بذات خود بی جی کی ڈیزائننگ میں انفرادیت نظر آتی تھی ویسے بھی وہ آرٹسٹک مائنڈ تھی۔

''ٹھیک ہے بنا دوں گی'' اس نے حامی بھری تو وہ آس پاس بکھرے دوسرے سوٹ دیکھنے لگیں دل ہی دل میں انہوں نے سجل کی ذہانت کو سراہا اس نے اتنی خوبصورتی سے رنگوں کو اکٹھا کر کے یکجا کیا تھا اس پر ڈیزائننگ اور نفاست غضب کی تھی مکمل مشرقی اور قدرے جدید انداز جھانکتا تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں خود ان دونوں کے کپڑے انتہائی عام سے تھے نہ جانے تائی کو کیسے ان دونوں بہنوں کا خیال آ گیا تھا احساس کرتے ہوئے دو دو سوٹ انہیں بھی لا دیئے تھے مہندی اور بارات کے لیے عمارہ نے اپنی بری میں چڑھائے گئے سوٹ نکالے جو بیس پچیس سال پرانے یہ سوٹ کچھ کچھ اپنی چمک کھو بیٹھے تھے بہر حال نفاست اور آب و تاب وہی تھی۔

سجل دن رات ایک کر کے سب کے سوٹ سی رہی تھی مایوں کی تقریب سر پر آ گئی تھی ابھی تک ان دونوں بہنوں کے کپڑے نہیں سلے تھے رات کو مایوں تھی وہ صبح سے ہی مشین لے کر بیٹھ گئی رباب کا سوٹ سینے میں کافی وقت لگ گیا کیونکہ اس کا ڈیزائن توجہ مانگ رہا تھا شام چھ بجے کے قریب خدا خدا کر کے دونوں سوٹ مکمل ہوئے تو تائی رقیہ نے سجل کو بلوا لیا تھکن سے اس کا انگ انگ چور تھا پر ان کا حکم ٹالنا بھی تو ممکن نہیں تھا۔

رباب بھی ادھر ہی تھی بہن کی تھکن کے خیال سے وہ آ گئی تھی تا کہ اس پہ کم سے کم بوجھ پڑے تائی نے اسے نظر انداز کیے رکھا اور سجل کو ہی ہدایات دیتی رہیں وہ سر ہلائے سنتی رہی عطیہ کے جہیز کا سامان ڈبوں میں بند کروانا تھا صومیہ اور پھوپھی اس کی مدد کر رہی تھیں پھر بھی اچھا خاصا ٹائم لگ گیا واپسی پہ سجل کا یہی جی چاہ رہا تھا کہ لمبی تان کر سو جائے مگر شادی کے گھر اور ہنگامے میں یہ کس طرح ممکن تھا وہ تھکن اتارنے کے لیے نہانے گھس گئی رباب نے اس کے اور اپنے کپڑے پریس کیے ای تو پہلے سے ہی ادھر تھیں وہ نہا کر نکلی تو رباب برش اٹھا کر اس کے گیلے بالوں میں پھیرنے لگی اسے بہن پر بے اختیار پیار آ گیا تھا اتنی پیاری سی آپی تھی اس کی ہر ایک کے کام آنے والی بے غرض اور پر خلوص سعادت مند سب کا اچھا سوچنے والی۔

"اللہ کرے آپی کو اتنا اچھا لڑکا ملے کہ سب جل کر دیکھتے رہ جائیں۔" اس نے آئینے میں آپی کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔

شادی کی تقریبات میں رباب اجنبیوں کی طرح الگ تھلگ بیٹھ جاتی جبکہ سجل ہر کام میں پیش پیش رہتی۔ اس وقت بھی مہندی کا ہنگامہ عروج پر تھا پر رباب ستون کے ساتھ کھڑی بیزار سی لگ رہی تھی سجل ابھی ابھی اس کے سامنے سے گزر کر کچن میں گئی تھی چند لمحوں بعد فہد بھی اس کے پیچھے چلا گیا رباب کے تن بدن میں آگ سی بھر گئی تیز تیز قدم اٹھاتے اس نے کچن کا رخ کیا۔

"سجل آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو اچھا ذرا یہ بازو تو سامنے کرو دیکھوں چوڑیاں کس رنگ کی پہنی ہیں" فہد اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا۔

"آپی" رباب اونچی آواز میں چیخی سجل کے ہاتھ سے پیالی چھوٹ گئی فہد بھی گھبرا گیا۔

"فہد بھائی تائی ادھر ہی آ رہی ہیں" وہ چبا چبا کر بولی تو وہ کھسیا گیا۔

"آپی آئیں میرے ساتھ" اس نے سجل کا بازو پکڑ کر باہر قدم بڑھائے۔ پھر وہ اس کے ساتھ ساتھ رہی کسی محافظ کی طرح سجل شرمندہ تھی نہ جانے رباب اس کے بارے میں کیا سوچ رہی تھی شرمندگی کے مارے وہ اس سے آنکھیں ہی نہیں ملا پا رہی تھی حالانکہ فہد کی پیش قدمی کا اس نے کبھی بھی مثبت جواب نہیں دیا اسے اپنی حیثیت اور مقام کا پتہ تھا وہ خوامخواہ کیوں ماں اور بہن کے لیے مشکلات پیدا کرتی وہ بڑی حقیقت پسند لڑکی تھی پھر جو تائی رقیہ اور ان کے گھرانے کا رویہ تھا وہ اپنی آنکھوں کو رتجگوں کے عذاب سے بچانا چاہتی تھی فہد کی باتیں دل میں ہلچل مچا جاتیں کچھ دیر بعد وہی خاموشی ہوتی رباب آج عین وقت پر آ گئی تھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی مقام پر کمزور پڑ ہی جاتی مگر رباب کی آمد نے یہ خدشات بھی رفع کر دیئے تھے۔ نہ رباب نے اسے کچھ کہا تھا نہ اس نے صفائی دی تھی پھر بھی دونوں کے مابین ایک خاموش سا معاہدہ ہو گیا تھا۔ سجل اس طرف سے گزرتی ہی نہیں جہاں فہد سے ٹکراؤ ہونے کے امکانات ہوتے رباب نے اسے بروقت خبردار کیا تھا۔

سجل کی تمام کزنز سے شادی میں آئے لوگوں نے پوچھا کہ یہ کپڑے کون سے بوتیکس سے خریدے ہیں سبھی نے بڑے بڑے بوتیک کے نام لیے مگر رباب نے عطیہ کے ولیمے کے دن سب کے جھوٹ کا پول کھول دیا پھر بعد میں جو شرمندہ ہوئیں تو رباب کے جلتے دل پہ شبنم گرنے لگی تھی ہر کوئی سجل کے گرد چکر لگا رہا تھا وہیں ایک ڈرامہ پروڈیوسر بھی ٹکرا گئے انہوں نے کہا کہ ہماری آنے والی تین سیریلز کے کپڑے آپ ڈیزائن کریں تو میں آپ سے معاہدہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔

تائی رقیہ، آمنہ چچی اور رفعت چچی کی خشمگیں نگاہیں اسے اپنی پشت میں چبھتی محسوس ہو رہی تھیں اس نے بمشکل تمام اس پروڈیوسر سے

جان چھڑائی گھر آ کر تایا اور چچا نے اسے سخت سست کہا اور فرمایا۔

''ہمارا تعلق اعلیٰ اور معزز خاندان سے ہے ہماری بیٹیاں اب ٹی وی کے لیے درزیوں کا کام کریں گی''

تائی بھی خم ٹھونک کر مقابلے میں اتریں۔''ساری کارستانی اس ستامرچ رباب کی ہے خود ہی ہنس ہنس کر سب کو بتا رہی تھی میری آپی نے سب کے کپڑے بنائے ہیں'' انہوں نے نقل اتاری اور طوفان کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔

''کیوں بھئی ایسا ہی ہے'' تایا نے اس کی طرف رخ کیا۔

''جی ہاں میں نے ہی سب کو بتایا کہ میری آپی نے یہ سب کپڑے سئے ہیں یہ نہیں کہا کہ انہوں نے لی اسٹائل، بی جی اور ٹی جیز سے خریدے ہیں میں نے صرف سچ بولا ہے میرے پپا اور امی نے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی ہے'' وہ بہت آرام سے بول رہی تھی۔

''ہائیں کیا ہم اپنی اولاد کو جھوٹ کی تلقین کرتے ہیں'' آمنہ تڑپ گئیں۔

''معلوم نہیں میں صرف اپنا کہہ رہی ہوں'' وہ اسی انداز میں بولی ان دونوں بہنوں کے جانے کے بعد تینوں خواتین اپنے اپنے شوہروں کے سر ہو گئیں۔

''آپ نے دیکھا رباب ہاتھ سے نکلتی جا رہی ہے ضرور کوئی نہ کوئی گل کھلا کر رہے گی، یہ نجل تو میسنی ہے پر رباب......اللہ بچائے'' وہ قطرہ قطرہ زہر انڈیل رہی تھیں۔

☆☆☆

سائیڈ ٹریک

سائیڈ ٹریک، مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ایک ناول ہے یہ عمران کے ایک سائیڈ مشن کی کہانی جس میں عمران اور اُس کا ساتھی جوانا ایک یورپین ایجنٹ کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ اس ناول میں مظہر کلیم نے عمران، جوانا اور ٹائیگر کے کئی بہت خوبصورت مارشل آرٹ فائیٹ کے سین پیش کیے ہیں۔ اس بار عمران مین مشن کی بجائے سائیڈ مشن پر کیوں کام کر رہا ہے؟ اگر عمران مین مشن پر نہیں ہے تو مین مشن پر کون کام کر رہا ہے اور پاکیشیا سیکریٹ سروس کہاں مصروف ہے؟ کیا عمران اور اس کے ساتھی اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے۔ ان سب سوالوں کے جواب جاننے کے لئے پڑھیے ناول ''سائیڈ ٹریک''۔

سائیڈ ٹریک کتاب گھر پر دستیاب ہے۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

رباب نے ایف اے بھی شاندار نمبروں سے کلیئر کر لیا تھا اب وہ آنرز میں داخلہ لینا چاہتی تھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس کے کیا ارادے ہیں اور نہ وہ بتاتی تھی اب اس نے کہا کہ وہ یونیورسٹی میں داخلہ لینا چاہتی ہے۔ پی۔ یو میں میرٹ پر اسے داخلہ مل گیا تھا۔ اسی یونیورسٹی میں افشاں اور خمار بھی زیر تعلیم تھیں دونوں تین سال سے انگلش میں ماسٹرز کرنے کی کوشش کر رہی تھیں گھر والے کہتے تھے دونوں بہت پڑھتی ہیں پھر بھی ایگزیمنرز گڑبڑ کر دیتے ہیں سارا الزام پروگرام اور ایگزیمنرز کے سر تھوپ دیا جاتا۔

رباب کی دوست کی بہن بھی اسی یونیورسٹی میں تھی اور اتفاق سے وہ افشاں اور خمار کی کلاس فیلو بھی تھی۔ رباب پوائنٹ سے گھر آتی تھی جبکہ وہ دونوں گاڑی پر آتی جاتی تھیں انہوں نے اسے کبھی سوکھے منہ بھی نہ کہا کہ تم بسوں میں دھکے کھاتی پھرتی ہو ہمارے ساتھ ہی بیٹھ جایا کرو انہیں تو اس کا یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا بھی اچھا نہیں لگا تھا حالانکہ رباب کا شعبہ اور کلاس بالکل الگ تھی۔

سجل اور عمارہ دونوں بازار گئی ہوئی تھیں سجل کو چھ سوٹ لینے تھے سیل لگی ہوئی تھی عمارہ نے سوچا جا کر لے آئیں ویسے بھی سردیاں تین چار ماہ بعد شروع ہونے والی تھیں وہ تو گرمیوں کے کپڑے سردیوں میں اور سردیوں کے کپڑے گرمیوں میں لوٹ مار سیل سے خریدتی تھیں سجل اپنے لیے تو نیا کپڑا کم ہی بناتی تھی، اسے زیادہ تر رباب کی فکر رہتی تھی جس نے اب یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا ہوا تھا وہاں ہر طبقے کی لڑکیاں پڑھتی تھیں وہ بہن کو ہر قسم کے احساس کمتری سے بچانے کے لیے کم قیمت کپڑا اور جوتے خرید کر لاتی اور پھر اپنی مہارت سے عام سی چیز کو خاص بنا دیتی پھر رباب کی فرینڈز پوچھتیں یہ سوٹ کہاں سے لیا ہے؟ وہ ہنس کر آپی کا نام لیتی۔

''امی یہ والا سوٹ رباب کے لیے لے لیتے ہیں'' اس نے لائٹ پنک اور ڈارک پنک کلر کے سوتی کپڑے پر ہاتھ رکھا عمارہ نے کچھ تذبذب کے بعد خرید لیا وہ سڑک پر کھڑی کسی تانگے کا انتظار کر رہی تھیں سجل تنگ آ کر گھومی اور پیچھے بنی دکانوں کے نام پڑھنے لگی یہ دو منزلہ مارکیٹ تھی اوپر مختلف کمپنیوں اور اخبار کے دفاتر تھے اس نے ایسے ہی ایک دفتر سے رباب کو نکلتے دیکھا اس کے ساتھ ماریہ تھی رباب کی فرینڈ، سو فیصد وہ دونوں ہی تھیں اس سے پہلے کہ وہ ماں کو متوجہ کرتی وہ دونوں غائب ہو گئیں سجل الجھ سی گئی ان دونوں کا اخبار کے دفتر میں کیا کام تھا؟ اور یونیورسٹی ٹائم میں وہ یہاں کیا کر رہی تھیں۔ اسے شدت سے واپسی پر رباب کا انتظار تھا یہ یقین تھا کہ وہ کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہے ساتھ ماریہ بھی تھی دل کو ڈھارس سی تھی۔ رباب یونیورسٹی سے کافی دیر بعد لوٹی آج اس کی چال میں نشہ سا تھا دونوں ماں بیٹی چونک گئیں اس نے بیگ اور فائل آتے ہی پھینکا اور بستر پر گر کر گنگنانے لگی۔

ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار
جستجو جو کرے وہ چھوئے آسماں

''آج بہت خوش لگ رہی ہو کیا لاٹری نکل آئی ہے۔'' سجل نے گہری نگاہوں سے اسے جانچا۔

''ہاں لاٹری ہی نکل ہے'' یہ کہہ کر وہ بیگ کو الٹ پلٹ کرنے لگی اس کے ہاتھ میں نوٹوں کا ایک موٹی سی گڈی دبی ہوئی تھی سجل اور عمارہ

دونوں کے دل کسی وحشت ناک خیال سے دھڑکے۔

''کہاں سے اتنے روپے لائی ہوتم'' عمارہ کا لہجہ ایک سخت گیر ماں کا لہجہ تھا رباب نے کوئی پروا نہیں کی۔

''رباب کہاں سے آئے ہیں یہ پیسے'' اب کے عمارہ کڑک کر بولیں تو رباب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا۔

''امی یہ میری پورے دوسال کی محنت کا معاوضہ ہے میں اخبار میں کالمز اور آرٹیکل لکھتی ہوں ایک دو فیچر بھی لکھے ہیں کالج میں داخلہ لیتے ہی میں نے یہ کام شروع کر دیا کیونکہ میری ٹیچرز کہتی تھیں تمہارے اندر لکھنے کی قدرتی صلاحیت ہے میں نے راتوں کو جاگ جاگ کر یہ کالمز اور آرٹیکلز لکھے ہیں روزنامہ آواز کے ایڈیٹر نے شروع میں مجھے معاوضہ دیا تو میں نے کہا کہ میں اکٹھا دوسال بعد لوں گی تاکہ سجل آپی کے جہیز کی کوئی چیز بن جائے آپ ماریہ سے پوچھ لیں میں اس کے ساتھ ''آواز'' کے دفتر گئی تھی۔'' رباب کی آواز میں نمی در آئی جیسے یہ بات اسے برداشت نہ ہو رہی ہو کہ ماں اور بہن دونوں اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔

''ماریہ سے کیوں پوچھوں میں نے خود تمہیں دیکھا تھا'' سجل نے شرمندہ سے لہجے میں کہا عمارہ نے جھپٹ کر اسے سینے میں چھپا لیا تھا۔

''میری بچی میرا چاند'' وہ اس کے منہ ہاتھوں اور بالوں پر اپنی محبت کی مہریں کر رہی تھیں ان کے آنسوؤں سے رباب کا چہرہ بھیگ گیا تھا، وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں انہیں کیا خبر تھی کہ جس رباب کو وہ لاپروا اور کھلنڈری سمجھتی ہیں، وہ اتنی حساس نکلے گی راتوں کو کالج کی پڑھائی کے بہانے اخبار کے لیے لکھتی ہو گی انہیں معلوم تھا کہ وہ رات ایک ایک دو بجے تک بستر سے دور رہتی ہے، اور پھر صبح اٹھتے ہی کتاب کھول لیتی ہے تاکہ اس کی پڑھائی کا حرج نہ ہو گھر کی تمام لڑکیاں ان کے سامنے پلی بڑھی تھیں ٹی وی، فلم، وی سی آر، پکنک، پارٹیاں اور میوزک کے علاوہ انہیں کوئی کام ہی نہیں ہوتا تھا جو وقت بچتا مارے بندھے پڑھ لیتیں یا پھر حسن کے ہتھیاروں کو تیز کرتیں کیسی خوش باش تھیں یہ افشاں، خمار اور اسماء نہ کوئی فکر نہ کوئی بوجھ، کھلے کھلے چہروں اور اُجلے اُجلے لباسوں میں تتلی کی طرح اُڑتی پھرتیں کتنی رونق تھی ان کے بے فکر چہروں پر۔

انہوں نے غور سے رباب کا چہرہ دیکھا گندمی رنگت کی آمیز لیے کتنا مطمئن اور مسرور لگ رہا تھا انہیں اپنی بیٹی کے چہرے پر چٹانوں سا عزم نظر آیا اس کی آنکھیں مسکارے اور کاجل کے بغیر بھی کتنی صاف اور شفاف لگ رہی تھیں۔ اس نے کوئی بھی امپورٹڈ پرفیوم نہیں لگایا ہوا تھا پھر بھی اس کے ملبوس سے کیسی اپنی اپنی اور پاکیزہ سی خوشبو آ رہی تھی اس کے جسم پہ قیمتی سوٹ نہیں تھا پھر بھی وہ کتنی باوقار لگ رہی تھی اس کی انگلیوں میں کوئی بھی ہیرے یا سونے کی انگوٹھی نہیں تھی اس کے باوجود بھی اس کی انگلیاں اور ہاتھ کتنے خوبصورت لگ رہے تھے اس کی انگلیاں قلم جیسی طاقتور چیز کو تھام کر کتنا حسین لگتی ہوں گی۔ عمارہ نے سوچا تھا۔

''امی بس کریں مت روئیں'' سجل نے دونوں کو الگ کیا وہ ابھی بھی مغموم سی بیٹھی ہوئی تھیں رباب کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی تھی۔

''سجل یہ پیسے رکھ لو سنار کو دے آؤں گی ایک دو انگوٹھیاں تو بن ہی جائیں گی'' وہ سوچ میں گم تھیں سجل کچھ کہے بغیر اٹھ کر اندر آ گئی۔

آج افشاں اور خمار نے اسے زبردستی اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا وہ اس نوازش پہ حیران تھی۔

''رباب آج ہم ذرا دیر سے آئیں گے لکی کی برتھ ڈے ہے تم بتا دینا ہم تمہیں اگلے سٹاپ پر اتار دیں گے مائنڈ مت کرنا'' خمار مصنوعی

عاجزی اور شرمندگی سے بولی۔ سٹاپ پہ اترتے ہوئے دو طرحدار اور ماڈرن لڑکے گاڑی کی طرف بڑھے تھے۔ ''افشی کب سے انتظار کر رہا ہوں'' سٹاپ پر کھڑی رباب کی سماعتوں نے یہ آواز بخوبی سن لی تھی یوں بھی درمیان میں زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ ''بیٹھو'' اس نے بیک ڈور کھولا تو دونوں بیٹھ گئے چند لمحے بعد ہی گاڑی ٹریفک کے بہاؤ میں شامل ہوگئی۔

دوسرے روز خمار نے چھٹو کے ذریعے اسے ضروری بات کرنی ہے کہہ کر بلایا آس پاس امی اور آپی نہیں تھیں ورنہ حیران ہوتیں کہ خمار نے کیا ضروری بات کرنی ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی افشاں اور خمار کھسر پھسر کرتی نظر آگئیں۔

''ادھر بیٹھو'' افشاں نے اسے درمیان میں بٹھالیا رباب سوچ رہی تھی نہ جانے کونسی بات ہے۔ ''رباب یہ لو کچھ پیسے ہیں رکھ لو کوئی سوٹ ووٹ خرید لینا'' افشاں نے اس کی مٹھی میں دو سرخ نوٹ زبردستی دبائے۔

''آپی میں نے ان کا کیا کرنا ہے رہنے دیں مجھے ضرورت نہیں ہے'' اس نے مٹھی کھولے بغیر اس کی طرف بڑھائی۔

''ارے لے لو نا چندا ہمارا ساتھ دو گی تو عیش کرو گی'' خمار بولی تو وہ کھڑی ہوگئی مٹھی میں دبے پیسے اسے سرسراتے ناگ لگ رہے تھے وہ جلد از جلد جان چھڑانا چاہتی تھی۔

''چندا ہماری کزن نہیں ہو، کیوں دل توڑ رہی ہوں مان جاؤ ناں'' خمار نے اس کی ٹھوڑی چھوئی تو وہ مجبور ہوگئی دل اندر سے کہہ رہا تھا واپس کر دے یہ ٹھیک نہیں ہے مگر وہ دونوں کے آگے ہار گئی واپس آکر ٹرنک کھول کر اس نے پیسے سب سے نچلی تہہ میں پھینک دیئے اسے اب کچھ سکون ہوا تھا۔ تین ساڑھے تین ہفتے بعد خمار اور افشاں پھر کسی دوست کی برتھ ڈے میں جا رہی تھیں اسے پیغام دے کر وہ پہلے کی طرح اسے سٹاپ پر اتار کر چلی گئیں۔ اب ان دونوں کا رویہ رباب کے ساتھ دوستانہ ہوگیا تھا دونوں خود ہی ان کے پورشن میں آجاتیں، رباب نے دیکھا کئی بار افشاں یا خمار نے جاتے وقت کچھ نوٹ امی کی مٹھی میں زبردستی دبائے۔ امی بھی حیران تھیں اس کایا پلٹ پر جب تین چار بار مسلسل ایسا ہوا کہ دونوں نے ہر بار انہیں پیسے دیئے تو وہ بازار جا کر دونوں کے لیے ایک ایک سوٹ خرید کر لے آئیں بجل نے سی کر دونوں کو گفٹ کر دیا اصل میں عمارہ احسان اٹھانے کی قائل نہیں تھیں انہوں نے اس گھر میں ذلت تمسخر اور تحقیر کے وہ وہ انداز دیکھے تھے کہ اب ہر قسم کی چاہت اور خلوص سے ان کا دل اٹھ گیا تھا۔

''رباب رات کو چاہو تو آجانا مل کر سٹڈی کریں گے'' آج بھی وہ آئی تھیں اور جاتے جاتے اسے اپنے ساتھ پڑھائی کرنے کی پیشکش بھی کر گئیں لفظ ''سٹڈی'' پہ خاصا زور دیا گیا تھا۔

''آپی میرے سر میں درد ہے میں آج نہیں پڑھوں گی۔'' اس نے انکار کر دیا۔ رات کو جب وہ کتابیں اٹھائے سٹور روم میں جانے لگی تو عمارہ نے یونہی پوچھ لیا۔ ''تمہارے سر میں تو درد تھا۔''

''بس اب نہیں ہے'' وہ اندر چلی گئی تو وہ اُلجھی گئیں نہ جانے افشاں اور خمار کیوں اتنا التفات برت رہی تھیں کیوں اپنے ساتھ پڑھائی کرنے کی بات کر رہی تھیں اور رباب نے سر درد کا بہانہ بنا کر کیوں انکار کیا تھا جانے اس میں کیا راز تھا۔

☆☆☆

افشاں اور خمار نے آج پھر اسے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا آج اس کے ساتھ وہی ایک سمارٹ سا لڑکا تھا اسی روز والا، بیک سیٹ پر رباب اس کے ساتھ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تھوڑی دور جا کر گاڑی رکی اور اس روز والا دوسرا لڑکا بھی بیٹھ گیا اس کی آنکھوں میں عجیب سی سرخی تھی دو لڑکوں کے ساتھ پچھلی سیٹ پر اکیلے بیٹھنا رباب کو اچھا نہیں لگ رہا تھا اس نے ڈرائیونگ کرتی خمار کا شانہ ہلایا۔

"آپی میں ادھر نہیں بیٹھوں گا آپ میں سے کوئی میری جگہ آ جائے یا مجھے ادھر ہی اتار دیں میں چلی جاؤں گی۔" اس کے لہجے میں ضد تھی افشاں پیچھے آ گی اور وہ آگے چلی گئی مرر میں سے اس نے دیکھا کہ افشاں مزے سے دونوں لڑکوں کے درمیان بیٹھی ہوئی ہے۔

"ان کا تعارف نہیں کراؤ گی" جو لڑکا بعد میں سوار ہوا تھا وہ بولا۔

"یہ میری کزن رباب اسد کمال ہے بی اے آنرز فرسٹ ایئر میں ہے" افشاں نے ہی تعارف کروایا۔ رباب نے شکر کیا جب اس کا مطلوبہ اسٹاپ آیا۔ اسے ہدایات دیتی خمار زن سے گاڑی نکال کر لے گئی۔

پھر ایک روز خمار اور افشاں ان دونوں لڑکوں کے ساتھ اس کے ڈیپارٹمنٹ چلی آئیں اور اسے زبردستی کیفے ٹیریا لے گئیں رباب کو بے حد شرمندگی محسوس ہو رہی تھی باقی نہ جانے اس زبردستی سے کیا محسوس کر رہے تھے۔

"مس رباب آپ سے روبرو ملنے کی بڑی تمنا ہے کسی روز چلیں ناں ہمارے غریب خانے پر افشاں اور خمار کے ساتھ" وہی سمارٹ سا لڑکا بولا۔

"ٹھہرو پہلے میں تعارف کروا دوں یہ خاور ہے اور یہ جنید ہے۔ جنید کامران گروپ آف انڈسٹریز کے پارٹنر ہیں، خاور ان کے کزن ہیں" خمار نے تعارف کرایا رباب نے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

"میری اگلی کلاس کا ٹائم ہو رہا ہے میں چلتی ہوں" وہ اٹھ آئی وہ چاروں ارے ارے کرتے رہ گئے۔

"توبہ بڑی مغرور ہے تمہاری کزن" خاور بولا۔

"خود کو توپ شے تصور کرنے لگی ہے منہ کیا لگالیا ہے آسمان پر اڑنے لگی ہے" افشاں نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

"انہیں بھی اپنے گروپ میں نہ شامل کر لیں، شانی بھی امریکہ سے آیا ہوا ہے اسے تمہاری کزن جیسی لڑکیاں بڑی پسند ہیں مزا رہے گا۔" جنید نے تجویز پیش کی جو دونوں کو بالکل اچھی نہیں لگی۔ انہیں سراسر اپنی توہین محسوس ہوئی تھی وہ دونوں لڑکیوں کی ناپسندیدگی کو تاڑ گئے۔

"اس میں ہمارا تمہارا فائدہ ہے، انہیں شامل کرنے سے تمہیں آسانی رہے گی۔" اس نے نئی چال چلی تو دونوں نے اطمینان کی سانس لی۔

انہوں نے اگلی ملاقات پر شانی کو بھی بلا لیا وہ اس زوردار تجویز پر پھڑک گیا افشاں اور خمار آج جلدی چلی گئی تھیں وہ تینوں ہی بیٹھے تھے۔

"میں ملا ہوں ان کی کزن سے کیا زوردار چیز ہے، دور سے ہی کرنٹ مارتی ہے قریب آنے پر جانے کیا حال ہو، وہ وائٹل سائنز کا نیا گانا سنا ہے یار وہی والا۔

"نین ملے تو یہ حالت ہے چھو کے کہیں مر نہ جاؤں۔"

خاور نے اسے یاد دلایا شانی نے سر ہلایا۔

''واقعی ایسی ہے، تو پھر ملواؤ ناں دیکھوں گا کرنٹ کیسے مارتی ہے'' اس نے آنکھ دبائی۔

''وہ بہت کم عمر سی ہے یہ افشاں اور خمار تو ''پکی پکی'' سی لگنے لگی ہیں پہلے والی بات ہی نہیں رہی ہے پر ان کی کزن آئی سو یئر بڑی انوسینٹ اور کچی کلی کی طرح ہے'' جنید نے تعریف کی۔

''اور تمہیں تو پتہ ہے مجھے کلیاں کتنی پسند ہیں،'' دانش نے دونوں کے زانوؤں پر ہاتھ مارا تو تینوں ہنسنے لگے۔

''پھر کب ملوا رہے ہو'' دانش عرف شانی بے قراری سے بولا۔

''اگلا مال آنے تک اس سے پہلے ممکن نہیں ہے افشاں اور خمار بھی محتاط ہو گئی ہیں'' خاور نے تفصیلاً بتایا۔

آج افشاں اور خمار صبح رباب کو خود لے کر یونیورسٹی گئیں۔ وہ پریشان سی ہو گئی، کیونکہ گاڑی یونیورسٹی والی سڑک پر نہیں چل رہی تھی۔

''ذرا ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں مجھے ذرا لکی سے کام ہے۔'' خمار نے اس جدید کالونی میں بنے ایک بنگلے کے آگے گاڑی روکی تو وہ اور بھی پریشان ہو گی حالانکہ ابھی صرف آٹھ...... بجے تھے پہلا پیریڈ نو بجے ہوتا تھا چند منٹ بعد خمار واپس آ گئی اور ان دونوں کو بھی اترنے کا اشارہ کیا ناچار افشاں کے ساتھ وہ بھی باہر آ گئی۔ ''لکی اندر بلا رہی ہے'' اس نے بتایا۔ ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی اندر آ گئی، کمروں کی حالت سے یوں لگ رہا تھا جیسے یہاں عورت کا وجود ہی نہیں ہے مگر خمار تو مسلسل لکی لکی کیے جا رہی تھی اور پھر لکی کو بھی اس نے دیکھ لیا تین لڑکوں کے درمیان بیٹھی کندھوں تک تراشیدہ بالوں اور سرخ سرخ آنکھوں والی یقیناً لڑکی لکی ہی تھی رباب، خاور اور جنید کو دیکھ کر چونک گئی وہاں ایک اجنبی شکل بھی تھی۔

''ہائے آئی ایم لکی اینڈ ہی از مائی برادرز جنید خاور اینڈ دانش'' اس نے اک ادا سے تعارف کرایا۔

رباب کو جان کر ڈھارس سی ہوئی کہ تینوں لڑکے اس کے بھائی ہیں وہ دیکھ رہی تھی کہ لڑکے بہن کی موجودگی میں مؤدب بنے بیٹھے ہیں وہ تینوں باتوں میں لگ گئیں رباب بیزاری محسوس کر رہی تھی اجنبی صورت لڑکا اس کی بیزاری محسوس کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''پڑھتی ہیں آپ'' شانی نے اس کے سادہ وجیہ مکھڑے کو دیکھا۔

''جی ہاں بی اے آنرز کر رہی ہوں'' اس نے اعتماد سے بتایا۔

''آپ کو دیکھ کر لگتا تو نہیں ہے کہ آنرز کر رہی ہیں سچ شکل سے تو بمشکل میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی ہیں'' اس نے سچائی سے بتایا واقعی وہ بڑی دھان پان اور نازک سی تھی چہرے پر بھی بھولپن اور معصومیت تھی ابھی گزشتہ ماہ ہی تو وہ پورے اٹھارہ برس کی ہوئی تھی کوئی گندی سوچ اسے چھو کر نہیں گزری تھی کردار کی چمک اور مضبوطی چہرے سے عیاں تھی۔

''واقعی یہ تو بیان کی گئی تعریف سے بھی زیادہ زبردست ہے۔'' شانی دل میں بولا۔ پھر رباب نے ہی بار بار ''اٹھیں ناں'' کی رٹ لگائی تو افشاں اور خمار ناچار لکی سے اجازت لے کر آ گئیں۔

☆☆☆

تائی رقیہ نے اپنے ہم پلہ گھرانے میں فہد کا رشتہ طے کر دیا تھا۔ آمنہ اور رفعت دل سے ناراض تھیں کہ کیا بھابی کو ہماری بیٹیاں نظر نہیں آئیں مگر انہوں نے کھل کر ناراضگی کا اظہار نہیں کیا خمار، اسماء اور افشاں کے رشتے کی بات رقیہ نے ہی کہیں جاننے والوں میں چلائی ہوئی تھی وہ پورے گھر پر حاوی جو تھیں کسی کی مجال نہ تھی کہ چوں بھی کرتا بنیادی طور پر انہوں نے حاکمانہ مزاج پایا تھا سو دیورانیاں خاموش تھیں۔

فہد نے اس رشتے کے طے ہونے پر کوئی سرگرمی نہیں دکھائی وہ بجھا سا رہتا تھا باقاعدہ طور پر اس کی منگنی ایرج سے کر دی گئی گھر میں وہی ایک کنوارہ تھا رقیہ اس فرض سے بھی جلد سبکدوش ہونے کی فکر میں تھیں۔ ایرج کا گھرانہ کاروباری تھا فہد کا مستقبل خوب روشن تھا اس کے سسر کی کئی فیکٹریاں چل رہی تھیں اس نے اپنے شیئرز مختلف کمپنیوں میں لگائے ہوئے تھے جس جس کمپنی میں اس کے شیئرز تھے اس کمپنی کے ریٹ آسمان سے باتیں کر رہے تھے حقیقی معنوں میں وہ روپوں میں کھیل رہا تھا فہد کا وہاں رشتہ ہونے کا مطلب تھا چپڑی اور دو دو کیونکہ ایرج کے نام کافی جائیداد تھی، ملٹی نیشنل کمپنی سے حاصل ہونے والی تمام آمدنی ایرج کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتی تھی۔

رقیہ اور عطیہ عریشہ کے تو قدم زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے صومیہ بھابی ریحان کی پسند تھیں اگرچہ وہ بھی لمبا چوڑا جہیز لائی تھیں پر ان کا پس منظر دیہاتی تھا اس سے وہ اچھا خاصا دبتی تھیں ایرج کے مقابلے میں ان کی حیثیت صفر تھی آج کل تو ایرج کے ہی گن گائے جا رہے تھے اس کی جائیداد اس کا بینک بیلنس اس کا حسن اس کی انگلش کا ہی تذکرہ تھا دونوں بہنیں ابھی سے ایرج کی ان انمول خوبیوں پر مری جا رہی تھیں مرتی کیوں نہیں اتنی زبردست بھابی ملی تھی۔

رقیہ کی کوششوں سے اسماء اور افشاں کا رشتہ بھی ایرج کے جاننے والوں میں ہو گیا تھا وہ لوگ ایرج کے باپ کے اسٹیٹس سے بہر حال کم تھے۔ رفعت اور آمنہ ان رشتوں پر خوش نہیں تھیں اپنی بیٹیوں کے لیے تو اتنے امیر گھرانے چنے تھے اور افشاں اور اسماء کے لیے عام سے لڑکے پسند کیے تھے جن کے پاس لمبی چوڑی جائیداد بھی نہ تھی اور رہتے بھی ایک سو بیس گز کی کوٹھی میں تھے دونوں نے دبی دبی زبان میں ناپسندیدگی کا اظہار کر ہی دیا رقیہ کے تو پتنگے لگ گئے یوں یہ رشتہ ختم ہو گیا فہد کے سسرال والوں نے بھی اس سلسلے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا مگر پھر رفتہ رفتہ حالات معمول پر آ گئے تائی رقیہ ایک بار پھر لڑکیوں کے لیے رشتہ ڈھونڈنے میں سرگرم عمل ہو گئیں۔ اس دوران انہیں ایک بار پھر سجل کا دھیان نہیں آیا جو خیر سے افشاں اسماء کی ہم عمر ہی تھی جو کچھ کرنا تھا عمارہ نے ہی کرنا تھا وہ واقعی سجل کی طرف سے فکرمند تھیں، سجل چوبیسویں سال میں تھی ابھی تک ایک رشتہ بھی نہیں آیا تھا ان کی پریشانی فطری سی تھی مشرقی معاشرے میں مائیں لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی جہیز بنانا شروع کر دیتی ہیں اس حساب سے تو سجل کی کافی عمر ہو گئی تھی پھر رباب بھی تھی جو سجل سے کافی چھوٹی تھی پھر اس کی شادی بھی کرنی تھی عمارہ کو زیادہ پریشانی اسی کی تھی کیونکہ وہ نفسیاتی مریضہ کے نام سے مشہور تھی سب کے رویے بھی سامنے تھے ان کی بیٹیوں کا کسی کو بھی دھیان نہ تھا۔

ایک دن مسز جواد سجل کے پاس آئی ہوئی تھیں۔

”تم ایسے کرو یہ کپڑے ڈیزائن کر دو میری ایک جاننے والی ہیں ان کا بوتیک ہے میں وہاں رکھوا دوں گی کچھ علاقائی ڈریس بھی، ذرا جدید

طریقے سے تیار کردہ قومی صنعتی نمائش میں سٹال لگالیں گے" انہوں نے اس کے آگے کپڑوں کا ڈھیر سا رکھ دیا تجل نے مان لیا کہ وہ تمام کپڑے تیار کر دے گی۔

تجل بڑی آرٹسٹک اور تخلیقی ذہن کی مالک تھی عام سی چیزوں کو بھی وہ سلیقے سے کارآمد بنا لیتی تھی۔ ان کے گھر کے واحد کمرے میں عید کارڈز سے بنی پینٹنگز سجی ہوئی تھیں یوں لگتا تھا یہ کسی ماہر مصور کی کاوش ہے مگر سارا کمال تجل کا تھا۔ کپڑوں کی سلائی کٹائی کے لیے اس نے کوئی کورس نہیں کیا گھر میں ہی عمارہ سے سب کچھ سیکھا۔ تجل نے دن رات ایک کر کے تمام سوٹ مکمل کئے اور مسز جواد کو بھجوا دیئے وہ ایک ہفتے بعد آئیں تو نوٹوں کی موٹی سے گڈی اسے تھمائی اس کے تیار کردہ ملبوسات بک گئے تھے اب انہوں نے ایک تجویز اس کے سامنے رکھی۔

"میں تمہارے ملبوسات کی مقبولیت دیکھتے ہوئے اپنا ذاتی بوتیک کھولنے کا پروگرام بنا رہی ہوں، اس کے لیے میں نے کچی آبادیوں میں جا کر کچھ ہنر مند عورتوں سے بھی رابطہ قائم کیا ہے وہ نہایت کم معاوضے پر کام کرنے کے لیے تیار ہیں میں نے سلائی مشینیں بھی خرید لی ہیں گھر کا ہال خالی کروا کر اسی مقصد کے لیے تیار کیا ہے تمہارا کام بس یہ ہوگا کہ تم ڈیزائننگ کرو گی وہ عورتیں سیئیں گی، جب ہمیں زیادہ آرڈرز ملیں گے تو تمہارا معاوضہ بھی بڑھتا جائے گا فی الحال ایک عام لباس پر تمہارا معاوضہ دو سو روپے ہوگا۔ ایک عام ریشمی لباس پر دو سو روپے سے فینسی سوٹ پر تین سو روپے اور کامدار سوٹ پر پانچ سو ملیں گے ہم برائیڈل ڈریس بھی تیار کریں گی اسی حساب سے معاوضہ طے کریں گے" انہوں نے بتایا۔

تجل کو اتنے زیادہ معاوضہ کا سن کر ہی حیرت ہو رہی تھی انہوں نے اس کی حیرت بھانپ لی۔

"ہم یہ بوتیک ہائی کلاس کی لیڈیز کے لیے کھول رہے ہیں جو ایسے مہنگے ملبوسات خریدنے کی ہمت و استطاعت رکھتی ہیں ابھی تو یہ ابتداء ہے بعد میں دیکھنا ہم تمہاری صلاحیتوں کو کیسے کیسے استعمال کرتے ہیں۔" مسز جواد محبت سے ہنسیں۔ تجل نے روزانہ دو گھنٹے کے لیے مسز جواد کے گھر جانا شروع کر دیا سب نے اس پہ طنزیہ ریمارکس دیے تھے مگر وہ حوصلے سے برداشت کر گئی تھی۔

تمام لڑکیاں ذہین تھیں تجل کو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی وہ فاقوں سے مجبور عورتیں اور لڑکیاں ایک ایک ہزار ماہوار کو نعمت غیر مترقبہ تصور کر رہی تھیں تجل کو ان کی محنت کے مقابلے میں یہ معاوضہ نہایت معمولی لگا ہر عورت مہینہ بھر میں تیس لباس تیار کرتی تھی گویا تیس سوٹوں کی سلائی کا صرف ایک ہزار معاوضہ تھا اسے سچ مچ افسوس سا ہوا اگلے ماہ یہ معاوضہ بڑھا دیا گیا مسز جواد کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا کہ معاوضہ کم ہے ان کے بوتیک کا افتتاح دھوم دھام سے ایک مشہور اداکارہ کے ہاتھوں ہوا۔ ایک ماہ کے اندر تسلی بخش آمدنی ہوئی تھی دوسرا مہینہ اس سے بھی بہتر ثابت ہوا دوگنی سیل ہوئی کاریگر عورتیں کام کرتی تھیں تاکہ کسٹمر کو لباس میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو موقع پر ہی دور کی جاسکے یہ بوتیک ایک مہنگے کمرشل ایریے میں تھا جو بہت جلد مقبول ہونا شروع ہو گیا تجل کا معاوضہ بھی بڑھتا جا رہا تھا اس کا اثر گھر پر بھی پڑا رباب تو برملا کہتی ہمیں کوئی اور مکان دیکھ کر شفٹ ہو جانا چاہیے، ویسے بھی وہ اس پوزیشن میں آگئے تھے کہ کرائے کا مکان با آسانی افورڈ کر سکتے تھے مگر عمارہ کو یہ گوارا نہ تھا کیونکہ ان کے جیٹھ یہ پسند نہ کرتے سو وہ خاموش تھیں رباب کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی، عمارہ نے چپکے چپکے تجل اور رباب کے لیے کئی چیزیں خرید ڈالی تھیں۔

رات کو وہ تینوں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں جب تائی اماں اور دونوں چچیاں ان کی طرف چلی آئیں۔

"خوب اب تو گویا ہن برسنے لگا ہے اس گھر میں" انہوں نے چاروں طرف تنقیدی نگاہیں دوڑا کر طنز کیا عمارہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی

ہوئیں، اسد کی موت کے بعد انہوں نے آج پہلی بار یہاں قدم رکھا تھا ان کے لیے یہ کسی اعزاز سے کم نہ تھا سجل بھی ہاتھ صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آیئے ناں بیٹھیں بھابی" عمارہ کی دلی کیفیت چہرے سے عیاں تھی۔

"بھئی سجل کون سا خزانہ ہاتھ لگ گیا ہے جواب ادھر ہماری طرف جھانکتی تک نہیں ہو" آمنہ نے تاک کر تیر مارا۔

"بس چچی بوتیک میں مصروف ہوتی ہوں" وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے ہوئے بولی۔

"کیوں" رقیہ کا سوال بڑا کڑا تھا اس کے پاس زبردست سا جواب تھا پر اس کی زبان تالو سے چپک ہی تو گئی۔

"چچی اماں اور تائی اماں میں بتاتی ہوں کہ کیوں، اس لیے کہ تایا ابا ہمیں جو ہر ماہ اڑھائی تین ہزار روپے دیتے ہیں اس میں تو میرا خرچہ بھی پورا نہیں ہوتا پر میری صابر ماں اور بہن اپنے سلیقے سے اخراجات کو سنبھالے ہوئے ہیں کل سجل آپی کی شادی بھی کرنی ہے ان اڑھائی تین ہزار کو ہم کھائیں یا آپی کا جہیز بنائیں یا پھر امی کی دواؤں پر خرچ کریں بتائیں ناں آپ" رباب کھانا چھوڑ کر سامنے آ گئی۔ وہ تینوں تو ہکا بکا رہ گئیں انہیں رباب سے اس صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔

"اے جی ہم نے بھی گھر چلائے ہیں، تمہاری ماں دنیا سے نرالی تو نہیں ہے" رقیہ سے برداشت نہ ہوا بول پڑیں۔

"تائی ماں آپ نے لاکھوں میں گھر چلایا ہے تین ہزار میں چلا کر دکھائیں تو مانوں" وہ بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"اے یہ تو سیدھا سیدھا الزام ہے، آئیں زاہد بتاتی ہوں میں انہیں، ان کی فیکٹری بھی سنبھالو اور باتیں بھی سنو" رقیہ نے پرانا حربہ استعمال کیا۔

"دے دیں پاور آف اٹارنی ہمیں واپس ہم سنبھال لیں گے" وہ اسی ٹیون میں تھی۔

"اے خدا قیامت کیوں نہیں آ جاتی، یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے میں مر کیوں نہیں گئی۔" رقیہ نے گال پیٹے تو عمارہ اور سجل گھبرا گئیں۔

"آئیں زاہد کہتی ہوں وہ کھنڈر فیکٹری ان کے حوالے کرو۔" رقیہ پر بے ہوشی طاری ہو گئی عمارہ نے ان کے تلوے دبانے شروع کر دیے سجل بھاگ کر پانی لے آئی۔

"نری اداکاری" رباب پر اتنا سا بھی اثر نہیں ہوا منہ بناتی ہو باہر چلی گئی اتنے میں تایا اور چچا بھی ادھر آ گئے رقیہ کو یوں نڈھال دیکھ کر پریشان ہو گئے آمنہ نے تفصیل بتائی۔

"بھابی تو کہہ رہی تھیں کہ سجل ایک اعلیٰ خاندان کا خون ہے یوں بوتیک پر بیٹھے دیکھ کر لوگ کیا سوچتے ہوں گے ہم مر تو نہیں گئے ہیں جو انہیں کھلا نہ سکیں پر رباب بی بی نے تو وہ وہ باتیں کی ہیں کہ الاماں، کہتی ہے کہ فیکٹری کا سارا پیسہ آپ کھا گئے ہیں توبہ توبہ بھائی جان کیا زمانہ آ گیا ہے،" یہ جھوٹ بولتے ہوئے آمنہ ایک جاہل اور مکار عورت لگ رہی تھیں۔

"چچی مت جھوٹ بولیں یہ آپ کے مرتبے کو زیب نہیں دیتا،" رباب اندر آ گئی تھی تایا نے ایک بار اسے دیکھا۔

"بیٹی تم بھی مجھے ایسا سمجھتی ہو کہ میں تمہارے باپ کا پیسہ کھا رہا ہوں، ابھی میرے ساتھ آفس چلو خود سارے حسابات چیک کر لو گیارہ سالوں میں اس فیکٹری پر میرا تقریباً آدھا سرمایہ خرچ ہوا ہے فیکٹری اب بند پڑی ہے میں اپنی جیب سے تمہارے اخراجات پورے کر رہا ہوں۔"

مارے رنج کے تایا کا لہجہ بھی بھرا گیا۔

''رباب دور ہو جاؤ میری نظروں سے، میں نے تو تمہاری تربیت اس نہج پر نہیں کی کہ بڑوں کے ساتھ بدتمیزی کرو'' عمارہ نے اسے دھکا دے کر ہٹایا تو وہ زور زور سے روتی باہر آ گئی عمارہ معافیاں مانگ مانگ کر انہیں مزید مضبوط کر رہی تھیں۔

اس روز وہ پوائنٹ کا انتظار کر رہی تھی کہ زوردار چرچراہٹ کے ساتھ گاڑی کے ٹائر اس کے قریب رکے وہ ناگواری سے پیچھے ہوئی اور بے دھیانی میں گاڑی کے بیٹھے افراد پر نظر دوڑائی اندر لکی اور اس کا بھائی شانی تھا۔

''ہائے رباب کیسی ہو'' لکی گاڑی کا دروازہ کھول کر اتر آئی شانی نے بھی اس کی تقلید کی۔

''ٹھیک ہوں'' اس نے رسمی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''مس رباب کبھی آئیں ناں ہمارے گھر'' شانی بولا

ابھی وہ اسے کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ ایک اور گاڑی آ کر رکی اندر خمار اور افشاں تھیں۔

''اوہ تم بھی یہیں ہو، ان بہن بھائی نے ہمارے کان کھا لیے تھے کہ رباب کو ہمارے گھر لاؤ ناں۔'' دونوں باہر آ گئی تھیں۔

''ہاں رباب آؤ ناں ہمارے ممی ڈیڈی انگلستان گئے ہوئے ہیں ہم چاروں بہت بور ہوتے ہیں خاص طور پہ یہ شانی'' لکی بولی۔

''اچھا آؤں گی کبھی'' وہ مروت سے بولی۔

''آج کیوں نہیں ابھی چلو'' وہ اصرار کرنے لگی۔

''سوری میں نے گھر میں بتایا نہیں ہے'' اس نے شائستگی سے انکار کیا۔

''اچھا چلو آج تمہیں ہم ڈراپ کر دیتے ہیں'' لکی نے آفر کی تو اس نے انکار کر دیا۔

''میں پوائنٹ سے یا آپی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے خمار کی طرف اشارہ کیا اس عرصہ میں شانی کی نظریں اس پر جمی رہیں وہ سخت الجھن محسوس کر رہی تھی شانی اور لکی کی آنکھوں میں عجیب سا تاثر تھا اس کی آنکھیں ہر وقت اس نے سرخ ہی دیکھی تھیں۔ پھر ان کے روکنے کے باوجود وہ پوائنٹ کا انتظار کرنے لگی بس آتے ہی وہ لپک کر سوار ہوئی وہ چاروں ابھی تک کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

☆☆☆

مسز جواد کے بھائی احتشام کو سجل بہت اچھی لگی تھی وہ فلرٹ کرنے کا قائل ہی نہیں تھا سیدھا سبھاؤ ماں اور بہن کو ان کے گھر بھیج دیا بس پھر کیا تھا تائی اور چچی نے الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔

''اس لیے تو بھاگ بھاگ کر جاتی تھی اب پتہ چلا یہ سلسلہ ہے تبھی میں کہوں یہ مسز جواد ماں کو لے کر کیوں آئی ہیں'' تائی نے مکارانہ آنکھیں گھمائیں انہوں نے اپنے شوہروں کو بھی بتا دیا بس سجل کا بوتیک جانا بند کر دیا گیا اور رشتے سے بھی انکار کر دیا مسز جواد بعد میں دو تین بار اس کا سبب پوچھنے آئیں تو ان کی خوب بے عزتی کی گئی انہوں نے آئندہ کے لیے توبہ کر لی احتشام کو اس انکار کا بہت قلق تھا پہلی بار اس طرح کوئی لڑکی اچھی لگی تھی وہ سنجیدگی سے اسے اپنانا چاہتا تھا ماں، بہن کی بے عزتی کے بعد اسے دل پہ پتھر رکھ کر سجل کو بھلانا پڑا۔ مسز جواد ایک تخلیقی اور محنتی لڑکی سے محروم ہو گئی تھیں جوان کے بھائی کی محبت بھی تھی احتشام ایک کھاتے پیتے گھر کا لڑکا تھا تبھی تو رقیہ آمنہ اور رفعت کے پیٹ میں درد اٹھا تھا اتنے ہونہار اور کماؤ لڑکے کا رشتہ اس منحوس سجل کے لیے آیا تھا انہوں نے ایسا سلسلہ چلایا کہ بات ہی ختم ہو گئی تب کہیں جا کر انہیں چین آیا۔

اب رباب باقاعدگی سے خمار اور افشاں کے ساتھ جاتی تھی سہولت اور آسانی کو ہر کوئی پسند کرتا ہے اگر یہ بات ہوتی تو زندگی کو آرام دہ بنانے والی مشینیں ہی ایجاد نہ ہوتیں وہ بھی بسوں کے دھکے کھا کھا کر اکتائی ہوئی تھی اس روز واپسی میں شانی ٹکرا گیا وہ خمار سے کہہ رہا تھا جاتے ہوئے مجھے بھی ڈراپ کر دو اس نے اسے بٹھا لیا رباب حسب معمول پیچھے بیٹھی ہوئی تھی وہ بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ افشاں اور خمار اپنی باتوں میں مگن تھیں۔

''شانی نیا مال آیا ہے یا نہیں'' افشاں نے مڑ کر شانی سے پوچھا۔

''ایک دو ہفتے تک آئے گا سنا ہے کہ بڑا زبردست ہے'' شانی نے بتایا۔

''ہائے میں کیسے دیکھنے آؤں گی'' خمار پریشان ہو گئی۔

''جیسے ہر دفعہ آتی ہو'' وہ بولا۔

''نہیں کافی دیر ہو جاتی ہے، چلو ٹائم تبدیل کر لیں گے'' افشاں نے اسے تسلی دی۔

''پلیز افشاں، خمار رباب کو ضرور لایئے گا انہیں بھی دکھائیں گے طبیعت خوش ہو جائے گی'' وہ معنی خیز لہجے میں بولا رباب سمجھی وہ کسی کپڑے کی باتیں کر رہے ہیں بھلا اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی وہ باہر جھانکتی رہی دانش کی نظریں اس کی بے خبری کو کھوجتی رہیں اس کے اس گریز میں اسے بہت اٹریکشن محسوس ہوتی تھی۔

''خیر چند روز کی بات ہے گھر آ کر مال دیکھ لے تو سیدھی قدموں میں گرے گی خود ہی ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی'' وہ سوچ رہا تھا۔

وہ ماریہ کے ساتھ اس کی بہن کے ڈیپارٹمنٹ میں آئی تھی اس نے محبت سے حال احوال پوچھا۔ ''گڑیا تمہاری یہ کزنز بہت ایڈوانس لگتی ہیں'' انہوں نے ہنس کر طنز کیا وہ جان نہ سکی کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ گھر آ کر اس نے سجل سے بھی ذکر کیا۔

''چھوڑو ہمیں کیا لینا'' اس نے کہہ کر بات ہی ختم کر دی وہ اپنے سٹڈی روم یعنی سٹور میں آ گئی وہ آج کل دو تین اخبارات میں لکھ رہی تھی

ایک کالم کا معاوضہ اچھا خاصا تھا وہ ایک ساتھ ہی لیتی تھی قارئین اس کے انداز تحریر کو پسند کر رہے تھے اس کو ایک رسالے کی طرف سے بھی لکھنے کی پیشکش ہوئی جو اس نے قبول کر لی۔

اس روز افشاں اور خمار خاصے اہتمام سے تیار تھیں یوں تو وہ روز ہی اہتمام سے یونیورسٹی جاتی تھیں مگر آج لگ رہا تھا کہ خاصی توجہ دی گئی ہے رباب ہنوز سادہ سے کاٹن کے کپڑوں اور جوگرز میں تھی۔

''آؤ ذرا لکی کا حال چال پوچھ لیتے ہیں کافی روز سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے'' خمار نے راؤنڈ اباؤٹ سے گاڑی کا رخ موڑ دیا رباب خاموش ہی رہی گیٹ پہلے ہی کھلا ہوا تھا خمار نے گاڑی سیدھی پورچ میں کھڑی کر دی اندر سے خاور مسکراتا ہوا برآمد ہوا اور انہیں خوش آمدید کہا۔ لکی اندر شاید سو رہی تھی افشاں نے بڑی مشکل سے اسے جگایا۔

''ارے تم بھی آئی ہو'' لکی اسے دیکھتے ہی جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کتنی خوش قسمت ہوں میں تم ہمارے گھر آئی ہو'' لکی نے اس کا گال چوم لیا تو وہ جھینپ گئی۔

''آج تمہیں لنچ کیے بنا جانے نہیں دوں گی، اچھی اچھی فلمیں دیکھیں گے باتیں کریں گے کیوں رباب'' لکی نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا اور اس سے تائید چاہی وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''ٹھہرو میں یونیورسٹی فون کرتی ہوں ایک بات معلوم کرنی ہے'' وہ موبائل کے نمبر پش کرنے لگی۔ دو تین منٹ بعد وہ پلٹی۔

''ایم سوری افشی یونیورسٹی تو ہنگامے کی وجہ سے بند ہے لگتا ہے قدرت بھی میرا ساتھ دے رہی ہے۔'' وہ ہنسی، یونیورسٹی میں ہنگامے کا سن کر رباب پریشان ہو گئی۔

''اٹھیں آپی چلتے ہیں یونیورسٹی بند ہے۔''

''اے بیٹھو آرام سے، شام سے پہلے جانے نہیں دوں گی آئی بڑی جانے والی، میں تو تمہاری دعوت کروں گی'' لکی نے محبت بھری خفگی سے اسے دھکا دے دوبارہ بٹھا دیا۔

''تم لوگ بیٹھو میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں'' وہ چلی گئی۔ خاصی دیر بعد وہ آئی ہاف سلیوز بلاؤز میں دبلی پتلی سی لکی اسے بڑی عجیب لگی اس کے دونوں بازوؤں پر کہنیوں سے اوپر چھوٹے چھوٹے نشان نما سوراخ تھے جیسے اس کے بہت سارے انجکشن لگے ہوئے وہ ہنستے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔

''لکی کتنا انتظار کراؤ گی لگاؤ بھئی اس شاہکار کو'' افشاں اور خمار کے لہجے میں اشتیاق سا تھا۔

''اک ذرا انتظار'' وہ گنگنائی اور اٹھ کر باہر چلی گئی کچھ ہی دیر بعد خاور اور جنید آ گئے خاور کے ہاتھوں میں ٹرے تھی جس میں پیپسی سے لبریز گلاس اور ساتھ برف کیوبس سجے ہوئے تھے انہوں نے تینوں کو ایک ایک گلاس تھمایا اور خود بھی بیٹھ گئے خمار اور افشاں کی تقلید میں اس نے بھی گلاس ہونٹوں سے لگایا اور گھونٹ بھرا، اُف کیسا ذائقہ تھا اس پیپسی کا، معدے میں جاتے ہی اندر جیسے آگ لگ گئی صبح کا ناشتہ جوں کا توں الٹ کر باہر آ گیا اس کا سر گول گول گھومنے لگا لکی بھاگ کر آئی۔

''جاؤ خاور فریج سے سیون اپ نکال کر لاؤ ہری اپ پتہ نہیں کولڈ ڈرنکس بنانے والی یہ کمپنیاں کیا کیا چیزیں ملا دیتی ہیں، میں آج ہی دکاندار سے شکایت کروں گی یہ تم نے ہمیں کیسی پیپسی دی ہے'' لکی نے ناراضگی سے کہتے ہوئے سیون اپ زبردستی اسے پلائی تو اس کے ہوش کچھ ٹھکانے آئے۔ خاور نے ہیجان خیز سا انگلش میوزک لگا دیا تھا بعد میں لکی انہیں اندر ایک اور کمرے میں لے آئی جو بند تھا اس نے بڑھ کر لائٹ جلائی سامنے ٹرالی پر ٹی وی اور وی سی آر رکھا ہوا تھا۔

''لکی اپنی فرینڈز کو یہ مووی دکھاؤ، میں دیکھتا ہوں یہ شانی کہاں مرگیا ہے'' خاور باہر نکل گیا لکی نے کیسٹ ڈال کر وی سی آر چلا دیا اتنے میں خاور اور جنید بھی آ گئے ان کے ساتھ شانی بھی تھا رباب کو دیکھ کر اس نے کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا وہ پرسکون ہو گئی فلم چلنا شروع ہوئی کچھ دیر بعد منظر بالکل تبدیل ہو گیا یہ کیسی فلم تھی رباب کا خون جیسے کھولنے لگا چہرہ سرخ ہونے لگا ہاتھ پاؤں میں سن سناہٹ ہونے لگی اس نے آج تک ایسی کوئی فلم نہیں دیکھی تھی اس کا جی چاہا یہاں سے اس کمرے سے بھاگ جائے، اس نے دائیں طرف نظر دوڑائی سب فلم میں ڈوبے ہوئے تھے وہ دھیرے سے اٹھی۔

''نہیں سوئٹی دیکھو اسے، تم خوش قسمت ہو جو ہمارے درمیان بیٹھی ہو انجوائے کرو جوانی انجوائے کرنے کے لیے ہوتی ہے مت خود کو سمیٹ سمیٹ کر رکھو'' شانی کا سرخ سرخ چہرہ اور آنکھیں اسے دہلا گئیں اس کے ہاتھ میں پیپسی سے بھرا مشروب والا گلاس تھا رباب نے نظریں سکرین سے ہٹالیں وہاں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اسے دیکھ کر دل چاہ رہا تھا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے پھر اس نے دیکھا کہ فلم دیکھتے دیکھتے خمار جنید کی طرف لڑھک گئی خاور لکی کو تھام کر باہر لے گیا خمار اور جنید ایک دوسرے میں مکمل طور پر گم ہو چکے تھے اس نے شرمندگی سے آنکھیں بند کر لیں شانی کو افشاں سنبھال چکی تھی یہاں تو شیطانی چکر شروع تھا وہ باہر آ گئی اس نے دائیں طرف بنے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا وہ چوپٹ کھل گیا اندر کا منظر دیکھ کر اس کے حواس سلب ہو گئے لکی کی ساڑھی کا پلو زمین پر پڑا ہوا تھا وہ اور اس کا بھائی (بقول لکی کے) انتہائی قابل اعتراض حلیے میں تھے رباب کا دل چاہ رہا تھا اس شیطان گاہ اور شیطان کی پجاریوں سے وہ دور چلی جائے اندر کا منظر اس کے دل و دماغ پر ایسا طاری ہوا کہ وہ بے اختیار نہیں نہیں کہتے ہوئے چیخیں مارتی باہر کی طرف بھاگی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔ کسی نے اسے تھام لیا تھا اس نے بے اختیار نگاہیں اٹھائیں آس پاس وردیوں والے کھڑے تھے۔

''گل محمد اسے سنبھالو میں اندر کا جائزہ لیتا ہوں'' انسپکٹر نصیر نے اسے حوالدار کے حوالے کر دیا اس کے ساتھ لیڈی پولیس بھی تھی رباب کے حواس مختل ہوئے جا رہے تھے وہ خالی الذہنی کے عالم میں تھی جیسے اسے معلوم ہی نہ ہو کہ کیا ہو رہا ہے چند منٹ بعد پولیس ان باقی افراد کو بھی لے آئی ان سب کے رنگ اڑے ہوئے تھے خواب کے عالم میں چلتی ہوئی وہ بند پک اپ میں بیٹھی تھی لکی خمار اور افشاں بھی اس کے ساتھ تھیں جب انہیں سلاخوں والے آہنی دروازے کے پیچھے دھکیلا گیا تو اسے ہوش آیا کہ کتنا بھیانک واقعہ اس کے ساتھ پیش آ چکا ہے وہ زور زور سے رونے لگی۔

''چپ کر مہارانی گل کھلا کر رو رہی ہے اگر اتنی ہی فکر تھی تو آئی کیوں تھی یہ رنگ کیوں گھولا'' لیڈی انسپکٹر نے سلاخوں کے پار سے بید کی چھڑی اسے رسید کی تو وہ بلبلا اٹھی اس کی سفید کلائی پر سرخ سا نشان پڑ گیا تھا وہ دعا کرنے لگی کہ کاش اسے موت آ جائے عمارہ اور سجل کا سامنا کرنے

سے پہلے ہی اللہ اسے اٹھالے یا پھر یہ ایک خواب ہو۔شانی، جنید اور خاور مسلسل چیخ رہے تھے البتہ لڑکیوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔تھوڑی دیر بعد انہیں نکال کر میڈیکل چیک اپ کے لیے لے جایا گیا لکی، خمار اور افشاں کے چہرے زرد پڑ گئے تھے رباب کی حالت تو سب سے بری تھی۔

''ادھر چلو ذرا تفتیش تو کریں'' لیڈی پولیس کی ایک اہلکار نے انہیں دھکا دیا تو افشاں کو خود پر اختیار نہ رہا۔

''تم جانتی نہیں ہو میں کس کی بیٹی ہوں'' وہ غرائی پر اس عورت نے توجہ نہیں دی طنزیہ مسکراتی رہی۔

''بی بی یہاں آنے والی ہر لڑکی شروع میں یہی کہتی ہے میں فلاں سینیٹرز کی بیٹی ہوں، فلاں سیٹھ کی بھانجی ہوں، فلاں ڈی سی کی رشتہ دار ہوں مگر تھوڑی دیر بعد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا ہے'' لیڈی پولیس نے تمسخر سے انہیں دیکھا۔

''کوثر ڈی ایس پی صاحب آگئے ہیں انہیں لاؤ'' ایک لیڈی پولیس کانسٹیبل نے جلدی جلدی بتایا۔'' آ گے لگو مزا تو اب آئے گا ڈی ایس پی صاحب سے تو فرشتے بھی پناہ مانگتے ہیں خوبصورت لڑکیوں پہ انہیں رحم بھی نہیں آتا ہے، ان کے پاس تشدد کے وہ نئے طریقے ہیں کہ لوہا بھی ان کی سختی سے پگھل جائے تم تو پھر نازک لڑکیاں ہو، اس لیڈی پولیس نے انہیں ڈرایا۔فق ہوتے رنگ اور ہراساں شکل کے ساتھ رباب ان تینوں کے پیچھے پیچھے ڈی ایس پی کے کمرے میں داخل ہوئی۔

''کہاں سے پکڑا ہے انہیں انسپکٹر مراد'' وہ مؤدب کھڑے انسپکٹر مراد سے مخاطب ہوا۔

''گل افشاں کالونی بلاک ای بنگلہ نمبر فائیو سے سر'' اس نے جواب دیا

''اور کیا کیا ملا ہے وہاں سے'' ڈی ایس پی نے ایک طائرانہ نظر ان سب کے چہرے پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''سر یہ تقریباً سو سے زائد ویڈیو کیسٹس چھ کریٹ ولایتی شراب کے اور یہ بیگ اور فائلز ملی ہیں شاید ان لڑکیوں کی ہیں'' اس نے میز پر رکھی چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو اس نے لکی کے گھر سے برآمد کی تھیں۔

''مسز شاہ آپ نے انہیں کس حال میں پکڑا؟'' وہ لیڈی اے ایس آئی کی طرف متوجہ ہوا جو انسپکٹر مراد کے پاس ہی کھڑی تھی۔

''سر اندر وی سی آر پر فلم چل رہی تھی یہ چاروں اسی کمرے میں موج اڑا رہے تھے جبکہ یہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے'' اس نے لکی اور خاور کی طرف اشارہ کیا۔

''اور یہ'' اس نے رباب کی طرف اشارہ کیا تو انسپکٹر نصیر بول پڑا۔

''سر یہ باہر تھیں زور زور سے چیخ رہی تھیں ان ہی کی آواز نے ہمیں متوجہ کیا یہ نہیں نہیں کہہ رہی تھیں۔''

''ہونہہ'' ڈی ایس پی نے ہنکارا ابھرا اور میز پر رکھی فائلز دیکھنے لگا ایک خمار اک افشاں اور ایک رباب کی تھی جبکہ بیگ بھی رباب کا تھا۔

''تو سٹوڈنٹس ہو تم لوگ'' اس نے بیگ سے جھانکتی کتاب پر نگاہ دوڑا کر پوچھا اور باہر نکال لی۔

''رباب اسد کمال بی۔اے آنرز فرسٹ ایئر'' اس نے با آواز بلند نام پڑھا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تو آج آپ یونیورسٹی نہیں گئیں'' وہ ان چاروں کے پاس رک گیا اس کے نرم لہجے نے انہیں کچھ حوصلہ دلایا۔

''سر آج یہ غلطی ہوئی ہے آئندہ ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے'' افشاں لجاجت سے بولی۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے'' وہ اطمینان سے بولتا ان کے سامنے ٹیبل پر ٹک گیا اور انسپکٹر مراد کے سوا سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔

''اپنے تعارف سے تو فیض یاب کریں ہمیں'' وہ دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

''میں لکی ہوں یہ افشاں ہے یہ خمار ہے یہ ان کی کزن ہے پتہ نہیں ہے بھی یا نہیں'' لکی نے رباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عجیب سا انداز اختیار کیا رباب کی نظریں زمین میں گڑی ہوئی تھیں جیسے اس نے قسم کھالی ہو کہ کسی کو بھی نہیں دیکھے گی گلابی ہونٹوں کو کاٹتے کاٹتے اس کے نچلے ہونٹ سے خون نکل آیا تھا۔

''سر ہم بے قصور ہیں یہی ہمیں وہاں ورغلا کر لے گئی تھی قسم سے سر ہم بے قصور ہیں'' خمار نے رونا شروع کر دیا۔

''پلیز آپ چپ کر جائیں سزا قصورواروں کو ہی ملے گی آپ کو نہیں'' اس نے ایک اڑتی اڑتی نظر رباب کے چہرے پر ڈال کر سر جھٹکا اور خمار کو تسلی دی وہ فوراً چپ ہو گئی ڈی ایس پی نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ تینوں بیٹھ گئیں رباب کھڑی رہی یوں لگتا تھا جیسے کوئی اسے جادو کے زور سے بت بنا گیا ہو وہ ہپناٹائز کیفیت میں تھی شانی خاور اور جنید بھی بیٹھ چکے تھے۔

''سر ہمارے لائق کوئی خدمت'' لکی ایک ادا سے ٹیبل پر بیٹھے ڈی ایس پی کی طرف جھکی تو اس کی ساری کا پلو زمین کو چھونے لگا اس کی ساری رعنائیاں چھپائے نہیں چھپ رہی تھیں۔

''اتنی جلدی کیا ہے'' وہ ہنسا۔

''پہلے اپنے ایڈریس تو بتائیں تاکہ آپ کو گھر چھوڑنے کا انتظام کریں۔'' وہ تینوں ایڈریس بتانے لگیں لکی نے لڑکوں کو اپنا بھائی ظاہر کیا تھا ڈی ایس پی کی نگاہ رباب پر رک گئی۔

''بی بی آپ کا ایڈریس اور والد کا نام کیا ہے'' وہ خاموش رہی اس نے دوسری بار پوچھا وہ خاموش رہی اس نے تیسری بار پوچھا جواب میں خاموشی تھی اس نے ہاتھ میں پکڑی بید پوری شدت سے اس کی کمر پر مارا وہ چیخ پڑی۔

''میرا کوئی ایڈریس نہیں ہے میرے والد نہیں ہیں'' وہ بول پڑی تھی۔

''سر اس سے کیا پوچھتے ہیں ہم سے پوچھیں اب بھلا ایڈریس کیسے بتائے شرم جو آ رہی ہے اسے'' خمار بے دھڑک بول رہی تھی۔ ڈی ایس پی ان کے گھر فون کر کے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''تو تم لوگ پڑھائی کے بجائے یہ زہر رگوں اور دماغ میں انجیکٹ کر رہے ہو'' وہ لڑکوں کے پاس آیا بید کی چھڑی تڑاتڑ تینوں کی پیٹھ پر پڑی تو ان کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

''سر ہم بے گناہ ہیں بے قصور ہیں یہ ہمیں لا کر دیتی تھی کہتی تھی کہ میرے کزن لاتے ہیں'' شانی اور ان دونوں نے رباب کی طرف اشارہ کیا لڑکیاں بھی اس کا نام لے رہی تھیں۔

''نئی نہیں نہیں جھوٹ ہے'' رباب کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی جیسے اسے خود پر اعتبار نہ ہو۔

''میں تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا موت مانگو گے وہ بھی نہیں ملے گی''۔ ڈی ایس پی پر جنون طاری ہو گیا شائیں شائیں بید لڑکوں پر برس رہے تھے لڑکیاں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ اتنے میں زاہد، واحد اور اسرار چلے آئے ان تینوں کو تھانے میں دیکھ کر ان کا حال جو ہوا سو ہوا افشاں اور خمار نے بھی نظریں چرا لیں اس وقت ڈی ایس پی دوسرے کمرے میں تھا ایک بنگلے میں قتل کی دوہری واردات کی اطلاع ملتے ہی وہ چلا گیا تھا ان تینوں سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا انسپکٹر مراد اس کی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔

''سر آپ اپنی اولادوں کو تعلیمی اداروں میں بھیج کر مطمئن کیوں ہو جاتے ہیں کیا آپ نے کبھی یہ جاننے کی زحمت کی کہ واقعی ہماری اولاد کالج یونیورسٹی ہی جا رہی ہے یا کہیں اور، کیا آپ نے کبھی ان کے معمولات جاننے کی کوشش کی آپ کو معلوم ہے آپ کی صاحبزادیاں آج کہاں تھیں'' انسپکٹر مراد سرد لہجے میں بولا۔

''نہیں'' اسرار اور واحد کے سر نفی میں ہلے۔

''یہ آج گل فشاں کالونی کے ایک بنگلے میں ان لڑکوں کے ساتھ قابل اعتراض حلیے میں عریاں فلمیں دیکھتے ہوئے پکڑی گئی ہیں۔ ساتھ شراب کا دور بھی چل رہا تھا'' مراد نے دھماکہ کیا تو اسرار اور واحد لرزتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

''ڈیڈی یہ جھوٹ ہے ہمیں رباب خود لے کر گئی تھی زبردستی وہاں اس نے ہمیں کہا کہ یہ پیپسی پیو ہمیں کیا پتہ کہ وہ شراب تھی آئی سویئر ڈیڈی یہ جھوٹ ہے۔ میری فرینڈ لکی اور اس کے بھائیوں کو بھی اس نے بہکایا ہے یہ اکثر یونیورسٹی میں ایک لڑکے کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جاتی تھی میں نے بہت روکا بھی افشاں نے بھی سمجھایا مگر یہ باز نہیں آئی اسی سے یہ فلمیں لاتی تھی آج بھی یہ اس لڑکے کے ساتھ تھی ہمیں ریوالور دکھا کر زبردستی اس بنگلے میں لے گئی ڈیڈی وہ بنگلہ اس کے دوست ارمان کے نام ہے۔'' خمار اور افشاں اسرار اور واحد کے گلے لگیں رو رو کر اپنی داستان سنا رہی تھیں انہوں نے تو اپنے اپنے باپ کا سہارا لے لیا تھا وہ کس کا سہارا لیتی کون اس کی بے گناہی کے بارے میں ثبوت دیتا کاش خدا اسے آسمان پر اٹھا لیتا یا اس بھڑکتی آگ کو گلزار میں بدل دیتا۔ پر وہ نہ تو عیسیٰ تھی نہ ابراہیم وہ تو ایک عام سی لڑکی رباب تھی۔

زاہد کمال اپنی پی آر شپ سے کام لے رہے تھے بار بار فون کھڑکا رہے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا اس تمام عرصے میں تایا یا چچا نے رباب سے کلام تک نہیں کیا اس نے کئی دفعہ بولنا چاہا پر کسی نادیدہ قوت نے جیسے اس کی زبان پکڑ لی۔ خمار اور افشاں کے چہرے دمک رہے تھے زردی سرخی میں بدل گئی تھی جھکی نگاہیں فخر سے اٹھی ہوئی تھیں لڑکھڑاتی زبان رواں ہو گئی تھی گردنیں تن گئی تھیں ہاں ایک لڑکی رباب تھی جو زندہ زمین میں دھنسے جا رہی تھی۔

جہاں عدل کی زنجیر نصب ہے!!

وہیں کٹے ہیں میرے ہاتھ اسے کہہ دینا

''بلاؤ اس کی ماں کو'' زاہد کی آواز آج سے پہلے کبھی اتنی اونچی نہیں ہوئی تھی وہ سب سٹنگ روم میں تھے رباب گاڑی سے اتر کر اپنے پورشن کی طرف جانا ہی چاہتی تھی کہ چچا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پورشن کی طرف دھکا دے دیا تھا اس کے آگے ریحان ہاتھ باندھے ادھر سے ادھر ٹہل رہا

تھا فہد کو تائی نے زبردستی کمرے میں بند کیا تھا جب تھانے سے فون آیا کہ آپ کی بیٹیاں یہاں پولیس کی تحویل میں ہیں تو تینوں بھائیوں کا رنگ فق ہو گیا تھا جگ ہنسائی کے خوف سے ہی ان کے پسینے چھوٹ گئے تھے ڈی ایس پی نے تفصیل بھی بتا دی تھی ان کی نگاہوں میں کل صبح کے اخبار کے متوقع شہ سرخیاں گردش کرنے لگیں ''مشہور بزنس مین فضل کمال کی پوتیاں اور چیمبر آف کامرس کے رکن کی بیٹیاں رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار ہو گئیں۔''

فہد اور ریحان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے وہ دونوں بھی تھانے جانا چاہتے تھے تائی رقیہ نے بمشکل دودھ کے واسطے دے دے کر انہیں روکا جوان خون تھا کچھ بھی کر سکتا تھا خود آمنہ اور رفعت کے دل دہلے جا رہے تھے پتہ نہیں کیا قصہ تھا عمارہ کو تو سرے سے خبر ہی نہیں کی گئی۔ اب واپس آ کر علم ہوا تھا کہ یہ چکر ہے رقیہ، آمنہ اور رفعت مطمئن تھیں خمار اور افشاں نے اپنی بے گناہی ماں باپ دونوں کی نظروں میں ثابت کر دی تھی دیکھنا یہ تھا کہ رباب بی بی کا کیا حشر ہوتا۔ رقیہ فہد کو بلا لائی تھیں۔ رباب کے ذمہ ان کے بڑے حساب تھے جن کو چکانے کا بہترین موقعہ قدرت نے از خود فراہم کر دیا۔

آمنہ جا کر عمارہ کو بلا لائیں وہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں آمنہ کے لہجے میں کوئی بات ایسی تھی ضرور جس نے انہیں چونکا دیا تھا۔ سجل بھی کام ادھورا چھوڑ کر ان کے ساتھ ہولی اندر جیسے کوئی عدالت لگی ہوئی تھی اور اس کی ماں جائی کمرے کے وسط میں مجرموں کی طرح کھڑی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے زمین بوس ہو سکتی ہے۔

''رباب کیا ہوا ہے۔'' دونوں اس کے قریب آ گئیں...... وہ یوں ہو گئی جیسے اس کی سماعت مفلوج ہو گئی......

آساں نہیں ہے انصاف کی زنجیر ہلانا
دنیا کو جہانگیر کا دربار نہ سمجھو!

''میری معصوم اور مظلوم بیٹیاں'' آمنہ اور رفعت نے دہائی دی خمار اور افشاں دھواں دھار رو رہی تھیں جو داستان انہوں نے تھانے میں سنائی تھی اب گھر میں نئے سرے سے سب کو سنا رہی تھیں۔

''ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا رباب نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر ہمیں جانے کیا پلا یا کہ ہمارے حواس سلب ہو گئے۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں ایک زبردست سی فلم دکھاتی ہوں پہلے بھی کئی بار اس نے آفر کی مگر ہم ٹالتی رہیں گھر میں بھی کسی کو نہیں بتایا تاکہ عمارہ چچی اور بھی خود کو مظلوم نہ سمجھنے لگیں کیونکہ ہم ان پر ظلم جو بہت کرتے ہیں۔ آج بھی یہ زبردستی اپنے دوست کے ساتھ آئی اور ہمیں بٹھا کر لے گئی ہمیں کیا پتہ تھا وہاں یہ شیطانی کاروبار ہوتا تھا۔ واللہ ڈیڈی ہمارا دل چاہتا ہے خود کشی کر لیں اس واقعے کے بعد دل اچاٹ ہو گیا ہے۔'' خمار اور افشاں نے اچانک ہی صوفے کے ہتھے سے سر ٹکرانے شروع کر دیے۔ آمنہ اور رفعت تڑپ کر آگے بڑھیں اور انہیں روکا۔

صرف مجھے ہی نہیں میری سوچوں کو بھی سزا دو
میں عیسیٰ نہیں ہوں مجھے سولی چڑھا دو

''نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا خمار اور افشاں آپی مجھے خود اپنی دوست لکی کے گھر لے کر گئی تھیں۔'' اس نے ڈوبتے ڈوبتے ابھرنے کی کوشش کی عمارہ اور سجل دم بخود اسے دیکھے جا رہی تھیں فہد اور ریحان ایک ساتھ دروازے کے پٹ پکڑے جھانک رہے تھے۔ زاہد، اسرار

اور واحد تینوں رباب کے اردگرد کھڑے تھے۔ ریحان اور فہد بھی ان کی طرف بڑھے تبل کو ایک کتاب میں پڑھی گئی ریڈ انڈینز کی رسم یاد آ گئی جب وہ کسی دشمن کا خاتمہ کرنے لگتے تو اس کے گرد گھیرا بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے اگر وہ گھیرا توڑ دیتے تو اس کا مطلب ہوتا کہ انہوں نے دشمن کو معاف کر دیا ہے اگر وہ ہنوز گھیرا برقرار رکھتے تو موت کا خونی رقص شروع ہو جاتا ہے اردگرد بیٹھے تماشائی خاک اٹھا اٹھا کر دشمن پر پھینکتے اور نفرت کا اظہار کرتے۔

اسے یوں لگ رہا تھا کہ وہ ریڈ انڈینز کی بستی میں بیٹھی ہوئی ہے جہاں اس کی بہن گھیرے میں ہے۔ تائی چچی افشاں، اسماء، خمار، صومیہ سب تماشائی ہیں جو دشمن پر کسی بھی لمحے خاک پھینکنے والے تھے اور موت کا رقص شروع ہو جاتا۔

''نہیں بھائی جان یہ رباب جھوٹ بول رہی ہے کئی بار تو اس نے ہمیں چپ رہنے کے پیسے دیئے اس کے پاس ابھی بھی چند کیسٹس ہیں اس نے ہمیں رکھنے کے لیے دیں مگر ہم نے انکار کر دیا۔'' افشاں فہد سے بولی جو خوں رنگ نظروں سے رباب کو گھورے جا رہا تھا۔

''جھوٹ ہے یہ اللہ پاک کی قسم میرے پاس ایسی کوئی کیسٹ نہیں ہے آپ تلاشی لے لیں۔'' رباب کو امید کی کرن نظر آئی جو اس نے دیوانہ وار مٹھی میں بند کر لینی چاہی۔

''آئیں بھائی میں دکھاتی ہوں۔'' افشاں آگے ہوئی سب نے اس کی تقلید کی وہ سٹور روم میں گھس کر اس کا سامان الٹ پلٹ کرنے لگی اور واقعی ٹرنک کی تہ سے کیسٹس نکلیں ساتھ دو سو روپے کے مڑے تڑے نوٹ بھی تھے پوری پانچ کیسٹس تھیں فہد نے جھپٹ کر قبضے میں کیں اور رباب کو کھینچتا نیچے لے آیا سب سانس روکے اس کی کارروائی دیکھ رہے تھے اس نے ایک کیسٹ وی سی آر میں چلا دی اس میں جو کچھ دکھایا جا رہا تھا اس کو دیکھ کر سب کے سر جھک گئے فہد نے جھپٹ کر پلگ نکالا اور وی سی آر سے کیسٹ نکال کر اپنے بوٹوں تلے کچل دی۔

''تمہیں پتہ ہے امریکہ جیسے ملک میں بھی جو خود کو فخر سے ترقی یافتہ اور روشن خیال ملک کہتا ہے وہاں بھی ایسی فلمیں نہیں دیکھی جاتیں تمہاری یہ ہمت کہ تم دھڑلے سے انہیں پاس رکھو۔'' فہد نے بھاری بوٹ سے اس کے جسم کو ٹھوکر لگائی وہ ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گئی۔

''کون ہے یہ ارمان اور اس کے ساتھ کب سے تم نے یہ سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔'' (ایک اور ٹھوکر)۔

''بولتی کیوں نہیں ہو باپ سر پر نہیں ہے اس لیے آوارگی کا یہ عالم ہے۔'' تایا نے اس کے گال پر تھپڑ مارا۔

''میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔'' واحد چچا نے دوسرا تھپڑ مارا عمارہ کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں پوری شدت سے مسل دیا۔

''کمینی آوارہ جان سے مار دو، ہماری معصوم بیٹیوں پر الزام لگاتی ہے۔'' آمنہ رفعت نے بڑھاوا دیا فہد نے اپنے بھاری بوٹوں سے اسے فٹ بال کی طرح ککس لگانا شروع کر دیں پہلے اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹا پھر جسم پر پہنے گئے کپڑے خون سے تر ہونا شروع ہو گئے۔ ناک سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا فہد ابھی تک جنون کے عالم میں اسے مارے جا رہا تھا اسے کیا خبر تھی اس کی ہر ضرب اس معصوم لڑکی کو اذیت کی کس کس انتہا تک پہنچا رہی ہے رباب کے جسم سے بہتا خون دیکھ کر عمارہ پر جنون طاری ہو گیا اور پانچوں کا گھیرا توڑ کر آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگیں واحد نے انہیں دھکا دے کر گرا دیا وہ ہمت کر کے پھر اٹھ کھڑی ہوئیں اس بار وہ رباب کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گئیں اس کا لہولہو دریدہ جسم دیکھ کر ان کی آہیں آسمان کا سینہ چیرنے لگیں۔

''میری رباب تو آئینہ ہے صاف شفاف آئینہ جس پر گرد کا ایک ذرہ بھی نہیں ہے۔'' وہ رباب کے بے جان جسم کو دیوانہ وار چوم رہی تھیں۔

''چھوڑ دے فہد چھوڑ دے اسے مر جائے گی۔'' رقیہ چیختی ہوئی بیٹے کے قریب آئیں رباب کی حالت دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔عمارہ رباب کے اوپر اوندھی ہو گئی تھیں اب سب کو ہوش آیا کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔سجل بھاگ کر ماں اور بہن کے قریب آئی۔

''امی ہوش میں آئیں خدا کے لیے امی ہوش میں آئیں ہماری رباب کو ہمارے طوطے کو کچھ نہیں ہوا ہے۔تایا ابو دیکھیں ناں رباب کو امی کو کیا ہو گیا ہے۔پلیز انہیں دیکھیں ناں۔'' وہ زاہد کے قدموں میں گر گئی۔

''خدا کے لیے کچھ کریں زاہد ورنہ یہ پولیس کیس بن جائے گا ابھی جان ہے اس میں۔'' تائی رقیہ نے مردوں والی ہمت کا مظاہرہ کیا تھا انہوں نے ٹٹول کر رباب کی نبض چیک کی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

''اگر پولیس اور ڈاکٹر نے پوچھا تو کیا کہیں گے۔'' واحد اور اسرار تذبذب میں تھے۔

''کہہ دیں گے سیڑھیوں سے گری ہے بیٹی کو دیکھ کر ماں بھی بے ہوش گئی۔'' رقیہ نے پروگرام بھی سیٹ کر لیا۔ریحان نے بھاگ کر رباب اور عمارہ کو گاڑی میں پہنچایا اس کا دل کہہ رہا تھا کچھ نہ کچھ ضرور غلط ہوا ہے۔سجل ساکت وصامت بہن کا ہاتھ پکڑے بیٹھی ہوئی تھی۔

ڈی ایس پی سبکتگین گیلانی شاہ زمان کا بیان لے کر اس کے وی آئی پی روم سے باہر نکل رہا تھا آگے سے وارڈ بوائے اسٹریچر دھکیلتا ادھر ہی آ رہا تھا اس کی وردی کے رعب سے وہ سائیڈ پر کھڑا ہو گیا تاکہ وہ گزر سکے۔سبکتگین نے یونہی اسٹریچر پر نظر ڈالی تھی یقیناً یہ وہی لڑکی تھی جو کل ان باقی تین لڑکیوں کے ساتھ لائی گئی تھی اس پہ بڑی چادر سے خون کے دھبے جھانک رہے تھے چہرہ بھی خشک ہوتے لہو میں بھیگا ہوا تھا۔

ایک روز میں اس کی حالت پہ حیران ہوتا وہ آگے بڑھ آیا۔

☆☆☆

ھنسپتالی شاعری

ھنسپتالی شاعری ڈاکٹر مظہر عباس رضوی کی مزاحیہ شاعری کا مجموعہ کلام ہے۔ اس سے پہلے اُنکی مزاحیہ شاعری کے تین کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں جس میں ''ہوئے ڈاکٹری میں رسوا، دوا بیچتے ہیں، گڑبڑ گھوٹالہ'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر مظہر عباس رضوی پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں اور اُنھوں نے اپنی شاعری میں ڈاکٹری سے وابستہ تجربات اور مشاہدات کو بہت خوبصورتی سے مزاح کے قالب میں ڈھالا ہے۔

ھنسپتالی شاعری کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **شاعری** کے **طنز و مزاح** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اک دیا ایسا بجھا ہے مجھ میں
اب کے نوحہ گر ہوا ہے مجھ میں
عکس در عکس بکھرتا ہے مجھے
جانے کیا ٹوٹ گیا ہے مجھ میں
نہ کوئی خواب نہ آنسو نہ خیال
اب کے عجیب قحط پڑا ہے مجھ میں

آج عمارہ کا سوئم تھا رباب کو ہاسپٹل پہنچاتے ہی انہوں نے عمارہ کو بھی ایڈمٹ کروا دیا تھا مگر یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی ٹھیک دوسرے دن وہ خالق حقیقی سے جاملیں ڈاکٹرز کے مطابق ان کی موت فالج کے اٹیک کے باعث ہوئی تھی۔

سجل نہ روسکتی تھی نہ ہنس سکتی تھی بقول شاعر ایک اور دریا کا سامنا تھا مجھ کو ایک اور دریا کے پار جو اترا تو میں نے دیکھا۔ رباب آئی سی یو میں تھی کسی کو بھی ملنے یا دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ آج چوتھا روز تھا۔ سجل کو بغیر کھائے پیئے حالانکہ سب نے کتنی منتیں کی تھیں ایک نوالہ ہی کھالو فہد بھی اس کے پاس آگیا تھا۔

''سجل پلیز کھالو ناں دیکھو چچی کی روح کو کیوں تکلیف دیتی ہو پیٹ سے کیوں دشمنی کر رہی ہو۔'' وہ نوالہ بنا کر اس کے منہ میں دینا چاہتا تھا...... سجل نے آنکھیں اٹھا کر اس کو نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور نوالہ اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔

''تم قاتل ہو، تم قاتل ہو۔'' وہ کمرے میں بھاگ گئی تھی۔ فہد پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

فگار پاؤں میرے اشک نارسا میرے
کہیں تو مل مجھے اے گمشدہ خدا میرے

آج مسلسل اٹھائیس دن ہو گئے تھے اسے کومے میں گئے ہوئے، ڈاکٹرز کے مطابق سر میں کسی سخت ضرب کی وجہ سے اس کا ذہن بے ہوشی میں ڈوب گیا تھا سجل اچھی طرح جانتی تھی وہ سخت ضرب کونسی تھی سب باقاعدگی سے رباب کو دیکھنے آرہے تھے۔ سجل نے تو باقاعدہ کسی جوگن کی طرح یہاں ڈیرہ ڈال لیا تھا سب سمجھا سمجھا کر تھک جاتے کہ گھر جا کر تھوڑی دیر آرام کر لو پر وہ ٹس سے مس نہ ہوتی۔

''اگر رباب کو ہوش آگیا تو مجھے نہ پا کر وہ پریشان ہو جائے گی آپ سب جائیں میں اس کے پاس رہوں گی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے کہتی سب حیران ہوتے یہ نرم خو مہربان سجل نہیں تھی یہ تو رباب کا پرتو تھی ضدی رباب کا دوسرا عکس۔

سب کے جانے کے بعد وہ کرسی گھسیٹ کر رباب کے بستر کے قریب لے آتی اور ٹکٹکی باندھ کر رباب کے پٹیوں میں جکڑے چہرے کو پیار

سے چھوتی اس کے ایک ایک نقش کو اپنے اندر اتارتی رباب کے زخم تیزی سے بھرتے جا رہے تھے سجل دن رات ایک ہی دعا مانگتی کہ رباب کو ہوش آ جائے۔اور پھر اس روز رباب کو ہوش آ ہی گیا سجل نے اس کے گلے لگ کر عمارہ کی موت کا بتایا سجل تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی حیرت کی بات یہ تھی کہ رباب کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا تھا حالانکہ سجل کو اس بری طرح روتے دیکھ کر کئی ڈاکٹرز کی بھی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔اس کے ہوش میں آنے کے بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا۔

چراغ جلتے بھی کیسے جو ہواؤں کی زد میں تھے

جو بے خطا تھے ہم تو کیوں سزاؤں کی زد میں تھے

اب کے تو کوئی پیڑ بھی کہیں ہرا نہیں ملا!!

سارے دل کے موسم اپنے خزاؤں کی زد میں تھے

رات تایا اور تائی چھوٹے چچا کے ساتھ ان کے پورشن میں آئے رباب انہیں دیکھ کر یونہی بستر پر پڑی رہی۔

"سجل ہم نے رباب کا رشتہ طے کر دیا ہے اس واقعے کے بعد ہمیں بہت خوف تھا سب کا خیال ہے کہ یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اچھا ہے اس گھر میں بھی لڑکیاں ہیں کل کلاں کو ان کی بھی شادیاں ہونی ہیں۔رباب کی شادی کے بعد یہ کام آسان ہو جائے گا کل لڑکے کی بہنیں آ رہی ہیں تم مل لینا اور فکر مت کرنا ہم سب تمہارے اپنے ہیں۔" تایا دھیرے دھیرے کہہ رہے تھے سجل کو قدرت کی اس ستم ظریفی پر ہنسی آ گئی۔

شادی کی تجویز بھی رقیہ کی سازشی ذہن کی پیداوار تھی ان کا خیال تھا کہ تندرست ہونے کے بعد رباب بے نیام تلوار کا سلوک کرے گی اور ہوسکتا ہے کہ اپنا حصہ بھی طلب کرے اسی خوف نے انہیں دیوروں اور دیورانیوں سے مشورہ کرنے مجبور کیا سب کا مشورہ تھا کہ کچھ دے دلا کر رباب کی شادی کر دی جائے،عطیہ میکے آئی تو اس نے بتایا کہ کچھ لوگ ہیں اس کی ساس کے جاننے والے جنہیں اپنے لڑکے کے لیے لڑکی کی تلاش ہے خاندان میں جب بھی اس لڑکے کی بات چلتی ہے کوئی رشتہ دینے کو تیار نہیں ہوتا لڑکا پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ ہے سب ہی کہتے ہیں کہ اس نے پہلی بیوی کو قتل کیا ہے میں نے اس کی بہنوں سے رباب کا ذکر کیا اور ساتھ اس کی عادات کا بھی بتایا ہے وہ دل و جان سے آنے کے لیے تیار تھیں پھر میں نے سوچا پہلے آپ سے مشورہ کر لوں،اس نے بتایا تو رقیہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

دوسرے روز لڑکے کی بہنیں آئی تو انہوں نے صاف صاف اپنے بھائی کے بارے میں بتایا،رقیہ نے بھی رباب کے بارے میں سچ بولنے کا عالمی ریکارڈ قائم کیا تھا۔

"ٹھیک ہے مجھے یہ رشتہ منظور ہے۔" سلوط اور نگی کی آنکھیں چمک رہی تھیں گھر آ کر وہ خوب ہنسیں۔

"اب مزا آئے گا، بھائی سکون کو ترس جائے گا لڑکی کی تائی نے بتایا ہے کہ جس گھر میں جائے گی اندھیرا کر دے گی نحوست پھیلا دے گی اور ہم دیکھیں گے تماشا۔"

ادھر رقیہ رفعت اور آمنہ بھی خوش تھیں۔

''سنا ہے کہ لڑکے کے غضب سے سب پناہ مانگتے ہیں اپنی رباب کو دبا کر رکھے گا دال آٹے کا بھاؤ پتہ لگ جائے گا اوپر سے دو بچوں کو سنبھالنا پڑے گا۔ ماں کے گھر کے عیش یاد آئیں گے چوں بھی نہیں کر سکے گی۔ سارا دم خم ابھی سے نکل جائے گا ہونہہ افشاں اور خمار پر الزام لگاتی تھی پھاپھا کٹنی کہیں کی، یہ نہ ہو رباب کا ہونے والا شوہر کہیں سن گن ملنے پر اس کا پتہ ہی نہ صاف کر دے۔''

☆☆☆

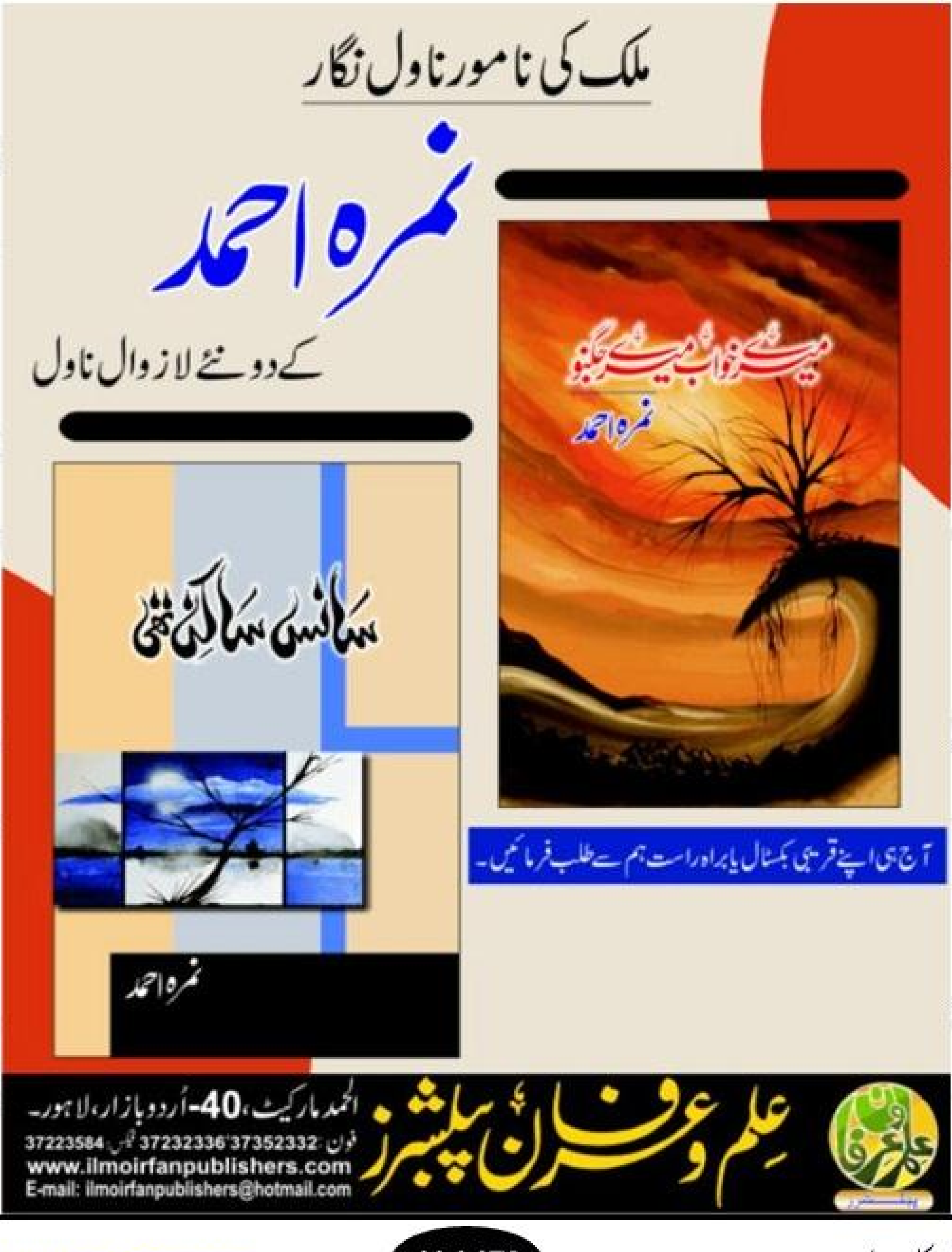

یہ میری انا کی شکست ہے نہ دوا کرو نہ دعا کرو
جو کرو تو بس یہ کرم کرو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو
وہ جو ایک ترکش وقت ہے ابھی اس میں تیر بہت سے ہیں
کوئی تیر تم کو نہ آ لگے میرے زخم دل پہ نہ یوں ہنسو

''گڑیا اٹھو نیچے ڈرائنگ روم میں تمہاری نندیں آئی ہیں۔'' یہ اطلاع دیتے ہوئے تجل کا دل کٹ سا گیا وہ پس و پیش کیے بغیر اس کے ساتھ ہولی سلوط اور نگی تولتی آنکھوں سے رباب کا جائزہ لے رہی تھیں..... عطیہ اور اس کی ساس بھی ان کے ساتھ آئی ہوئی تھیں مومو، عریشہ، خمار اسماء سب ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''یہ ہیں رباب'' عرشیہ نے طنزیہ انداز میں اس کی آمد پر تعارف کرایا۔ رباب سمٹ کر بیٹھ گئی عریشہ مومو، عطیہ، سلوط اور نگی سے کھسر پھسر کر رہی تھیں تجل کا چہرہ باوجود ضبط کے سرخ ہوا جا رہا تھا جبکہ وہ جس کے بارے میں یہ گوہر افشانیاں کی جا رہی تھیں خاموش بیٹھی تھی تجل کا جی چاہ رہا تھا اس کی بے حسی پر اسے جھنجھوڑ ڈالے وہ کیوں ایسی ہو گئی ہے کیوں اتنی مسکین اور قابل رحم نظر آنے لگی ہے۔

''تجل ایک گلاس پانی مل جائے گا'' وہ عدنان کی آواز پر چونک گئی جو اس سے پانی مانگ رہا تھا وہی لمبے بالوں والا عدنان جسے رباب مریخی مخلوق کہا کرتی تھی۔

''رباب آپ اتنی خاموش کیوں ہیں'' وہ اٹھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا اتنے میں تجل اس کے لیے پانی لے آئی۔

''آپ اس رشتے سے انکار کر دیں آپ کو خبر نہیں کہ وہ کتنا ظالم ہے سنگدل آدمی ہے ایک بیوی کو قتل کر چکا ہے کسی طرح بھی آپ انکار کر دیں میں اس لیے آنٹی کے ساتھ آیا ہوں کہ حقیقت آپ کو بتاؤں۔'' کھلنڈرا سا عدنان کتنا بڑا اور پرخلوص لگ رہا تھا۔

''مگر ہم کیسے انکار کریں یہ ممکن نہیں'' تجل کمزور لہجے میں بولی جبکہ رباب اسی طرح خاموش تھی۔

''سچ وہ اس نازک سی لڑکی کا حشر خراب کر دے گا۔ درندہ ہے درندہ، آپ میری بات سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں۔'' وہ دلسوزی سے بولا۔

جاتے جاتے سلوط رباب کے ہاتھ پر پانچ ہزار روپے رکھ گئی جس کا مطلب تھا کہ اب ہم جلدی آئیں گے مسز جواد کو بھی علم ہو گیا تھا کہ رباب کی شادی ہو رہی ہے وہ آئی تھیں حیرت انگیز طور پر آج سب کا سلوک ان کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

''تجل رباب کی شادی کا جوڑا تم ڈیزائن کرنا، میں تمہیں گفٹ کر دوں گی کل میرے ساتھ بازار چلنا اور تمام میٹریل خرید لینا میں ثوبی اور فوزی کو بھی تمہارے ساتھ لگا دوں گی۔'' وہ خلوص سے بولیں تو وہ انکار نہ کر سکی۔

دوسرے روز جب وہ ان کے گھر گئی تو انہوں نے احتشام کے ساتھ اسے بازار بھیج دیا۔ احتشام نے کتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا نگاہیں

سیراب ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

"سجل آپ نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا ہے، کیا تھا اگر آپ میری ہم سفر بن جاتیں۔" وہ ٹوٹے لہجے میں بولا تو سجل کی نگاہیں اپنے ہاتھوں کی لکیر پر جم گئیں وہ اسے کیا آس دلاتی بہن کا دکھ دل چیرے جا رہا تھا جو مردوں کی طرح خاموش اور سرد ہو گئی تھی۔

رباب کی سسرال کی طرف سے آئی شاہانہ بری دیکھ کر سب خواتین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں سلوط اور نگی نے دلاسہ دیا تھا۔

"بھائی کے ارمان تو نکلنے دیں بعد میں دیکھئے گا۔" وہ مکاری سے ہنسی تو ان کے دل کو اطمینان ہوا۔ زیادہ مہمانوں کو نہیں بلایا گیا تھا صرف لڑکے والے کے قریبی رشتہ دار تھے اور ادھر رباب کی طرف سے سب گھر والے تھے پھر بھی ہر فنکشن ارینج کیا گیا تھا۔

سجل رباب کے گیلے بالوں کو ڈرائر سے سکھا رہی تھی مہندی اس نے رات ہی میں اس کے ہاتھ پاؤں پر لگا دی تھی رباب کو سجانے کے لیے لڑکے نے بیوٹی پارلر میں بکنگ کروا دی تھی مگر سجل نے کہا تھا کہ میں خود اپنی بہن کو تیار کروں گی سب مان گئے تھے ویسے اسے دلہنیں سجانے کا تجربہ تھا پر آج اپنی بہن کو سجاتے ہوئے اس کا دل خون ہوا جا رہا تھا وہ رباب کو ایک عیاش قاتل کے لیے سجا رہی تھی جو سنگدل اور ظالم بھی تھا۔

"رباب رو لو جی بھر کر رو لو تا کہ اندر کی آگ بجھ جائے۔" وہ ڈرائر رکھ کر دوزانو اس کے سامنے بیٹھ گئی اُف رباب کی خالی خالی نگاہوں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا دی۔

"رباب رو لو آخری بار رو لو۔" اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے اس کی بے حسی پہ سجل بے اختیار اس کے گلے لگ گئی وہ بہن کو دیوانہ وار پیار کر رہی تھی کہ شاید یہ پتھر پگھل جائے مگر رباب سوکھی آنکھیں لیے بیٹھی رہی جب نکاح کے وقت تایا، بڑے چچا اور چھوٹے چچا مولوی صاحب کے ساتھ اس کے پاس آئے تو تایا نے بے اختیار رباب کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا انہیں یوں لگا جیسے کوئی گلیشیر ہے جو انہوں نے گلے لگایا ہے چچا واحد اور چچا اسرار نے بھی باری باری سر پر ہاتھ پھیر کر دعائیں دی۔

کھانے کے بعد رباب کو باہر لا کر بٹھایا گیا دولہا کا بڑا بیٹا جو تقریباً اڑھائی سال کا تھا وہ بھی باپ کے ساتھ آیا ہوا تھا سجل نے پہلی بار اپنے بہنوئی کو دیکھا تھا کیونکہ وہ کسی بھی فنکشن میں نہیں گئی تھی اسے یوں لگا کہ اگر وہ گئی تو پیچھے رباب خود کو کچھ نقصان نہ پہنچا لے۔ اس ڈر نے اسے وہاں جانے سے باز رکھا تھا۔ سفید کڑکڑاتے شلوار سوٹ، سنہری کھسے اور مضبوط جسامت سمیت وہ اسے بہت بلکہ بہت ہی اچھا لگا اس کے بارے میں سنی گئی تمام باتیں اسے جھوٹ لگ رہی تھیں وہ اتنا شاندار سا مرد بھلا کیسے قاتل ہو سکتا ہے اس کی مسکراہٹ بھی غضب کی تھی اس پہ اس کے بیٹھنے کا اسٹائل آفت تھا۔ عریشہ، عطیہ، موموسب کے شوہر اس کے مقابلے میں ایویں سے لگ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ریاست کا بے تاج بادشاہ ہے وہ کہیں سے بھی بچوں کا باپ نہیں لگ رہا تھا ہاں رباب سے وہ نو دس برس بڑا ضرور تھا۔

"بڑی بہن کے بجائے چھوٹی کی شادی پہلے کیوں ہو رہی ہے حالانکہ لڑکا بڑی بہن کے جوڑ کا ہے۔" کسی مہمان خاتون نے آمنہ سے سوال کیا۔ یہ عطیہ کی ساس کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں۔ انہیں اس معاملہ پہ حیرت ہوئی ہی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ عیب دار کے لیے عیب دار اور مومنہ کے لیے مومن" آمنہ نے قہقہہ لگایا تو وہ انہیں دیکھنے لگیں۔

''بڑی بہن بھی کم نہیں ہے'' رفعت نے رازدارانہ انداز میں بتایا۔لوگوں کی اکثریت پوچھ رہی تھی کہ بڑی کے بجائے چھوٹی کی شادی کیوں ہورہی ہے۔رباب میرون آف وائٹ کامبی نیشن کے راجستھانی سوٹ میں بے پناہ حسین لگ رہی تھی اس کی نوعمری اور معصومیت نے اسے عجیب سانکھار دے دیا تھا تجل نے بڑی مہارت سے اس کا میک اپ کیا تھا ہر ایک کی زبان پر تعریفی کلمات تھے۔تجل نے دودھ پلائی کے بعد بہنوئی سے کوئی نیگ وغیرہ طلب نہیں کیا جس پہ اسے خاصی حیرت ہوئی وہ خالی گلاس لے کر اندر غائب ہوگئی تھی اس کا بیٹا سلجوق دلہن کو بڑے اشتیاق سے دیکھے جارہا تھا بار بار وہ اس کا چہرہ چھوتا اور اس کی کلائی میں پڑی چوڑیوں کو چھیڑتا۔

رخصتی دیر سے عمل میں آئی تجل نے بڑی مشکل سے خود کو رونے سے روکا ہوا تھا۔ریحان اور چھوٹے چچا نے اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا۔تجل کی آنکھیں سمندر ہوئی جارہی تھیں۔''فی امان اللہ'' جاتی گاڑی کو دیکھ کر اس کے لبوں سے نکلا۔

☆☆☆

مائنڈ بلاسٹر

مائنڈ بلاسٹر، مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ایک اور تیز رفتار اور ایکشن سے بھرپور سائنسی ناول ہے۔ اس ناول میں ایک ایسے ہی سائنسی آلے کا استعمال پاکیشیا کے فوجی کمانڈروں کے خلاف کیا گیا جو ہیئت، ساخت اور کام کے لحاظ سے صرف عام سائنسدانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عمران کے لئے بھی بالکل نیا تھا۔پاکیشیا کے ڈیڑھ سو کمانڈوز کو جیتے جاگتے ہلاک کر دیا گیا اور وہ ہاتھ تک نہ ہلا سکے جبکہ انہیں کسی گیس یا ریز سے بے ہوش یا بے حس وحرکت بھی نہ کیا گیا تھا بلکہ ان کو صوتی لہروں کی مدد سے گہری نیند سلایا گیا تھا، ایسی نیند جو ان کے مرنے کے بعد بھی قائم رہی۔پھر پاکیشیا کے ایٹمی تنصیبات پر ان صوتی لہروں سے حملہ کیا گیا اور پاکیشیا کی ایٹمی تنصیبات کے تمام سائنسدان بہتر گھنٹوں تک باوجود سرتوڑ کوششوں کے نیند سے نہ جاگ سکے۔

کیا پاکیشیا کی ایٹمی تنصیبات جن کی حفاظت کے لئے پاکیشیائی حکومت ہر سال کروڑوں ڈالرز خرچ کرتی ہے کا دفاعی نظام اس قدر کمزور تھا؟ اس پورے کھیل میں عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس صرف ناچتے رہ گئے اور دشمن مسلسل پاکیشیا کو نقصان پہنچاتا رہا۔پھر جب عمران کو دشمن اور اس آلے مائنڈ بلاسٹر کا پتہ چلا تو عمران اور اس کے ساتھی دیوانہ وار اس آلے کو ختم کرنے اور دشمن ملک سے انتقام لینے کے لئے میدان میں کود پڑے۔یہ انتقام تھا پاکیشیا کے ڈیڑھ سو کمانڈوز کے خون کا انتقام۔اور جب عمران انتقام پر آجائے تو کیا ہوتا ہے اس کے بارے میں جاننے کے لئے پڑھیئے ناول ''مائنڈ بلاسٹر''۔

''**مائنڈ بلاسٹر**'' کتاب گھر پر دستیاب ہے۔جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

بے زمین لوگوں کو
بے قرار آنکھوں کو
بدنصیب قدموں کو
جس طرف بھی لے جائیں راستوں کی مرضی ہے
بے نشان جزیروں پر
بدگمان شہروں میں
بے زباں مسافر کو
جس طرف بھی بھٹکا دیں راستوں کی مرضی ہے
اجنبی کوئی لا کر
ہم سفر بنا ڈالیں
یا مسافتیں ساری
خاک میں ملا ڈالیں راستوں کی مرضی ہے
اجنبی کوئی لا کر ہم سفر بنا ڈالیں
ساتھ چلنے والوں کی
راکھ بھی اڑا ڈالیں
یا مسافتیں ساری
خاک میں ملا ڈالیں
راستوں کی مرضی ہے

پھولوں سے سجی راہداری سے گزر کر سلوط اور نگین اسے اندر لے آئیں۔

اندر کمرہ بھی گلابوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا کہیں کہیں موتیے کی ادھ کھلی کلیاں بھی نظر آ رہی تھیں سامنے والی دیوار پر گلاب اور موتیے کے پھولوں کو باہم ملا کر دل کی شکل پر ان دونوں کا نام لکھا گیا تھا کمرے کی سجاوٹ کو دیکھ کر نگین کے اعلیٰ ذوق کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

"میں سلجوق اور ہانی کو لے کر جا رہی ہوں اب صبح ملاقات ہوگی" سلوط چلی گئی نگی بھی اس کی ضرورت کی چیزیں ڈریسنگ روم میں چھوڑ کر رخصت ہوگئی، جانے سے پہلے اس نے رباب کو زبردستی کھانا کھلایا تھا۔ اس نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں ذہن سوچوں کے

جزیرے میں غوطے کھا رہا تھا وہ چونکی قدموں کی آہٹیں اسی کمرے کی طرف آ رہی تھیں وہ سیدھی ہوگئی کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

''میں ذرا فریش ہو جاؤں پھر بات کرتے ہیں۔''

لمحہ بھر کو وہ بیڈ کے قریب ٹھہر کر مڑ گیا رباب کو بھی بیوی کے قاتل اور درندہ صفت شخص کو دیکھنے کی خواہش تھی کیسا جی دار شخص تھا ایک کو مار کر دوسری لے آیا تھا شاید کل دوسری کو مار تیسری لے آتا اس نئے خیال نے اسے خوفزدہ نہیں کیا تھا گزشتہ تین چار ماہ سے اس نے خوف کے وہ نئے نئے نمونے دیکھے تھے کہ اب خوف کا لفظ ہی اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا خوف کی اندھی تاریک گھاٹیوں میں پڑے پڑے اس کا ذہن روشنی سے اکتانے لگا تھا۔ کمرے میں کسی زبردست سے پرفیوم کی خوشبو پھیلی جو واش روم سے برآمد ہونے کے بعد اس نے اپنے اوپر چھڑکا تھا۔

''میں نے سوچا آپ پر پہلا امپریشن اچھا پڑنا چاہیے'' اس نے تکیہ اٹھایا اور پیچھے سیٹ کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ رباب کو اس کی آواز جانی پہچانی سی لگی پر اس کا ذہن درست جواب نہیں دے رہا تھا۔

''سب ہی کہہ رہے تھے کہ دولہن بڑی پیاری ہے اور تو اور میرا بیٹا سلجوق بھی کہہ رہا تھا کہ پپا دولہن اے ون ہے'' اس نے شریر لہجے میں بولتے ہوئے رباب کا زرتار آنچ کھسکایا۔

''اوہ نو دس از امپاسبل'' سبکتگین کے منہ سے نکلا اس کی یادداشت اتنی خراب بھی نہیں ہوئی تھی کہ تین چار ماہ قبل تھانے آنے والی لڑکی کو بھی نہ پہچان پاتا اس کو اس نے لہولہان چہرے کے ساتھ بھی پہچان لیا تھا آج کیا مشکل تھی رباب نے آنکھیں کھول دیں سامنے حقیقت بنا وہ جلاد صفت ڈی ایس پی تھا جس کے بید کی ضرب کا نشان ابھی تک اس کی پشت پر موجود تھا۔

''تو یہ تم ہو'' وہ نفرت سے بولا۔

''اوہ میں بھی جان گئی ہوں کہ یہ تم ہو'' رباب کا دل اس سے بھی زیادہ نفرت سے بولا۔

''میں اپنی خواہش سے نہیں آئی ہوں لائی گئی ہوں'' وہ لہنگا سنبھالتی نیچے اتری اس کے پاؤں کی پائل گنگنائی چوڑیاں بج اٹھیں۔

''سنو ساتھ ہی دوسرا کمرہ ہے وہاں سو جاؤ'' وہ جانے کیا سمجھ رہا تھا بول پڑا۔

''میں باہر ہی جا رہی تھی'' وہ مڑی اس کی کمر میں شاخ گل کی سی لچک تھی۔ وہ اس اتفاق پہ خوش نہیں لگ رہا تھا دو لڑکیوں پر اسے افشاں اور خمار کا گمان ہوا تھا دوبارہ پھر وہ اس کے سامنے ہی نہیں آئیں۔ اس روز جب وہ چلا گیا تھا تو بعد میں انسپکٹر مراد نے اسے بتایا کہ لڑکیوں کی بیک بہت مضبوط تھی وہ چلی گئی تھی اُسے بہت غصہ آیا تھا اس کا خیال تھا کہ ان پکڑے جانے والے لڑکے لڑکیوں سے ویڈیو مافیا کے خلاف اہم مواد اور کلیو مل سکتا ہے مگر مراد نے اسے ان کے چھوڑے جانے کی خبر سنا کر بدمزہ کر دیا تھا حالانکہ ان کی رہائش گاہ سے اچھی خاصی تعداد میں بلیو فلمیں برآمد ہوئی تھیں۔ یہ ویڈیو مافیا ہر طرف چھائی ہوئی تھی خاص طور پر نوجوان نسل ان کا ٹارگٹ تھی سکول و کالج جانے والے لڑکے مکمل طور پر ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے تھے ماں باپ سمجھتے تھے کہ بیٹا سکول گیا ہے اور قوم کا یہ نونہال پانچ دس روپے دے کر ایک گھٹیا سے تاریک کمرے میں بیٹھا اپنی روحانی بالیدگی کو زہر آلود کر رہا ہوتا سکول و کالج میں حاضریاں کم اور ان منی سینما گھروں میں جو گلی گلی اور محلے میں واقع تھے، لڑکوں کی حاضریاں زیادہ ہوتیں کسی کو احساس

ہی نہیں تھا کہ نوجوان نسل تباہی کی آخری انتہا پر جا رہی ہے ان فلموں کی بدولت نوجوانوں میں نئی نئی بیماریاں پیدا ہو رہی تھیں آنکھوں سے شرم وحیا رخصت ہو رہی تھی دل سے احترام آدمیت اور انسانیت کا درد ختم ہوتا جا رہا تھا خواتین کی عزت کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہی تھی۔

لڑکے تو لڑکے اب لڑکیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہی تھیں محلے کی ہر ویڈیو شاپ سے دس سے پندرہ روپے دے کر وہ بھی یہ فلم دیکھ سکتی تھیں اس مافیا نے لڑکیوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ماں باپ بے فکر تھے انہوں نے کبھی سکول یا کالج جا کر اپنے بچے اور بچیوں کی تعلیمی سرگرمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا کبھی راتوں کو اٹھ کر یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ دو دو بجے تک ان کے بچے کونسا پروگرام دیکھ رہے ہیں کتابیں آگے رکھ کر کمرہ بند کر کے کونسا کھیل کھیلا جا رہا ہے وہ کالج ٹائم سے لیٹ کیوں آتے ہیں اس کا شکار عموماً ہائی کلاس کے لڑکے لڑکیاں تھے یا جن کی جیب میں زیادہ پیسہ تھا کسی کے پاس وقت ہی نہیں تھا جو یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ بچوں کی دوستی اور اٹھنا بیٹھنا کس قسم کے لوگوں کے ساتھ ہے یہ آئے روز جیب خرچ بڑھانے کا مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کسی کو کیا خبر کہ اولاد کمبائن اسٹڈی کی آڑ میں کیا کر رہی ہے ایک تباہی تھی جو ایٹم بم سے بھی زیادہ تباہ کن تھی۔ سائنس نے بہت ترقی کی جو ممالک ترقی کے زینے طے کرتے گئے ان کے ہاں اخلاق کا معیار گھٹتا گیا...... کسی نے نوجوانوں کی اخلاقی ترقی پر زور نہیں دیا نہ ریسرچ کی کہ اس اخلاقی تباہی کی کیا وجوہات ہیں معاشرہ دن بدن زمانہ قدیم کے غاروں کا منظر پیش کر رہا تھا اس کی ایک وجہ مذہب سے دوری اور والدین کی چھوٹ تھی سارا گھر مزے سے غیر ملکی فلم دیکھ رہا ہے درمیان میں عشاء کی اذان ہوئی کسی نے نماز پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بھائی بہن ماں باپ سب محو ہیں فلم میں، والدین تو اولاد کے لیے نمونہ عمل ہوتے ہیں خود بچوں کے لیے اچھے کام کر کے مثال نہیں بنتے بچے کہاں سے اچھے کام سیکھیں حدیث شریف میں ہے کہ:

"بچہ جب سات سال کا ہو تو اسے نماز سکھاؤ اور دس سال تک اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اسے مار مار کر پڑھاؤ۔"

سات سال کے بچے سے کسی بھی ہیرو ہیروئن کا نام پوچھ لیں وہ فر فر بتائے گا پر اسے نماز کی رکعتیں یاد نہیں ہوں گی دس سال کا ہو کر وہ مزے سے فلم دیکھ رہا ہے کوئی اسے مار کر نماز نہیں پڑھا رہا ہے مائیں بڑے فخر سے بتاتی ہیں۔

"میری نو سالہ پنکی تو بالکل غیر ملکی ہیروئن کی طرح ناچتی ہے"

لڑکے لڑکیوں کے ہاتھوں میں تیس تیس روپے کی گانوں کی کیسٹیں ہوتی ہیں جو وہ فخر سے دوستوں کو دکھا رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے کل ہی خریدی ہے کسی کے ہاتھ میں ڈھونڈنے سے بھی اسلامی کتاب نظر نہیں آئے گی قصور آخر کس کا ہے؟

سبکتگین کو بہت غصہ آیا تھا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی وہ لڑکیاں دوبارہ سامنے آ جائیں تو وہ مار مار کر بھرکس نکال دے۔ لڑکیاں بھی تو اپنی حدود پار کر گئی تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکی لکی کتنی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ جھٹ اسے آفر کر دی تھی پر چانے کی کوشش کی تھی وہ تینوں میک اپ کئے حسن وخوبصورتی کے تمام ہتھیاروں سے لیس تھیں ہاں وہ چوتھی لڑکی میک اپ سے مبرا تھی اس کا لباس بھی شریفانہ تھا سٹوڈنٹس والا حلیہ تھا چہرے پر الھڑ پنے کی تازگی تھی۔ معصومیت تھی پکا پن نہیں تھا جو باقی تین لڑکیوں کے چہرے پر تھا بہر حال تھی تو وہ بھی ان کی ساتھی جس کے بارے میں وہ تینوں کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنے دوست کے ہمراہ ریوالور دکھا کر انہیں زبردستی لے گئی تھی۔

پھر اسے ہاسپٹل میں لہولہان دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا تھا مگر اسے رحم ہرگز نہیں آیا تھا کیونکہ وہ رحم کے قابل بھی نہیں تھی اور آج وہی لڑکی زندہ، تلخ حقیقت بنی سامنے تھی کیا وہ بالکل ہی آنکھیں بند کیے ہوئے تھا جو وہ آرام سے اس کی ہم سفر بن گئی تھی کم از کم ایک بار وہ اسے دیکھ ہی لیتا یوں بڑا دھوکہ نہ کھاتا کیا بھری دنیا میں یہی لڑکی اس کے لیے بچی تھی جو فحش فلمیں دیکھنے اور اخلاق سوز حرکات کے الزام میں پکڑ کر لائی گئی تھی۔ اسے سلوط اور نگی کے آگے یوں سرنگوں نہیں ہونا چاہیے تھا ہائی اور سلجوق کا کیا تھا پل ہی جاتے پر وہ یوں کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور تو نہ ہوتا۔

ہمارا کیا ہم ٹھہرے

بڑے ناداں بڑے بے حس

سدا جو درد سے بوجھل

بہت وحشی، بہت خود بیں

بس اپنے کرب سے واقف

کہاں فرصت کہ ہم سوچیں

کسی کے درد کو کھوجیں

کسی کی ہم کو کیا پروا

کسی کے غم سے کیا رشتہ

ہمارا دل نہیں رکتا

بہت طوفان جھیلے ہیں

دوشیزہ میں شائع ہونے والا طویل ناول
ایک رات کی بات
سعدیہ غزل
صفحات 528
قیمت: 350
- عشق و محبت، نیکی و بدی اور سزا جزا کے فلسفے کے گرد گھومتی داستان۔
- اُن لمحوں کی کہانی جب ایک رات کی خطا برسوں کے عذاب میں بدل گئی۔
- ناکردہ گناہ سہنے والوں کی دل گزر داستان۔
بہترین کاغذ، خوبصورت پرنٹنگ اور فوم والی جلد کے ساتھ

ولیمے کے کارڈز چونکہ پہلے ہی چھپ کر تقسیم ہو چکے تھے اس لیے سبکتگین کو یہ تقریب اہتمام سے منانی پڑی اس کی سابقہ سسرال میں سے ایک شخص بھی نہیں آیا تھا۔ سبکتگین کے کولیگ اور ان کی بیگمات اسے مبارکباد دے رہی تھیں۔

''خاصی خوبصورت اور کم عمر سی ہی تمہاری دلہن۔'' مسز اشمل نے سبکتگین کی طرف روئے سخن کیا۔

''ہوں'' اس نے ہوں پر اکتفا کیا۔

''بچوں کو سنبھال لے گی۔'' یہ مسز راحت تھیں۔

''تم تو بڑے لکی ہو دوسری بار اتنی پیاری سی لڑکی ملی ہے ہمیں تو پہلی بار بھی......'' اشمل نے دہائی دی تو مسز اشمل نے انہیں گھور کر دیکھا وہ خاموش ہو گئے۔

رقیہ، آمنہ، رفعت، سبکتگین کے ملنے جلنے والوں سے مرعوب سی دکھائی دے رہی تھیں گھر بھی اتنا زبردست اور ریکسوں والا تھا ان کا خیال تھا کہ وہ رشوتیں لیتا ہے ورنہ ایک ڈی ایس پی کی تنخواہ ہوتی ہی کتنی ہے جو وہ اتنی سی عمر میں ایسا عالیشان گھر بھی بنا لے بہرحال وہ رباب کی تباہی کی

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

منتظر تھیں اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی انہیں چین نہیں آیا تھا۔ سجل رباب کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ وہاں سناٹے کے سوا کچھ نہیں تھا شاہانہ جوڑے اور قیمتی جیولری پہننے کے باوجود وہ سوگوار لگ رہی تھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے شہزادی کے جسم کی کچھ سوئیاں ابھی نہیں نکلی ہیں پھر اس نے سبکتگین کے چہرے کو کھوجا جو دوستوں کے گھیرے میں قہقہے بکھیر رہا تھا وہاں ایک آسودگی کا خمار تھا جیت کا نشہ تھا۔

''رباب بیوقوف بھی تو بہت ہے۔'' اس نے دل کو تسلی دی تھی۔

جب سب کھانے کے لیے چلے گئے تو تب وہ اس کے قریب آئی رباب کی نگاہ اپنی ہتھیلی پہ لگی مہندی کے نقش و نگار میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ کل سے بڑھ کر حسین لگ رہی تھی مگر اس کے حسن میں پراسراریت اور سوگواریت رچی ہوئی تھی۔

''رباب کیسا فیل کر رہی ہو۔'' اس نے چاہت سے اس کے ہاتھ تھامے۔

''میرے پاس محسوس کرنے والی حس ہوگی تو محسوس کروں گی ناں۔'' اس نے عجیب سا جواب دیا اتنے میں اس کی دوسری کزنز بھی قریب آ گئی تھیں۔

''رباب دکھاؤ تو ذرا رونمائی میں کیا ملا ہے۔'' موسو اور عریشہ اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

''مجھے وہ ملا ہے جو کم از کم آپ کو نہیں ملا ہوگا۔'' اس کے لہجے کی کاٹ بہت شدید تھی۔

''رسی جل گئی بل نہیں گیا۔'' موسو طنزیہ لہجے میں بولی تو سجل کسی نئی لڑائی کے خیال سے گھبرا گئی۔

''پلیز موسو مہمانوں اور موقع کی نزاکت کا ہی دھیان کر لیں۔'' وہ ملتجی انداز میں بولی کیونکہ سبکتگین ادھر ہی آ رہا تھا شاید سلجوق اس کی انگلی تھامے ہوئے تھا وہ پھر کمرے کی طرف مڑ گیا تھا۔

سب مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ سبکتگین اکیلا کھڑا تھا سجل اس کے قریب چلی آئی۔

''بھائی جان رباب بہت حساس ہے اس کا خیال رکھئے گا کہ کہیں اسے کوئی ٹھیس نہ لگ جائے امی جب زندہ تھیں تو کبھی اسے سخت لہجے میں ڈانٹا تک نہیں، میں آپ سے بھی یہی توقع رکھوں گی۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ یقین تھا۔

''اچھا اندر تو چلیں سجل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے موضوع بدل دیا اور اسے رباب کے پاس لے گیا جو بیٹھی چوڑیاں اتار رہی تھی۔

''اونہوں ابھی نہیں۔'' اس نے بہن کو روکا۔

سبکتگین بھی ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا نگی کچن میں چائے بنا رہی تھی سبکتگین نے ہی اسے کہا تھا۔

''رباب ہم نے تمہارے لیے جو راستہ چنا ہے اسے کہکشاں بنانا تمہاری ذمہ داری ہے کسی کی باتوں میں مت آنا سبکتگین بھائی بہت اچھے ہیں اور بھائی جان ہمارے اس طوطے کا بہت زیادہ خیال رکھئے گا۔'' وہ ماحول پہ چھائی سنجیدگی قصداً توڑتے ہوئے رباب کا پیار کا نام ظاہر کر گئی جس پہ اسے بہت غصہ آیا کہ بھلا کیا ضرورت تھی اسے یہ نام بتانے کی۔

''جیسے آپ کا حکم ویسے بھی مجھے علم ہے کہ آبگینے ٹھیس لگنے سے ٹوٹ جاتے ہیں۔''

سجل نے تشکر سے اسے دیکھا۔

''لو بھئی اپنی امانت اس نے تو جان عذاب میں کر رکھی تھی۔'' سلوط نے چار ساڑھے چار ماہ کا ایک خوبصورت اور صحت مند سا بچہ اس کی گود میں ڈالا۔

''دولہن آپی یہ ہانی ہے میرا بھائی پیارا ہے ناں۔'' سلجوق نے پوچھا سلوط اور نگی اس کے دولہن آپی کہے جانے پہ جز بزسی ہو گئیں۔

''نہیں آنٹی انکل کہتے ہیں یہ ماما نہیں آپی ہیں تمہاری۔'' سلجوق نے اپنی دانست میں بڑے پتے کی بات کہی۔

''لو کب کہا اس نے تمہیں ایسا۔'' نگی کے ماتھے پر بل پڑ گئے تھے۔

''آج صبح کہا تھا۔'' سلجوق نے بتایا تو رباب اس کی سنگدلی پر تاؤ کھا کر رہ گئی لو بھلا معصوم بچے کو یہ حقیقت بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ وہ اس کی ماں نہیں ہے سلجوق کا پاپا انکل کہنے کا بھی انداز خوب تھا سب ٹوکتے تھے پر وہ باز نہیں آتا تھا وہ چٹکلے چھوڑتا کہ وہ حیران رہ جاتیں۔

سب چلے گئے تھے رباب نے کپڑے نہیں بدلے تھے ہانی زور زور سے چلا رہا تھا اور انگوٹھا منہ میں ڈالے چوس رہا تھا یقیناً اسے بھوک لگی ہوئی تھی، اسے بستر پہ لٹا کر سلجوق کو اس کا خیال رکھنے کی ہدایت کر کے وہ بھاگم بھاگ کچن میں آئی سیریلک کا ڈبہ سامنے کاؤنٹر پہ پڑا ہوا تھا ہانی کی چیخیں اور بھی بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ اس نے بوکھلاہٹ میں فریج سے دودھ نکالا اور سارا جگ پیالے میں الٹ دیا۔ پیالہ بھر جانے کے بعد دودھ باہر نکل کر گرنے لگا پر اس وقت اسے ہوش نہیں تھا۔ اس نے ایک اور پیالہ نکال کر اس میں سیریلک کے چار چمچے ڈالے اور دودھ مکس کرنے لگی۔ جب وہ واپس کمرے میں آ رہی تھی تو شرارے میں الجھ کر گرتے گرتے بچی دوپٹہ تن سے چھڑا کر اس نے وہیں باہر ہی پھینک دیا۔ ہانی بے تابی سے ہاتھ پاؤں پٹخ رہا تھا۔

''دولہن آپی بھائی کا فیڈر بیگ میں پڑا ہوا ہے آنٹی دے کر گئی تھیں۔'' سلجوق نے شولڈر بیگ سے اسے ہانی کا فیڈر نکال کر دکھایا۔

وہ آدھا کھا رہا تھا اور آدھا اس کے کپڑوں پر گرا رہا تھا۔ سبکتگین یہ منظر دیکھ کر اندر آ گیا۔ ہانی کھا کر پرسکون ہو چکا تھا اور وہیں اس کی آغوش میں لڑھک گیا تھا۔ وہ بھی صوفے پر آرام دہ اسٹائل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہانی کو اس کی نرم نرم آغوش میں اور اسے ہانی کے معصوم وجود میں پناہ مل گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی سو رہی تھی۔ سلجوق سبکتگین کی گود میں بیٹھا اس کے کان کھا رہا تھا۔

''آؤ یار ہم بھی سوتے ہیں۔'' وہ اٹھا تو اس نے روک لیا۔

''اتنی جلدی۔'' وہ ٹھنکا۔

''میں رات سے جاگ رہا ہوں صبح سے مہمانوں کے ساتھ لگا ہوا ہوں، ابھی بھی جلدی ہے۔'' وہ سلجوق کو سمجھاتے ہوئے بولا تو اس نے فوراً سر ہلایا جیسے اس کی سمجھ میں آ گئی ہو۔

دوسرے دن بھی سبکتگین گھر پر تھا۔ تینوں وقت کا ناشتہ کھانا سلوط کی طرف سے آیا تھا وہ کھانا کھا کر برتن کچن میں چھوڑ کر آئی۔ سلجوق اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ اس کے ساتھ ہی کمرے تک آئی۔ سلجوق تو باپ کے پاس ہی سوتا تھا۔ ہانی کا کمرہ الگ تھا۔ اس کے کمرے میں ایک بے بی کاٹ کے علاوہ جہازی سائز ڈبل بیڈ بھی بچھا ہوا تھا۔

"سلجوق کس کے پاس سوئے گے؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کے پاس۔" وہ بلا تامل بولا۔ رباب نے بے بی کاٹ میں سوئے ہانی کو اٹھا کر بیڈ پر لٹایا اور پائنتی پر پڑا کمبل کھول کر اسے اوڑھایا۔ سلجوق کے کپڑے بدلوانے کے بعد وہ خود بھی ہاتھ منہ دھونے واش روم میں گھس گئی۔ تولیے سے منہ خشک کرتی وہ باہر نکلی تو ٹھٹک گئی۔ سبکتگین بیڈ پر جھکا سوئے ہوئے ہانی کو پیار کر رہا تھا۔

"پپا انکل ہم تو دولہن آپی کے پاس سوئیں گے آپ کہاں سوئیں گے؟" سلجوق نے اسے یوں اطلاع دی جیسے کہہ رہا ہو کہ اب آپ کیا کریں گے؟

وہ باہر نکل گئی چند منٹ بعد واپس آئی کہ شاید وہ جا چکا ہو مگر وہ تو وہیں تھا اتنے میں فون کی بیل بجنے لگی تو وہ اٹھ کر سننے چلا گیا۔ رباب نے دروازہ بند کیا اور کمبل میں گھس گئی......

صبح اس کی آنکھ ہانی کے رونے سے کھلی وہ اسے ساتھ اٹھائے کچن میں آ گئی جہاں سبکتگین پہلے سے ہی موجود تھا۔ وہ ٹیبل پر بیٹھا چائے پی رہا تھا اسے نظر انداز کرتے ہوئے رباب نے فریج سے دودھ نکالا۔ اب چولہا جلانا مسئلہ تھا کیونکہ ہانی اس سے الگ ہونے کے لیے تیار نہیں تھا وہ ماچس ڈھونڈ رہی تھی کہ ہانی مچلنے لگا۔ وہ باپ کے پاس جانے کی ضد کر رہا تھا سبکتگین نے اسے لے لیا تو رباب نے ہانی کے لیے دودھ گرم کیا اس کا فیڈر دھویا۔ دودھ ٹھنڈا کر کے بوتل میں بھرا۔

"اسے مجھے دے دیں۔" وہ نگاہیں جھکائے اس کے قریب آ گئی۔

"اس میں اتنا ہچکنے کی کیا ضرورت ہے۔" سبکتگین نے ہانی کو اس کے بازوؤں میں دینا چاہا پر وہ شاید شرارت کے موڈ میں تھا باپ کے سینے میں منہ چھپانے لگا۔

"ہانی یہ دیکھو۔" رباب نے اسے فیڈر دکھایا تو وہ رام ہو گیا۔ وہ اسے لے کر اندر آ گئی۔ دودھ پی کر وہ پھر سو گیا۔ اتنے میں سلجوق بھی اٹھ گیا۔ وہ اس کے ساتھ دوبارہ کچن میں آ گئی اور چائے کا پانی رکھ کر آملیٹ بنانے لگی۔ جب تک چائے تیار ہوتی اس نے سلائس بھی سینک لئے۔

"دولہن آپی میں پراٹھا کھاؤں گا۔" سلجوق نے فرمائش کر دی اتنے میں سبکتگین بھی چلا آیا۔ نہایا دھویا خوشبوؤں اور آفٹر شیو لوشن کی تازگی میں بسا وہ کرسی گھسیٹ کر سلجوق کے برابر بیٹھ گیا رباب نے جیسے تیسے اس کی فرمائش پوری کی کیونکہ اسے پراٹھا زیادہ اچھا بنانا نہیں آتا تھا۔ گرم گرم چائے کا تھرماس رکھ کر جانے لگی تو سلجوق نے ننھے ننھے ہاتھوں سے اس کا آنچل تھام لیا۔

"دولہن آپی آپ بھی میرے ساتھ ناشتہ کریں ناں۔" اس کی معصوم سی فرمائش وہ رد نہ کر سکی۔

دل مضبوط کرتی وہ ٹک گی۔ جب وہ برتن سمیٹ کر نکل رہی تھی تو وہ تیار تھا۔ ڈیوٹی پر جانے کے لیے سلجوق گاڑی تک اس کے ساتھ آیا سبکتگین اسے پیار کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا وہ اندر چلی گئی۔ ادھر وہ نکلا ادھر سلوط آ گئی وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ رباب کو الجھن سی ہونے لگی۔

"ناشتہ کر لیا ہے۔" اس نے سوال کیا تو رباب نے اثبات میں سر ہلایا پھر وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔

''بھائی کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ، ویسے خوش فہمی میں مت رہنا پہلی بیوی کو تو اس نے ترسا ترسا کر مارا ہے۔'' وہ سرگوشی میں بولی تو رباب عجیب سا محسوس کرنے لگی۔

گھر صاف کر کے اس نے سلجوق اور ہانی کے کپڑے بدلے پھر دوپہر کے لیے کھانا بنانے لگی وہ اب خود فارغ ہو کر بالوں میں برش کر رہی تھی کاموں میں ایسی مگن تھی کہ کنگھی کرنے کا ٹائم ہی نہیں ملا۔

فون کی بیل مسلسل بج رہی تھی اس نے سلجوق کو اٹھانے کا اشارہ کیا۔

''پپا انکل ہیں آپ کو بلا رہے ہیں۔''

''کہہ دو میں نہیں ہوں۔'' سلجوق نے جوں کا توں کہہ دیا کہ وہ کہہ رہی ہیں میں نہیں ہوں۔ سبکتگین تپ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''ڈارلنگ یہ تمہاری نئی ممی ہیں'' پپا نے پیار سے اس کے رخسار چھو کر اپنے ساتھ کھڑی ایک پیاری سی عورت کا تعارف کرایا تو سبکتگین نے سر اوپر اٹھایا۔

''پپا میری ممی اللہ کے پاس چلی گئی ہیں اور جو اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے، آپ نے خود مجھے بتایا تھا۔'' وہ ناراضگی سے بولا تو انصر، فرزا کو دیکھ کر رہ گئے۔

''بیٹا یہ نئی ممی ہیں پرانی والی اللہ کے پاس ہیں یہ اب ہمارے ساتھ رہیں گی کیوں فرزا اب تم ہمارے ساتھ رہو گی ناں۔'' انہوں نے تائید چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''مگر میں ان کے ساتھ نہیں رہوں گا یہ گھر میرا آپ کا اور پرانی ممی کا ہے۔'' سبکتگین نے یکا یک بغاوت کر دی یوں اول روز سے ہی فرزا اور چار سالہ سبکتگین میں ٹھن گئی۔

انصر شبانہ کی وفات کے چار ماہ بعد ہی فرزا سے شادی رچا بیٹھے تھے جس کا شبانہ کے ماں باپ کو بے حد قلق تھا اس کے بیرون ملک مقیم بہن بھائیوں نے بھی ناراضگی کا اظہار کیا تھا کہ ابھی تو آپی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے۔ فرزا انصر کی پرسنل سیکرٹری تھی شبانہ کی موت کے بعد اس نے اپنے باس کے زخمی دل پر اپنی محبت کا مرہم رکھا بہت جلد انصر بیوی کی موت کا غم بھول گئے اور فرزا کی ہوشربا اداؤں کا شکار ہو کر اس سے شادی کا وعدہ کر بیٹھے حالانکہ شبانہ سے انہوں نے لو میرج کی تھی جو محبت دوسرے فریق کی جسمانی خوبیوں سے کی جاتی ہے وہ اسی طرح گرد راہ ہو جاتی ہے جیسے کہ انصر نے کیا تھا۔ شبانہ کی وفائیں اور محبتیں اس کے حسن کا جادو اس کے مرتے ہی بیکار ہو گیا تھا۔ وہ فرزا کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے جس کا انجام شادی پر مکمل ہوا۔ انصر اور فرزا ڈنر پر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ فرزا تیار ہو کر باہر لاؤنج میں آئی تو سبکتگین ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ فرزا کے گلے میں چمکتے ہیروں کے نیکلس پر اس کی نظر پڑی جو اس کی ممی کا تھا بس پھر کیا تھا وہ دوڑ کر فرزا سے لپٹ گیا اور نیکلس اس کی گردن سے نوچ کر الگ کر ڈالا۔

''یہ میری ممی کا تھا کیوں پہنا آپ نے۔'' وہ سختی سے اسے دبوچے ہوئے تھا اپنے ہم عمر بچوں کی نسبت وہ کافی طاقتور تھا غیر معمولی طور پر

صحت مند اور خوبصورت سے سبکتگین سے فرزا خار کھانے لگی تھی اس وقت بھی زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ انصر تائی کی ناٹ لگاتے لگاتے بھاگے آئے۔

''اس نے مجھے مارا ہے میرا گلا دبایا ہے۔'' وہ آنسو بھری نگاہوں سے اس کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ انصر نے زوردار تھپڑ اسے رسید کیا وہ صوفے پر جا گرا۔

''یہ تمہاری ممی ہیں عزت کروان کی۔''

وہ قہر بھری نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے پھر انہوں نے محبت سے فرزا کی کمر میں بازو ڈالا اور اندر لے گئے۔ آدھے گھنٹے بعد فرزا اور انصر دوبارہ ہنستے مسکراتے برآمد ہوئے فرزا کے گلے میں وہی نیکلس تھا۔ سبکتگین روتے روتے وہیں سو گیا تھا۔

☆☆☆

سلجوق اسے زبردستی سبکتگین کے کمرے میں لے آیا تھا پھر انہوں نے مصنوعی لڑائی لڑی چھلانگیں لگائیں اور وہیں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگے۔ ہانی بھی ان کی حرکتوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ بار بار فضا میں ٹانگیں چلاتا اور قلقل کر کے ہنستا۔ سبکتگین کے آنے کی انہیں خبر ہی نہیں ہوئی وہ تینوں مزے سے اس کے بیڈ پر بیٹھے تھے۔ رباب کی گود میں ہانی تھا دوسری طرف سلجوق تھا۔ اس نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر کا جائزہ لیا وہ کارٹونز میں مگن تھے وہ باہر آ گیا۔ فریش ہو کر یونیفارم سے جان چھڑائی اور دوبارہ اپنے بیڈ روم میں آیا۔ دروازہ بند کر کے وہ ان تینوں کی طرف بڑھا۔ سلجوق نگاہ ڈال کر دوبارہ کارٹون دیکھنے لگا۔ ہانی صاحب بھی بے نیاز بنے رہے اور جوان دونوں کی درمیان تھی وہ تو تھی ہی بے نیاز، سبکتگین تکیہ لے کر ان کے پیچھے دراز ہو گیا۔ رباب کا ننھا سا دل دھک دھک کرنے لگا۔

''سلجوق تم اپنے پپا کے پاس جاؤ میں ابھی آتی ہوں۔'' اس نے بازو کے ساتھ لگے سلجوق سے سرگوشی کی۔

''نہیں۔'' سلجوق نے پیچھے سے آ کر دونوں بازو اس کی گردن میں ڈال دیے۔ وہ پیچھے کی طرف الٹتے الٹتے بچی یہ شکر تھا کہ ہانی بیڈ پر تھا۔ اس کا دوپٹہ سبکتگین کے اوپر جا گرا تھا اس کا دل گھبرانے لگا اس نے سبکتگین کے اوپر سے اپنا دوپٹہ اٹھانا چاہا تو اس نے رباب کا ہاتھ تھام لیا۔

''فون کیوں نہیں ریسیو کیا تھا'' وہ رعب سے بولا۔ رباب کا ہاتھ اس کی گرفت میں پسینے سے بھیگ گیا۔

''جواب دو۔'' اس کا ہاتھ رباب کی کلائی میں جیسے پیوست ہوا جا رہا تھا۔ ''بولتی کیوں نہیں ہو۔'' اس نے جھٹکا دیا تو وہ اس پہ جھک سی گئی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی سلجوق اور ہانی ٹی وی میں مگن تھے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بہت بے باک شخص ہے تھانے میں بھی لکی کے ساتھ اس کا رویہ رباب کو یاد تھا۔

☆☆☆

شادی کے دو ماہ بعد فرزا اپنی ممی اور پھوپھو کو بھی لے آئی بقول اس کے میرے علاوہ ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ سبکتگین کے عین سامنے والا کمرہ انہیں دے دیا گیا دوسرا کمرہ اس کی پھوپھو کے بیٹے اور تیسرا ان کی بیٹی کا تھا۔ اسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں تھے فرزا کی ممی بلند آواز میں بولتیں تو اسے یوں لگتا جیسے کوئی جادوگرنی چنگھاڑ رہی ہے اس کی پھوپھو کا بیٹا اور بیٹی بھی اسے پسند نہیں تھے۔ حسن چودہ سال کا بڑی مضبوط کاٹھی والا

لڑکا تھا ہمہ وقت اونچی آواز میں ڈیک سنتا رہتا پھر اس کی بہن تھی وہ سبکتگین سے تین سال بڑی تھی جو اس کی سپورٹس سائیکل لان میں دوڑاتی رہتی۔ پپا بھی ان کے حمایتی ہو گئے تھے وہ اندر ہی اندر گھٹتا جا رہا تھا......

فرزا کی ممی اور پھوپھو پپا کی غیر موجودگی میں اسے کینہ توز نظروں سے گھورا کرتیں جاہلوں کی طرح ''منحوس لڑکے'' کہہ کر بلاتیں وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا حسن بھی اپنے اکثر کام اسی سے کرواتا وہ سگریٹ بھی پیتا تھا اس نے اکثر دیکھا کہ نئی ممی فرزا پپا سے چھپ کر اسے پیسے دیتیں پھر وہ اسی کے سکول میں داخل ہو گیا تھا پپا اسے اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے نیا یونیفارم بھی دلایا تھا۔ سبکتگین کو ان سے بہت شکایات تھیں وہ پہلے کی طرح اس کے ساتھ باہر نہیں جاتے تھے نہ اسے آئس کریم کھلاتے نہ رات کو اپنے پاس سلاتے......

☆☆☆

کاغذی قیامت

ہماری دنیا میں ایک ایسا کاغذ بھی موجود ہے جس کے گرد اس وقت پوری دنیا گھوم رہی ہے۔ اس کاغذ نے پوری دنیا کو پاگل بنا رکھا ہے۔ دیوانہ کر رکھا ہے۔ اس کاغذ کے لئے قتل ہوتے ہیں۔ عزتیں نیلام ہوتی ہیں۔ معصوم بچے دودھ کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔ اور یہ کاغذ ہے کرنسی نوٹ...... یہ ایسا کاغذ ہے جس پر حکومت کے اعتماد کی مہر لگی ہے۔ لیکن اگر یہ اعتماد ختم ہو جائے یا کر دیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کاغذ کی اہمیت یکلخت ختم ہو جائیگی اور یقین کیجئے پھر کاغذی قیامت برپا ہو جائے گی۔ جی ہاں! کاغذی قیامت......

اور اس بار مجرموں نے اس اعتماد کو ختم کرنے کا مشن اپنا لیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کاغذی قیامت پوری دنیا پر برپا ہو گئی۔ اس قیامت نے کیا کیا رخ اختیار کیا۔ پوری دنیا کی حکومتوں اور افراد کا کیا حشر ہوا؟ اسے روکنے کے لئے کیا کیا حربے اختیار کیے گئے۔ کیا مجرم اپنے اس خوفناک مشن میں کامیاب ہو گئے...... یا......؟

اس کہانی کی ہر ہر سطر میں خوفناک ایکشن اور اس کے لفظ لفظ میں اعصاب شکن سسپنس موجود ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جو یقیناً اس سے پہلے صفحہ قرطاس پر نہیں ابھری۔ اس کہانی کا پلاٹ اس قدر منفرد ہے کہ پہلے دنیا بھر کے جاسوسی ادب میں کہیں نظر نہیں آیا۔ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس نے اس کہانی میں کیا کردار ادا کیا ہے جہاں دنیا بھر کی حکومتیں اور سیکرٹ سروسز خوف و دہشت سے کانپ رہی ہوں جہاں موت کے بھیانک جبڑوں نے دنیا میں بسنے والے ہر فرد کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہو وہاں عمران اور سیکرٹ سروس کے جیالوں نے کیا رنگ دکھائے۔ یہ عمران کی زندگی کا وہ لافانی اور ناقابل فراموش کارنامہ ہے کہ جس پر آج بھی عمران کو فخر ہے اور کیوں نہ ہو، یہ کارنامہ ہے ہی ایسا......

کاغذی قیامت کتاب گھر کے **جاسوسی ناول سیکشن** میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''رباب، ہانی اور سلجوق کو سلا کر میرے بیڈروم میں آنا'' وہ دروازے سے کھڑے کھڑے پلٹ گیا تھا اس کے لہجے میں مخصوص بلاوا بھی نہیں تھا پھر اس نے کیوں اسے بلایا تھا۔ سلجوق تو جلدی سو گیا تھا۔ ہانی دیر سے سویا۔ وہ اپنی ہی سوچوں سے بچتی من من بھر کے قدم اٹھاتی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ نائٹ لب جل رہا تھا۔ سبکتگین تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ کمبل اسی طرح تہ شدہ پائنتی کی طرف پڑا ہوا تھا اور اس سخت سردی کے عالم میں بھی وہ ہلکی سی شرٹ پہنے ہوئے تھا جس کے اگلے تمام بٹن کھلے ہوئے تھے۔ رباب کو اسے اس حلیے میں دیکھ کر شرم سی آ گئی حالانکہ وہ اس کا شوہر تھا وہ دروازے کے پاس رک سی گئی تھی جانے وہ سو رہا تھا یا جاگ رہا تھا۔

''آؤ ناں رک کیوں گئی ہو۔'' اس کی آواز ابھری تو اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئیں حالانکہ اس کے لہجے میں ''پیغام'' نہیں تھا۔

سبکتگین اس کی ہچکچاہٹ بھانپ گیا۔ ٹیوب لائٹ آن کر کے اٹھ کر بیٹھ گیا ایک دم دعوت نظارا دیتے ماحول کا طلسم ٹوٹ گیا وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔

''رباب میں تمہاری پسند کی موووی لایا ہوں۔'' وہ بولا تو رباب کو حیرت سی ہوئی کیونکہ وہ فلمیں تو کیا ڈرامے بھی نہیں دیکھتی تھی۔ پپا کی موت کے بعد انہیں اوپر شفٹ ہونا پڑ گیا تھا نیچے ہر کمرے میں ٹی وی اور وی سی آر تھا وہ سب کے سب نیچے ہی رہے وہ اگر کبھی کارٹون دیکھنے نیچے چلی جاتی تو تائی رقیہ کی زہریلی باتیں سن کر فوراً واپس آ جاتی پھر رفتہ رفتہ اسے ٹی وی یا فلم دیکھنے کا شوق ہی نہیں رہا حالانکہ ریحان بھائی کاشان جو اس کے کچھ ہی سال چھوٹا تھا بہت کہتا کہ:

''آؤ میں ٹام اینڈ جیری کے بالکل نئے کارٹون لایا ہوں دیکھتے ہیں۔'' اس کے کمرے میں بھی الگ ٹی وی تھا وہ انکار کر دیتی۔ امی کہتیں کہ ٹی وی کوئی دین ایمان تو نہیں ہے کہ دیکھنا لازمی ہی ٹھہرے پھر اس نے ٹی وی دیکھنا چھوڑ ہی دیا۔ سکول و کالج میں لڑکیاں نئے نئے ڈراموں اور فلموں کے بارے میں باتیں کرتیں تو وہ بیزاری سے وہاں سے اٹھ آتی تھی اور آج یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہاری پسندیدہ فلم لایا ہوں ریموٹ کنٹرول سبکتگین کے ہاتھ میں تھا ٹی وی اور وی سی آر دونوں آن تھے شاید وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''رباب ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو۔'' اس کے لہجے کی گھمبیرتا سے اس کا دل دھڑک اٹھا۔ وہ خواب کے سے عالم میں جیسے پل صراط پر چلتی اس کے پاس پہنچی تھی ٹیوب لائٹ دوبارہ بند کر کے نائٹ بلب جلا دیا گیا۔ کمرے میں وہی فسوں خیز سا مدھم مدھم اندھیرا پھیل گیا۔

''ڈر کیوں رہی ہو'' وہ اس کے پسینے میں بھیگے چہرے کو دیکھ کر دلکش سے انداز میں مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بھی دل موہ لینے والی تھی جاندار اور مقابل پر جادو کر دینے والی، مسکراتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں کے بھرپور تاثر سے بھی کام لینا جانتا تھا۔

''یہاں آؤ'' اس نے رباب کو قریب آنے کا اشارہ کیا وہ جوتے اتار کر دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتی اوپر بیٹھ گئی۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں۔'' اس نے رباب کے چھوٹے چھوٹے گداز ہاتھ تھام لیے تھے اب وہ اس کے بہت قریب تھا۔

''کسی سے پھر ملاقات ہوئی'' وہ دھیرے دھیرے اس کے ہاتھ کو تھپک رہا تھا وہ سن ہو گئی۔

''نہیں''اس نے بمشکل تھوک نگلا۔

''ویسے وہ بڑی خوبصورت لڑکی ہے پر تم سے زیادہ نہیں۔''وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''میں پاگل ہو رہا ہوں رباب''وہ جذبات سے چور لہجے میں بولا۔وہ اس کی پر جوش گرفت سے اپنا آپ آزاد کرانا چاہتی تھی مگر اس کی کوشش ناکام ہوئی جا رہی تھی وہ قریب آتا جا رہا تھا اب وہ اس کی پرتپش سانسوں کی مہک اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

''کیا لکی اب بھی افشاں اور خمار سے ملتی ہے یا وہ آتی ہے تمہارے گھر''سبکتگین نے اس کا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم میں اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی تھی گزشتہ چار ماہ سے۔''رباب نے حاضر دماغی سے کام لیا۔

''کیا افشاں اور خمار اس کے بعد بھی یونیورسٹی سے لیٹ آتی تھیں۔''اس نے رباب کا ہاتھ ہونٹوں پر رکھ لیا اسے یوں محسوس ہوا جیسے دو انگارے اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھ دیے گئے ہوں۔

اب وہ اس کے گال اور ہونٹوں پر اپنی انگلیاں پھیر رہا تھا۔

''رباب میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اس دن سے جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا،تمہارے ساتھ میں نے جو کچھ کیا وہ سب غلط فہمی کا نتیجہ تھا مگر آج میں تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر دوں گا۔''اس کا لہجہ اور بھی بھاری ہو گیا تھا۔رباب کی چھٹی حس بار بار اسے کوئی عجیب سا احساس دلا رہی تھی۔

''میری قربت سے خوفزدہ ہو،ہے ناں یہی بات۔''وہ تائید چاہ رہا تھا اس سے کوئی جواب ہی نہیں دیا گیا۔

''رباب اس روز تم خود گئی تھیں لکی کے گھر یا تمہیں افشاں اور خمار لے کر گئی تھیں۔''رباب نے ایک سسکی لی۔

''میں یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر نیچے آئی تو وہ میک اپ کیے بڑے اہتمام سے کھڑی تھیں پھر انہوں نے راستے میں گاڑی لکی کے گھر کی طرف موڑ لی وہاں لکی نے ہمیں زبردستی روک لیا اور یونیورسٹی فون کیا تو معلوم ہوا کہ یونیورسٹی تو ہنگامے کی وجہ سے بند ہے پھر اس نے کہا کہ میں تمہیں لنچ کے بغیر نہیں جانے دوں گی۔''اس کے آنسو بہنے کے لیے بے تاب ہو گئے تھے اس کی زندگی کا بدصورت ترین باب اس کے دل کو آبلہ سا بنا گیا،سبکتگین نے نرمی سے اس کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

''چلو آؤ یہ فلم دیکھتے ہی تمہاری طبیعت بہل جائے گی۔''اس کا موڈ تبدیل ہو گیا اس نے ریموٹ کنٹرول کا بٹن دبا دیا تاریک اسکرین روشن ہو گئی وہی شیطانی منظر سامنے تھا رباب نے اٹھ کر بھاگنا چاہا مگر سبکتگین نے اسے اپنے فولادی بازوؤں میں بے رحمی سے جکڑ لیا۔

''اپنی فرینڈز کے ساتھ تو فلم دیکھ لی میرے سامنے کیوں گھبرا رہی ہو۔میں تمہاری جان تو نہیں لے لوں گا۔''وہ غرایا۔

''بے شک آپ میری جان لے لیں مگر میں یہ فلم نہیں دیکھوں گی نہ دیکھی ہے خدارا اسے بند کر دیں۔''وہ آنکھیں بند کیے اذیت سے بولی۔اسی لمحے ہانی کی آواز آئی وہ زور زور سے رو رہا تھا وہ اس کے گھیرے سے بھاگ آئی۔اپنے کمرے میں آ کر دروازے کا بولٹ چڑھا کر وہ لمبے لمبے سانس لیتی رہی۔

''میرے معصوم مددگار''وہ ہانی کو گود میں لے کر رونے لگی۔اسے روتا دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا تھا۔

سبکتگین نے اٹھ کر وی سی آر بند کر دیا۔ کیسٹ نکال کر اس نے احتیاط سے ایک موٹے خاکی لفافے میں رکھی اور گوند سے اس کا منہ بند کر دیا پھر اس نے لفافے کے اوپر کچھ لکھا اور الماری میں رکھ دیا وہ دوبارہ بستر پر آ گیا۔ اس کی سوچتی نگاہیں غیر مرئی نقطے پر جم گئی تھیں۔

☆☆☆

پپا آج کل نئی مما کی بہت زیادہ دیکھ بھال کر رہے تھے جب بھی دیکھو کبھی جوس نکال کر پلا رہے ہیں کبھی پھل کھلا رہے ہیں کبھی طاقتور ٹانک لا رہے ہیں پھر ایک دن یہ عقدہ بھی کھل گیا جب نئی ممی ہاسپٹل سے واپسی پر ایک چھوٹی سی گڑیا لے کر آئیں وہ گڑیا جیسی ہی تھی سفید چینی ایسی رنگت سنہرے بال اور پتلے پتلے ہونٹ مگر سبکتگین کو وہ گڑیا اچھی نہیں لگتی تھی۔ اگلے سال ایک اور گڑیا آ گئی وہ دونوں جب مل کر روتیں تو اس کا جی چاہتا کہ ان کے گلے دبا دے وہ اکثر انہیں نظر بچا کر مار بھی دیتا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سات برس گزر گئے تھے پپا کی حالت خاصی خراب رہنے لگی تھی انہیں ایک بار ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا تھا سبکتگین کی نفرت کا وہی عالم تھا وہ دونوں بہنوں کو بہانے بہانے سے پیٹتا اس کا ہاتھ بھی اچھا خاصا بھاری تھا بڑے زور کا لگتا تھا وہ بھی اونچی اونچی آواز میں چلاتیں تو اسے بڑا سکون ملتا دل میں ٹھنڈی سی پڑ جاتی۔ فرزا پھر اسے خوب کوستی مگر اسے پروا نہیں تھی ان چڑیلوں نے اس کے پپا پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہیں اس کی طرف دیکھنے نہیں دیتی تھیں۔

☆☆☆

وہ ہانی اور سلجوق کے ساتھ چہلیں کرتے ہوئے یوں مگن تھا کہ جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا اس بے اعتباری نے رباب کو افسردہ کر دیا تھا۔ آخر تھا ناں پولیس والا اس سے سچ اگلوانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا کل تک وہ یہ ہی سمجھتی آئی تھی کہ صرف عورتیں ہی مردوں کے ہوش اڑا سکتی ہیں رات سے اس کی سوچ بدل گئی تھی مرد بھی عورت کے ہوش اڑا سکتا ہے اور مرد بھی سبکتگین جیسا مکمل اور شاندار جس کی مٹھی میں سمانے کو دل چاہے ایسا شاندار اور وجیہہ مرد کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے اور اس میں دونوں خوبیاں موجود تھیں جو کسی بھی عورت کو متاثر کر سکتی ہیں رباب کی دنیا کیونس اتنا وسیع نہیں تھا اس کا واسطہ چند مردوں سے ہی پڑا تھا سبکتگین جیسے مرد سے وہ کہاں واقف تھی اس کی بدقسمتی اسے اس کے گھر میں لے آئی تھی۔

☆☆☆

سبکتگین میٹرک کے امتحانات کے بعد فارغ تھا۔ حسن پپا کے ساتھ باقاعدگی سے آفس جاتا تھا۔ سلوط سکس کلاس میں آ گئی تھی نگی اس سے ایک کلاس جونیئر تھی ان کی پھوپھو کی بیٹی نازاں کالج میں زیر تعلیم تھی۔ سبکتگین باقاعدگی سے جم جاتا تھا شام وہ کلب میں اپنے دوست کے ساتھ ٹینس کھیلنے چلا جاتا تھا۔ اسے اپنی صحت اور فٹنس کا بڑا دھیان تھا خاندان کے دوسرے لڑکوں کے برعکس اس نے قد کاٹھ بھی خوب نکالا تھا۔

وہ لان میں بیٹھا ایک دلچسپ کتاب پڑھ رہا تھا۔ دوسرے لڑکوں کی طرح وہ فارغ اوقات میں فلمیں دیکھنے کی بجائے کتابیں پڑھتا یا ایکسر سائز کرتا اس کے یہی دو شوق تھے افسوس گھر میں کسی اور کو ایسے شوق نہیں تھے۔ فرزا سلوط اور نگی اس سے زیادہ بات چیت نہیں کرتی تھیں حسن بھی الگ تھلگ رہتا تھا سبکتگین یہ صورتِ حال دیکھ کر کتابوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

آج کل وہ اور اس کے دوست عامر مسٹر پاکستان کمپٹیشن میں حصہ لینے کے لیے زبردست ایکسر سائز کر رہے تھے دونوں میں شرط لگی تھی کہ جو بھی ٹائٹل جیتے گا تمام فرینڈز کو زبردست سی ٹریٹ دے گا۔

☆☆☆

"رباب لگتا ہے تم تو ہمیں بھول گئی ہو۔" سجل اس کے گلے لگی خفگی سے کہہ رہی تھی وہ آج خود ہی شان کو لے کر آئی تھی کتنے روز سے اس نے رباب کی شکل نہیں دیکھی تھی نہ کوئی فون نہ کوئی پیغام دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر چلی آئی تھی چھٹی کا دن تھا سبکتگین گھر پر ہی تھا سجل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا قریبی مارکیٹ سے اسی وقت وہ اس کی خاطر مدارت کے لیے ڈھیروں چیزیں لے آیا تھا وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔شان رباب کے پاس چلا آیا جو کچن میں مصروف تھی اس کا یہ روپ شان کے لیے خاصا حیرت انگیز تھا۔کہاں وہ رباب جو چھلانگیں مارتی کشتیاں لڑتی گلی ڈنڈا کھیلتی سفید کرتا اور نیلی جینز پہنے خود کو لڑکا کہتی اور کہاں یہ رباب شلوار قمیص پہنے لمبی سی چٹیا باندھے سگھڑ لڑکیوں کی طرح امور خانہ داری میں مصروف تھی۔

وہ اسٹول گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔دادو اسے ہمیشہ کہتیں کہ رباب اچھی لڑکی نہیں ہے اس کے ساتھ مت کھیلا کرو شان ان کی ہدایات بھلائے رباب کے ساتھ ہی کھیلتا۔دوسروں کے لیے وہ بدتمیز سہی مگر اس کے لیے بہت پر خلوص تھی دونوں کی عمر میں تین سال کا فرق تھا مگر دوستی ہم عمروں والی تھی وہ اسے نام لے کر بلاتا تھا ابھی گزشتہ دنوں جو واقعہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے اس کے پورے گھر میں اس کی رباب کے ساتھ ہی تو دوستی تھی۔اس واقعے کے بعد وہ اپنے کمرے تک محدود ہو گئی تھی بارہا شان نے اس کا حال پوچھنا چاہا پر دادو کی ہمہ وقت نگرانی کے باعث ایسا نہ کر سکا۔اس نے اتنے خوبصورت گیٹ ویل سون کے کارڈز اسے دینے کے لیے خریدے مگر اس کی نوبت ہی نہ آسکی۔آج وہ تمام کارڈز سمیٹ کر لے آیا تھا اس کی شادی کی خبر سن کر اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا جب اسے دولہن بن کر رخصت ہوتے دیکھا تو اسے یقین کرنا ہی پڑا وہ تو دھڑلے سے کہتی تھی کہ میں رباب اسد ہوں اپنے پپا کا بیٹا کبھی شادی نہیں کروں گی۔

"کیا پکا رہی ہو۔" وہ پرانے انداز میں بولا۔

"چکن کڑاہی، کوفتے، سندھی بریانی، کباب، ٹرائفل اور چکن پلاؤ۔" اس نے ایک سانس میں بتایا تو وہ مسکرانے لگا۔

"لگتا ہے ستیاناس مار دو گی سارے کھانے کا۔" وہ جان کر بولا۔

"جی نہیں تم کھا کر دیکھنا انگلیاں چاٹ لو گے۔" وہ زعم سے بولی۔

"فہد چاچو نے تو تمہارے مزاج ہی بدل دیے ہیں۔" شان کو یہ جملہ کہہ کر احساس ہوا کہ اسے یہ نہیں کہنا چاہئے تھا کیونکہ رباب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا بعد میں اس نے موضوع ہی بدل دیا سلجوق بھی ان کے پاس آگیا تھا۔شان اسے اوٹ پٹانگ حرکتوں سے ہنسا رہا تھا۔رباب کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی تھی اور یہی تو وہ چاہتا تھا۔رباب ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا کر سجل اور سبکتگین کو بلا کر لے آئی۔

"ارے یہ کیا، اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" سجل اتنے ڈھیر سارے کھانوں کو دیکھ کر شرمندہ ہو گئی۔

"اسے تکلف نہیں مہمان نوازی کہتے ہیں۔" سبکتگین بولا اور اسے کھانا شروع کرنے کا اشارہ کیا ہر چیز واقعی بہت مزیدار تھی سجل کو توقع

نہیں تھی کہ رباب یہ سب کچھ بنا لے گی کیونکہ ان کے اپنے گھر میں تو ایسے کھانے نہیں پکتے تھے یا تائی اماں کا ان پر احسان کرنے کا جی چاہتا تو بچا ہوا دے دیتی تھیں۔ رباب تائی کے باورچی خانے میں اکثر و بیشتر اس کے پاس منڈلاتی رہتی تھی جب تک پپا زندہ تھے انہوں نے دنیا کی جو چیز چاہی پائی ان کی موت کے بعد سب قصے خواب و خیال ہو گئے تھے۔

''طوطے تم نے تو کمال کر دیا ہے۔'' بجل نے اسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔

''سبکتگین بھائی آپ یقین کریں کہ میں اسے باورچی خانے میں بہت کم گھسنے دیتی تھی میں چاہتی تھی کہ یہ اپنی پڑھائی پر ہی توجہ دے پھر بھی یہ ہمیں بڑا زچ کرتی تھی۔ اس کے باوجود امی نے اسے کبھی نہیں ڈانٹا۔ یہ پپا ممی سمیت میری بھی لاڈلی تھی۔'' بجل کے ذہن میں وہ خوبصورت سے دن گھومنے لگے۔ ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

''بلیوی یہ میری بھی لاڈلی ہے۔'' وہ برجستہ بولا تو رباب نے بے ساختہ سر اٹھایا وہ بجل کی طرف متوجہ تھا۔

''شان تم یہ کوفتے لو ناں۔'' وہ اچھے میزبان کی طرح پیش آ رہی تھی بجل کو بے پناہ طمانیت کا احساس ہوا۔ کھانے کے بعد سبکتگین اسے خود چھوڑنے آیا۔ تائی رقیہ نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ افشاں اور خمار اسے دیکھتے ہی ادھر ادھر ہو گئیں۔

''افشاں مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔'' خمار بولی۔

''اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔'' خمار نے اسے تسلی دی حالانکہ دل میں وہ خود بھی ڈر رہی تھی۔

''یوں لگتا ہے جیسے ایک روز اسے سب کچھ پتہ چل جائے گا رباب بھی تو شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں آئی اس پر ہی زور ڈال کر کچھ پتہ چل جاتا۔'' وہ از حد پریشان تھی۔

''ممی اور تائی نے اس کی بہنوں کو اشارتاً کچھ کچھ بتایا تھا رباب کے اس واقعے کے بارے میں کیا خود ڈی ایس پی کو یاد نہیں ہوگا اتنی پرانی بات بھی نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ رباب اس لیے نہیں آتی کہ اس کا سلوک اچھا نہیں ہے رباب کے ساتھ، شرمندگی کے مارے منہ ہی نہیں دکھاتی ہے۔'' خمار نے نیا نکتہ نکالا اور مزید گویا ہوئی۔ ''ہمیں اس طرح چھپنا نہیں چاہئے ورنہ وہ یہ سمجھے گا کہ ہم بھی انوالو تھے، آؤ اس سے ہیلو ہائے کر لیں۔'' اس نے افشاں کو اٹھایا اور ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی۔ دونوں نے بڑے اعتماد سے سلام کیا اور بیٹھ گئیں۔

''اس میں شک نہیں ہے کہ رباب نے بڑا اونچا ہاتھ مارا ہے۔'' افشاں سرگوشی میں خمار سے بولی وہ دونوں قدرے فاصلے پر تھیں آرام سے اس کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔

''لگتا ہے کہ پیشہ ور ریسلر ہے وان ڈیم کی طرح اس کا جسم بھی بڑا مضبوط ہے ہیئر اسٹائل بھی خوب ہے آنکھیں تو غضب کی ہیں یہ تو کہیں سے بھی قاتل اور دو بچوں کا باپ نہیں لگتا میرے لیے اگر اس کا پروپوزل آتا تو میں آنکھیں بند کر کے اوکے کر دیتی اپنی لکی کی بھی نیت خراب ہے اس کے لیے کہہ رہی تھی کہ تھوڑی سی کوشش کے ذریعے اسے اپنا پارٹنر بنایا جا سکتا ہے۔''

''پھر فون نہیں آیا اس کا۔'' خمار نے پوچھا۔

''آیا تھا کہہ رہی تھی کہ ڈی ایس پی جب تمہارے گھر آئے تو مجھے اطلاع کر دینا۔'' وہ ہلکے سے ہنسی۔

''ہاں تا کہ وہ اکیلی اکیلی اسے لے اڑے، بڑا ناز ہے اسے اپنے حسن پر۔'' خمار نا گواری سے بولی۔

☆☆☆

سبکتگین نے اپنی بائیک پورچ میں روکی، حال ہی میں پپا نے اسے یہ قیمتی بائیک جو گاڑیوں سے بھی مہنگی تھی لے کر دی تھی آج کل وہ اسے اڑائے اڑائے پھرتا تھا عامر اور وہ دونوں اس پر جم خانہ سے ہو کر آرہے تھے عامر کا پٹھہ اتر گیا تھا اس نے برداشت سے زیادہ ویٹ اٹھا لیا تھا۔ سبکتگین نے پہلے اسے گھر چھوڑا تھا اور پھر واپس آیا تھا۔ نازاں نے موٹر سائیکل کی آواز پر بے اختیار گلاس ونڈو سے جھانکا اس کی فرینڈز بھی آئی ہوئی تھیں اس نے نئی پارٹی میں انہیں مدعو کیا تھا خوب اونچی آواز میں ڈیک بج رہا تھا کمرے میں ایک طوفان بدتمیزی برپا تھا میوزک کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ سبکتگین سیدھا دستک دیئے بغیر نازاں کے کمرے میں گھس گیا اور ڈیک کا تار جھٹکے سے نکالا۔

''محترمہ نازاں موسیقی سے لطف اندوز ہونا ہے تو براہِ کرم ہمیں اور محلے کو اس سے محفوظ رکھیں۔'' وہ اس کی دوستوں کی موجودگی کی پروا کیے بغیر بولا اور جس طرح آیا تھا اسی طرح نکل گیا۔

''یہ کون تھا اتنے رعب سے حکم دے کر گیا ہے۔'' پنکی نے پوچھا وہ اس کے انداز پر مرعوب سی ہو گئی تھی۔ کیا شاہانہ انداز تھا۔

''میری کزن کا بیٹا ہے'' وہ بولی سلوط اور نگی کو اس کا ڈیک بند کرنا بالکل نہیں بھایا تھا۔

''ہائے کتنا ڈیشنگ اور سمارٹ ہے'' عینا بیڈ پر لمبی لمبی لیٹ گئی۔

''روز جم خانہ اور کلب جاتا ہے مسٹر پاکستان کمپٹیشن میں حصہ لے گا مجھ سے چھوٹا ہے'' نازاں نے انکشاف کیا۔

''ہائے نہیں وہ تم سے چھوٹا تو نہیں لگتا اتنا ریسلر اور لمبا چوڑا ہے جھوٹ بول رہی ہو ناں تم'' پنکی مشکوک لہجے میں بولی۔

''آئی سویئر وہ مجھ سے تین سال چھوٹا ہے، کیوں سلوط سبکتگین مجھ سے چھوٹا ہے ناں'' اس نے تائید چاہی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''نام کتنا یونیک اور بارعب سا ہے سبکتگین، زبان لڑکھڑا جاتی ہے'' سنبل بولی۔

''سلوط تم اپنے بھائی سے میرا معاملہ فٹ کرا دو'' پنکی نے شریر لہجے میں کہا تو نازاں نے اسے دھپ لگائی۔

''ایڈیٹ آہستہ بول اس نے اگر سن لیا تو جان کو آ جائے گا ایسا ویسا نہیں ہے لڑکیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے اپنے احمدی صاحب کی ٹینا نے اسے پٹانے کی بڑی کوششیں کیں پر سبکتگین نے بے چاری کو گھاس تک نہیں ڈالی اور جو ہی تو ابھی تک فون کرتی ہے'' نازاں نے بتایا سلوط اور نگی اس کی تعریفوں سے جز بز ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

سجل کے لیے شاہ میر کا رشتہ آیا تھا رباب کی شادی پر شاہ میر کی والدہ اور بہنوں کو وہ بری طرح بھائی تھی ان کی کوشش تھی کہ جلد از جلد لڑکی شاہ میر کے نام ہو جائے انہیں سجل کے گھرانے کے بارے میں زیادہ علم نہیں تھا۔انہوں نے شائستگی سے اپنا مدعا رقیہ سے بیان کیا تو انہوں نے رفعت اور آمنہ کو بھی بلوا لیا۔

''مسز فرحین آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ بڑی بہن سے پہلے چھوٹی کی شادی کیوں ہو گئی حالانکہ اصولی طور پر اور معاشرے کے رائج طریقوں کے مطابق پہلے بڑی بہن کی ہونی چاہیے تھی'' وہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

''اس میں شاید کوئی آپ کی خاندانی مصلحت یا مجبوری ہو گی'' مسز فرحین سوچ کر بولیں۔

''ان دونوں بہنوں نے ہمارے خاندان کی لٹیا ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے بڑی نے بھی آنکھ مٹکا کر رکھا تھا چھوٹی اپنے عاشق کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑی گئی اور تھانے پہنچ گئی، بھائی صاحب لے کر آئے فوراً ہی اچھا سا لڑکا ڈھونڈ کر شادی کر دی آپ تو جانتی ہو گی'' رفعت بولیں تو فرحین حیران رہ گئیں جو لڑکی اپنے دوست کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے پکڑی گئی اس کی شادی ایک اعلیٰ اور مضبوط حیثیت کے حامل مرد سے ہو گئی تھی وہ شادی پر آئی تھیں سبکتگین اور رباب کی جوڑی چاند سورج کی جوڑی لگ رہی تھی۔انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ دونوں بہنیں ایسی ہیں بجھے بجھے دل کے ساتھ وہ واپس آ گئیں۔

''بھابی اس سجل کو سر سے اتار دیں دفعان کریں۔ایک سے بڑھ کر ایک رشتہ آ رہا ہے اس کے لیے ہماری بیٹیوں کا حق مار رہی ہے یہ'' اندر چائے لاتی سجل دروازے سے ہی پلٹ گئی رباب اور اس کے بارے میں انہوں نے مسز فرحین سے جو کچھ کہا تھا اس نے حرف بہ حرف سن لیا تھا اب مسز فرحین نے آگے جا کر نمک مرچ لگا کر یہ قصہ بیان کرنا تھا اگر سبکتگین تک یہ بات پہنچ جاتی تو پھر بہت برا ہوتا اسے اپنی فکر نہیں تھی آج وہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی امی بھی نہیں تھیں کہ ان کے مشفق سینے سے لگ کر وہ اپنے آنسو بہا ڈالتی۔

اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بھی کسی جرم کی پاداش میں بھاری چٹان کے نیچے دبی ہوئی ہے تپتی ریت ہے اور اوپر آگ برساتا سورج ہے اور سامنے ظلم کی صورت تائی چچی کھڑی ہیں، اس کے لیے کب مدد آئے گی کب کوئی چارہ گر اس کے زخم رفو کرنے آئے گا...... کب کوئی ابن مریم آئے گا اس کے دکھ کی دوا کرنے۔

☆☆☆

سلونگی، فرزا اور اس کی ممی چاروں شاپنگ کے لیے گئی تھیں ناز اں گھر میں اکیلی تھی سبکتگین ابھی کچھ دیر پہلے آیا تھا کھانے کا وقت ہو رہا تھا وہ اس کے کمرے میں آ گئی کھانے کے لیے بلانے وہ کمرے میں موجود نہیں تھا واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی وہ بیٹھ کر میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی وہ نہا کر نکلا تو اسے کمرے میں دیکھ کر حیران ہوا اور وہ شرٹ پہنے بغیر ہی نکل آیا تھا ناز اں اسے دیکھ رہی تھیں سبکتگین کا جسم بھیگا ہوا تھا پھولے پھولے مسلز دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اس کے انسٹرکٹر نے خوب محنت کرائی ہے۔

''کیا ہے کیسے آنا ہوا'' وہ شرٹ پہن کر اس کی طرف آیا۔

''کھانا تیار ہے آؤ کھاتے ہیں'' وہ سر جھٹک کر اس کے سحر سے نکلتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے میں آتا ہوں تم جاؤ۔'' وہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔

پھر ٹیبل پر نازاں اسے بذات خود ایک ایک چیز پیش کرتی رہی۔

بارش کی وجہ سے لائٹ گئی ہوئی تھی سبکتگین کمرے سے نکل آیا وہ نکل کر ٹیرس پر جانا چاہتا تھا نیچے تو لوڈ شیڈنگ کے باعث گھپ اندھیرا تھا وہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا اسے یوں لگا کوئی اور آگے سے دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر رہا ہے۔

''کون ہے۔'' اس نے آواز دی دھپ سے کوئی اس کے ساتھ ٹکرایا سبکتگین اگر وہ ریلنگ کو تھام نہ لیتا تو گر پڑتا نازاں اس پر گر گئی تھی۔

''اوہ ایم سوری سبکتگین اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔'' وہ سنبھل کر اپنی سانس درست کرنے لگیں سبکتگین کی قربت نے اس کے اندر ہلچل سی مچا دی وہ کافی دیر سے بارش میں بھیگ رہی تھی نیچے اترتے ہوئے جان کر اس سے ٹکرائی تو جسم و جاں میں آگ سی بھڑک اٹھی تھی سبکتگین نے لمحہ بھر کے لیے اسے کیا تھاما تھا اس کی ہستی ہی تہ و بالا کر دی تھی۔ دل چاہ رہا تھا وقت رک جائے وہ اسے یوں ہی تھامے کھڑا رہے پر وہ اسے ہٹا کر اوپر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

موسم بڑا خوشگوار تھا آسمان پر مست بدلیاں جھوم رہی تھیں تمام ماحول سرمئی سرمئی ہو رہا تھا وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا دل چاہ رہا تھا لانگ ڈرائیو پر نکل جائے اور کچھ گھنٹوں کے لیے تمام فکریں ذہن سے جھٹک دے پر نہ جانے کونسی کشش تھی جو اسے گھر کی جانب لے جا رہی تھی گیٹ سلجوق نے کھولا وہ گاڑی اندر لے آیا جیسے ہی وہ اترا سلجوق شروع ہو گیا۔

''پاپا انکل دولہن آپی زور زور سے رو رہی ہیں'' وہ اندر آیا تو واقعی وہ گھٹنوں میں سر چھپائے ہانی کو پکڑ رو رہی تھی۔

''رباب کیا ہوا ہے'' وہ پینٹ کے پائنچے اوپر کرتا اس کے پاس بیٹھ گیا۔

''پھر بارش ہو رہی ہے پھر بارش ہو رہی ہے کوئی باہر مت جائے نہ جانے اب یہ بادل اور بجلیاں کس کو ساتھ لے کر جائیں گی'' وہ مضبوطی سے آنکھیں بند کیے بول رہی تھی سبکتگین کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔

''سلجوق میرے پاس بیٹھ جاؤ باہر مت جانا میں مر جاؤں گی'' اس نے سلجوق کو بھی پاس بلا لیا۔

''آخر ہوا کیا ہے کوئی مجھے بھی تو بتائے کیا باہر دہشت گرد ہیں جو کوئی باہر نہ جائے'' وہ جھلا گیا۔

''پاپا انکل دولہن آپی بارش سے ڈر گئی ہیں'' اس نے بچے کی بات کہی تو اس کا تن بدن ڈھیلا پڑ گیا واقعی یہ لڑکیاں کتنی نازک ہوتی ہیں بھلا بارش کوئی جن بھوت ہے، وہ رات تک یونہی کمرے میں بیٹھی رہی سبکتگین ہانی کا فیڈر خود بنا کر لایا اور کھانا بھی خود گرم کیا جب بادل زور سے گرجتے اور بجلی کڑکتی تو وہ زور زور سے رونے لگتی یوں لگتا جیسے کوئی ان دیکھی سی قوت ہے جو اس سے یہ سب کرا رہی ہے وہ رات کافی دیر تک ان تینوں کے

پاس بیٹھا رہا جب وہ کمرے میں آنے لگا تو وہ الرٹ ہوگئی۔

''پلیز آج ادھر ہی سو جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے'' وہ اب بھی رو رہی تھی سبکتگین کو رحم آ گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے'' رک گیا۔ وہ ایک اور کمبل لے آئی ہانی اور سلجوق کے درمیان جگہ بنا کر کمبل تان کر لیٹ گئی اس کے سونے کے لیے اچھی خاصی جگہ موجود تھی وہ تکیہ کنارے پر رکھ کر لیٹ گیا رات بار بار اس کی نیند ٹوٹتی رہی کیونکہ وہ خود بھی ڈسٹرب تھی اور اسے بھی ڈسٹرب کر رہی تھی۔

☆☆☆

سبکتگین کی برتھ ڈے پر نازاں نے خاصی قیمتی ریسٹ واچ اس کے لیے خریدی تو فرزا کھٹک گئی سلوط اور نگی نے بھی اسے الرٹ کر دیا تھا اس نے نازاں کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔

''نازاں یہ میں کیا سن رہی ہوں، سنا ہے کہ تم سبکتگین میں انٹرسٹ لے رہی ہو'' اس نے اندھیرے میں تیر چھوڑا جو نشانے پر جا لگا۔

''جی آپی'' اس نے بے دھڑک اقرار کر لیا۔

''کیا وہ بھی تمہارے لیے ایسے جذبات رکھتا ہے'' اس نے گہری نظروں سے جانچا۔

''نہیں رکھتا تو رکھنے لگے گا میں نازاں ہوں کب تک دامن بچائے گا'' وہ غرور سے بولی تو فرزا کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی۔

''ٹھیک ہے جو مرضی میں آئے کرو اور اسے زیر کر لو بڑے فائدے میں رہو گی تم بھی میں بھی پھوپھو بھی'' وہ ہلکے سے ہنسی فرزا نے پھوپھو اور اپنی ماں کو بھی اس راز میں شریک کر لیا اب وہ سارے ہتھیار لے کر میدان میں اترنا چاہتی تھی۔

وہ مسٹر پاکستان کا ٹائٹل جیت گیا تھا اس خوشی میں اس نے تمام دوستوں کو ٹریٹ دی تھی نازاں نے بھی اس سے ٹریٹ مانگی جو وہ بخوشی دینے پر تیار ہو گیا ساتھ ہی وہ کالج میں داخلے کے لیے تیاریاں کر رہا تھا پاپا اس کی پوزیشن اور نمبرز دیکھ کر بہت مسرور ہو رہے تھے انہوں نے اس سے نئی گاڑی دلانے کا وعدہ کیا تھا۔

ہلکے سے دروازہ بجا اس نے کتاب سے سر اٹھایا وہ نازاں تھی۔

''اتنا زیادہ پڑھتے ہو ہر وقت، کبھی آرام بھی کر لیا کرو کبھی اپنے اردگرد کی خوبصورتی پر نظر ڈالی ہے تم نے'' وہ آرام سے اس کے پاس بستر پر بیٹھ گئی تھی سبکتگین کو اتنی رات گئے اس کی آمد بہت بری لگی مگر پھر وہ انتہائی بے تکلفی سے اس کے بستر پر بیٹھ چکی تھی۔

''نازاں جاؤ سو جاؤ رات بہت ہو گئی ہے'' اس نے کتاب رکھ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں اس لیے تو آئی ہوں رات بہت ہو گئی ہے'' وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

''سبکتگین تم نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا ہے میں پاگل ہو رہی ہوں تمہارے لیے پلیز مجھے مت ٹھکرانا'' اس نے انتہائی بے حجابی سے اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی تو سبکتگین نے زوردار طمانچہ اس کے گال پر مارا نازاں پر تو جنون سوار ہو گیا۔

''تم نے مجھے مارا نازاں کو مارا'' وہ اس پر پل پڑی ساتھ ساتھ وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔

''ارے بچاؤ مجھے اس درندے سے'' جوں جوں دوڑتے قدموں کی آواز قریب آرہی تھی نازاں بھی اس کے قریب ہوتی جارہی تھی ایک لمحے کے لیے اس متوقع خطرے کا احساس کر کے وہ بے جان ہوگیا وہ نازاں اس لمحے اس سے بے حد قریب ہوگئی دروازہ کھلا۔

''چھوڑ دو چھوڑ دو مجھے'' وہ اس سے الگ ہوئی۔ دروازے پر انصر فرزا پھپھو سلونی اور حسن کا لہو رنگ چہرہ جھانک رہا تھا۔

''کمینے بلڈی فول تیری یہ جرأت کہ تو میری بہن کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔'' اس نے سبکتگین کو اٹھا کر پوری قوت سے پنجا اس کا سر بیڈ کی پٹی سے ٹکرایا تو اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے۔

''یہ زبردستی مجھے میرے کمرے سے اٹھا کر لے آیا میرے منہ پر زور سے ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ آواز نکالی تو جان سے ماردوں گا۔'' وہ چہرہ شرم کے مارے ہاتھوں سے چھپائے رو رہی تھی حسن اسے ککس لگا رہا تھا سبکتگین جو خود بھی مضبوط قد و قامت والا اور توانا لڑکا تھا پر اس صورتِ حال نے اس کے حواس ہی سلب کر لیے اپنے دفاع کا فطری احساس ہی ختم ہوگیا تھا ورنہ یوں آسانی سے مار کھانے والا لڑکا نہیں تھا۔

''اور مارو اور مارو اس سانپ کو، میری پھول سی بچی کو داغ لگا دیا ہے۔ ہائے کون پوچھے گا اب تجھے'' فرزا کی پھپھو نازاں کو گلے لگائے اپنا سر پیٹ رہی تھیں۔

''چھوڑو حسن اسے، میں خود اس سے معلوم کرتا ہوں'' انصر نے حسن کو ہٹایا سامنے کونے میں لوہے اور لچکدار پلاسٹک کا نیا سینے کو چوڑا کرنے والا ورزش کا آلہ رکھا ہوا تھا تقریباً اڑھائی فٹ لمبا اور مٹھی بھر چوڑا یہ آلہ کسی چھتری سے مشابہ تھا انصر نے وہ اٹھایا اور خوفناک تاثرات لیے سبکتگین کی طرف بڑھے تڑاتڑ انہوں نے اندھا دھند اسے مارنا شروع کر دیا سبکتگین کا سارا جسم درد اور اذیت کی لپیٹ میں تھا اور چیخنا چاہ رہا تھا مگر آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی تھی اس کی اوپری کھال ہی جیسے ادھڑ گئی تھی اس کے خون سے نیلا کارپٹ سیاہی مائل ہوگیا تھا کسی نے بھی ان کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہیں کی جب انہیں اس کے بے جان ہونے کا یقین ہوگیا تو وہ رکے۔

''جاؤ اسے کوڑے کے ڈھیر پر پھینک آؤ'' ساتھ ہی وہ اپنا سینہ مسلنے لگے یوں جیسے ان کا دم گھٹ رہا ہو سب کو ان کی پڑی گئی تھی حسن نے گاڑی نکالی اور سب ان کے ساتھ ہاسپٹل چلے گئے۔ ان کی غیر موجودگی میں بوڑھے نوردین نے اپنے بیٹے سے مرہم پٹی منگوا کر اس کے زخم صاف کیے وہ اب بھی بے سدھ تھا۔

''شاکر اسے ہسپتال لے چلو مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی اس کی حالت'' انہوں نے اپنی بوڑھی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ شاکر اسے ایک خیراتی ہسپتال میں لے آیا جہاں وہ کتنی دیر تک ننگے فرش پر اپنی باری کے انتظار میں پڑا رہا مکھیاں اس کے زخموں پر بھنبھناتی رہیں ڈاکٹرز بہت دیر بعد متوجہ ہوئے۔ ڈاکٹر رحمان اس کی یہ حالت دیکھ کر تڑپ اٹھے نہ جانے کس شقی القلب نے اس کا یہ حال کیا تھا انہوں نے شاکر سے پوچھا تو اس نے جھوٹی کہانی سنا کر اس کی ساری ہمدردیاں سمیٹ لیں۔

شاکر برابر اسے ہاسپٹل دیکھنے آتا رہا ساتویں روز جب وہ آیا تو اس کا خالی بستر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

انصر ڈسچارج ہو کر گھر واپس آچکے تھے ان کا علاج ایک پرائیویٹ مہنگے ہاسپٹل میں غیر ملکی ڈاکٹرز کی زیر نگرانی ہوا تھا اور ان کے بیٹے کا

علاج ایک خیراتی ہاسپٹل میں ہوا تھا۔

''بابا سبکتگین کہاں ہے'' دودھ کا گلاس واپس کرتے ہوئے وہ آہستگی سے بولے کہ کہیں کوئی سن نہ لے۔

''صاحب جی وہ تو اسی روز سے غائب ہیں جس دن آپ ہسپتال گئے تھے'' ان کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ انہیں سچ بتائیں وہ ہاسپٹل سے غائب ہو چکا تھا وہ کیا بتاتے؟ فرزانے نازاں کی بے عزتی کا ڈھونگ رچا کر سبکتگین والا گھر اپنے نام لکھوا لیا تھا۔ افسر نے بڑے ارمانوں سے کوٹھی بنائی تھی کہ شادی کے بعد سبکتگین اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہے گا آج وہ کوٹھی نازاں کی ملکیت ہوگئی اس کی ماں نے خوب واویلا مچایا تھا حسن الگ اس کے خون کا پیاسا بنا پھر رہا تھا انہوں نے چپ چاپ کوٹھی کے کاغذات فرزا کے سپرد کر دیے کچھ روز بعد حسن نے گاڑی کی فرمائش کر دی انہوں نے اپنی نئے ماڈل کی مرسڈیز بھی اس کے حوالے کر دی تا کہ وہ ان کے بیٹے کی جان بخشی کر دے جس بیٹے کے لیے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے وہ غائب ہو چکا تھا۔

☆☆☆

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجیے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

ا۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچایئے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجیے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

کسی کا سر ڈھانپنے کو صحرا میں
اک ردائے غبار تنتی ہے
ہم انہی موسموں میں رہتے ہیں
روٹھتی ہے کبھی وہ منتی ہے

سبکتگین چپ چاپ ہاسپٹل سے نظریں بچا کر نکل آیا تھا اب سوال یہ تھا کہ کہاں جایا جائے اس کے پاس تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی گھر کے دروازے اس پر بند ہو چکے تھے وہ کہاں جاتا؟ اس سوال کا جواب تلاش کرتے کرتے وہ اس کچی آبادی میں نکل آیا تھا پاس ہی شاید کوئی عمارت تعمیر ہو رہی تھی وہ قریب آ کر یونہی دیکھنے لگا تو ٹھیکیدار اس کے پاس آ گیا۔

''مزدوری کرو گے۔'' اس نے بے سوچے سمجھے سر ہلا دیا تو ٹھیکیدار نے اسے کام پر لگا دیا اسے اینٹیں اٹھا کر تیسری منزل پر پہنچانی تھیں شام ڈھلے جب سب مزدور فارغ ہو گئے تو ٹھیکیدار نے اس کے ہاتھ پر ستر روپے رکھے اور کل بھی آنے کو کہا۔ سبکتگین خوشی و حیرت کے ملے جلے جذبات سے ان ستر روپوں کو دیکھ رہا تھا جو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے کمائے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ ان پیسوں کو دیکھ کر یہ صدمہ بھی جاتا رہا، وہیں ایک چھپر ہوٹل سے اس نے کھانا کھایا اور اسی عمارت میں آ گیا۔ ایک جگہ صاف کر کے بازو کا تکیہ بنا کر وہ لیٹ گیا۔ سارے دن کی محنت و مشقت کے بعد تھکا ہارا جسم جلد ہی نیند کی آغوش میں ڈوب گیا۔ اسے ایک ماہ ہو گیا تھا یہاں کام کرتے ہوئے۔ اب یہ عمارت مکمل ہونے کے قریب تھی مزدوروں کا کام ختم ہو چکا تھا وہ پریشان بیٹھا تھا کہ اب کیا کرے گا ایک مزدور نے ایک نئی راہ دکھائی۔

''بھائی کراچی چلے جاؤ وہاں بہت کام ہیں میرے چاچے کا ہوٹل ہے وہاں بڑی آمدنی ہوتی ہے اگر تم چاہو تو میں تمہیں ان کا پتہ لکھ دیتا ہوں وہاں جا کر بس کہہ دینا کہ مجھے امام نے بھیجا ہے تیرا کام ہو جائے گا چاچا تیرے لیے کوئی نہ کوئی جگہ ضرور بنا دے گا'' وہ یوں بولا جیسے اس کا چاچا پرائم منسٹر ہے جس کے پاس ہر مسئلے کا حل ہے۔ بہر حال اس نے امام سے چاچے کا ایڈریس لے لیا اور کراچی آ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ ہوٹل ملا۔ یہ دوسرے درجے کا درمیانہ سا ہوٹل تھا اس نے امام کے ہاتھوں کا لکھا ہوا خط اس کے آگے رکھ دیا۔ شکر تھا کہ چاچا نے اس پر اعتبار کر لیا تھا ابتدائی مرحلے میں اس کے ذمے برتن دھونے کی ڈیوٹی تھی رات کو وہ ہوٹل میں ہی سوتا تھا۔

ایک ماہ ہو گیا تھا اسے یہاں کام کرتے ہوئے، اب وہ گاہکوں سے پیسے بھی وصول کر لیتا تھا بہت جلد غفور کی نظروں نے بھانپ لیا کہ یہ لڑکا کسی اچھے گھر کا ہے انہوں نے کرید کرید کر پوچھا پر اس نے ایک لفظ بتا کر نہیں دیا۔ ہوٹل میں انگریزی اخبار اور رسالے بھی آتے تھے جنہیں کام ختم کرنے کے بعد وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتا تھا وہاں کے لوگ اس سے بہت زیادہ مرعوب ہو گئے تھے۔ اب اس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ گاہکوں سے پیسے لے کر ان کا حساب کتاب کرے اس نے کبھی ایک پیسے کی بھی بے ایمانی نہیں کی آٹھ ماہ گزر چکے تھے ایک دن یونہی اس کے دل میں آیا کہ کیوں نہ وہ

پرائیویٹ امتحان دے لیکن اس کے تمام تعلیمی ڈاکومنٹس تو لاہور میں تھے جو اس نے داخلہ فارم کے ساتھ کالج میں جمع کروائے ہوئے تھے۔ یہاں پہلی بار اس نے چاچا غفور سے اپنے بارے میں کوئی بات کی انہوں نے لاہور جانے کی اجازت دے دی وہ ایچی سن کالج میں آیا ہوا تھا۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر وہ سیدھا کلرک کے کمرے میں آ گیا تھا اس کا اور عامر کا ارادہ تھا وہ اسی کالج میں ایڈمیشن لیں گے وہ کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے کلرک کی مٹھی گرم کی تو اس نے فٹافٹ اس کے ڈاکومنٹس اور ایڈمیشن فارم نکال دیئے اپنے ڈاکومنٹس سے اس نے ایڈمیشن فارم الگ کر کے پھاڑ دیا وہ جیسے گیا تھا ویسے ہی لوٹ آیا۔ محض ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں اس نے ایف ایس سی کا امتحان دے دیا۔ چاچا غفور پوری طرح اس کی شرافت اور کردار کے قائل ہو چکے تھے اسے زبردستی گھر لے آئے جہاں ان کی بیوی ایک بیٹی ایک بہو اور دو بیٹے رہتے تھے۔ چھوٹا بیٹا ذیشان نویں جماعت میں پڑھتا تھا جبکہ بیٹی رابعہ فرسٹ ایئر میں تھی ان کا یہی کل کنبہ تھا مکان اپنا تھا ایک کمرہ انہوں نے سبکتگین کے لیے خالی کرا لیا وہ ان کے احسانات کے آگے شرمندہ ہوا جا رہا تھا انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی تھی وہ ہوٹل سے بھی اس کی جلدی چھٹی کر دیتے تھے تا کہ وہ یکسوئی سے پڑھ سکے اسے ایک چھت میسر آ گئی تھی اب وہ گھر کے اندر بھی بلا روک ٹوک چلا جاتا تھا ذیشان بھی کبھی کبھی اس کے پاس آ کر پڑھنے بیٹھ جاتا رابعہ پر بھی آتے جاتے نظر پڑ جاتی تھی وہ بڑی پیاری اور باحیا لڑکی تھی۔ بی ایس سی کے ایگزامز کے بعد وہ سی ایس ایس کی تیاری کر رہا تھا رابعہ بھی بی اے کر چکی تھی اب وہ آپس میں بات چیت بھی کر لیتے تھے سبکتگین کو اندازہ ہوا کہ وہ بڑی ہمدرد اور پر خلوص لڑکی ہے مگر وہ ڈرتا تھا اس کی آڑ میں کچھ اور نہ ہو کیوں کہ رابعہ کی نگاہوں میں کوئی نرم نرم سا جذبہ لو دیتا تھا جسے وہ قصداً نظر انداز کر جاتا تھا۔ سی ایس ایس کے ایگزامز میں کامیاب ہونے کے بعد وہ ٹریننگ کے لیے سہالہ جا رہا تھا صبح اسے جانا تھا رات گھر میں اس کی بڑی پر تکلف دعوت کی گئی وہ سب کافی دیر تک جاگتے رہے۔

"بیٹا اب کب آؤ گے۔" چاچا غفور نے پوچھا۔

"پتہ نہیں چاچا ٹریننگ کے بعد کہاں جاتا ہوں۔" اس نے انہیں امید دلانا مناسب نہیں سمجھا ان کا چہرہ بجھ سا گیا تھا پھر وہ سب اٹھ کر چلے گئے وہ کچھ دیر صحن میں بیٹھا رہا اور پانی پینے کے ارادے سے کچن میں آیا تو دھیمی سسکیوں کی آواز پر چونک پڑا وہ رابعہ تھی جو فرش پر بیٹھی رو رہی تھی۔ "رابعہ کیوں رو رہی ہو میرے لیے مت روؤ کیوں اپنے آنسو ضائع کر رہی ہو" وہ سنگدلی سے بولا تو رابعہ تڑپ گئی۔

"کوئی آس کا دیا کوئی روشنی کی کرن میری مٹھی میں نہیں تھمائیں گے۔" وہ بڑی امید لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

مہرباں ہیں تیری آنکھیں مگر اے مونس جاں

ان سے ہر زخم تمنا تو نہیں بھر سکتا

ایسی بے نام مسافت ہو تو منزل کیسی

کوئی بستی ہو بسیرا ہی نہیں کر سکتا

"رابعہ میں گم کردہ راہوں کا راہی ہوں تو جو محبت اور چاہت مجھ سے چاہو گی میں تمہیں نہیں دے سکوں گا۔"

وہ ایک دم اپنی بات مکمل کر کے اس کی سنے بغیر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

آٹھ برس گزر چکے تھے وہ کامیاب پولیس افسر تھا۔ مجرموں کے ساتھ انتہائی بے رحم، بڑے بڑے قاتل اس کی سنگدلی سے پناہ مانگتے تھے اس نے تشدد کے نئے نئے طریقے ایجاد کر رکھے تھے وہ جسمانی اذیت کے بجائے ذہنی اذیت پہنچا کر اپنے مطلب کی باتیں معلوم کر لیتا تھا اسے ایک کام کی وجہ سے لاہور آنا پڑا تو اس کے قدم خود بخود انصر منزل کی طرف اٹھ گئے۔ پپا انتہائی بوڑھے ہو گئے تھے اسے بمشکل پہچان پائے۔ اب وہ تیس سال کا خوبرو اور بھرپور لڑکا تھا وہ کتنی دیر اسے لپٹائے محبتوں کی بارش سے اسے بھگوتے رہے۔ اسے دیکھ کر حسن کا منہ بن گیا تھا مگر اب وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا اس کا آہنی اور کسرتی جسم دور سے ہی مرعوب کر گیا تھا فرزانہ نے بھی اس کی آمد کو پسند نہیں کیا تھا سلوط اور نگی کے ذہن میں بھی زہر بھرا ہوا تھا انصر نے اسی رات فون کر کے اپنے وکیل کو بلوا کر ساری جائیداد و بینک بیلنس اس کے نام کروا دیا تھا اکثر جائیداد فرزا اور حسن ہڑپ کر گئے تھے نازاں کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی، سبکتگین زیادتی والا قصہ انہوں نے ہمدردیاں بٹورنے کے لیے سنایا تھا جو نازاں کے حق میں زہر قاتل ثابت ہوا تھا وہ اپنے ہی دام میں پھنس گئی تھی سبکتگین کے یہاں قیام کے دوران وہ اس سے بڑی محبت سے پیش آئی اس کی یہاں موجودگی کے دوران ہی پپا پر دل کا آخری اٹیک ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے مرنے سے پہلے وہ جان گئے تھے کہ ان کا بیٹا بے قصور ہے۔

سبکتگین دوبارہ دو ماہ کے بعد آیا اس نے ہوٹل سے نازاں کو فون کیا وہ دوڑی چلی آئی۔

''نازاں میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے دھما کہ کیا۔

''مم......مم......مگر......'' نازاں کے ہونٹ کپکپا گئے۔ ''تم پہلے ممی سے بات کرو۔''

''مجھے علم ہے تمہارا بھائی اور ممی تمہاری شادی نہیں ہونے دیں گے اس لیے میرا خیال ہے کہ پہلے ہم کورٹ میرج کریں گے پھر انہیں بتائیں گے تم کل آجانا ہم مانسہرہ جا کر شادی کریں گے اگر تمہیں اعتراض ہے تو مت آنا۔''

اس نے نازاں کی جان گویا سولی پر لٹکا دی۔ وہ دوسرے روز آگئی وہ سبکتگین ولا کے کاغذات بھی لے آئی تھی جو اس نے الزام لگا کر حاصل کیے تھے۔ ہوٹل سے چیک آؤٹ کر کے وہ مانسہرہ روانہ ہو گئے۔ سبکتگین بستر پر اس کے کپڑے ڈال گیا تھا جو اس نے نہا کر بدل لیے اور ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر لیا اس نے آئینے میں خود کو دیکھا تو شرما گئی۔

''سبکتگین میں آج تمہیں جیت لوں گی۔'' وہ پرغرور انداز میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''مولوی صاحب آئیں یہ ہے دلہن۔'' سبکتگین خود مولوی کے ساتھ اندر آ گیا اسے دلہن کے لفظ پر گدگدی ہوئی وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

''رباب ادھر آؤ'' آفس سے واپسی پر وہ اسے پکار رہا تھا رباب ہانی کو کندھے سے لگائے تھپک رہی تھی آج ہانی نے پہلا قدم اٹھایا تھا اسے بہت خوشی ہوئی تھی وہ دانت بھی نکال رہا تھا سلجوق اور وہ سارا دن بار بار اپنی انگلی اس کے منہ میں ڈال کر ہانی سے کٹواتے رہتے وہ بھی قلقاریاں مار کر خوش ہوتا جیسے کوئی معرکہ سر کرلیا ہو اس نے ہانی کو دیوار کے پاس کھڑا کیا اور خود قدرے دور ہٹ گئی۔

''مجھے پکڑو۔'' اس نے تالی بجائی ہانی ننھے منے قدم اٹھاتا گرتا پڑتا اس تک پہنچ گیا رباب نے اسے چوم چوم کر سرخ کرڈالا تھوڑی دیر پہلے ہی وہ اس کے کندھے سے لگے لگے سویا تھا۔ سبکتگین کے بلاوے پر وہ اسے یونہی اٹھائے آگئی۔

''جی۔'' وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ سبکتگین جوتے اتار رہا تھا۔

''اسے تو جا کر لٹا آؤ۔'' رباب کو یوں لگا جیسے وہ ہانی کو اس کے ساتھ دیکھ کر خوش نہیں ہوا ہے۔

''توبہ کیسا باپ ہے۔'' اسے دل میں دکھ سا محسوس ہوا۔

''جو کہنا ہے کہہ لیں میں ایسے ہی ٹھیک ہوں'' اس نے ہانی کو دوسرے کندھے پر منتقل کیا وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

''یہ پیکٹ اٹھالو'' اس نے سرمئی شاپر کی طرف اشارہ کیا۔ رباب نے اٹھالیا وہ کافی بھاری تھا اس نے کمرے میں آکر دیکھا تو خوشی سے اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا وہ بی اے کی کتابوں کا سیٹ تھا اس نے بے اختیار کتابوں کو سینے سے لگالیا۔ وہ سبکتگین کو کھانا دینے آئی تو اس نے بیٹھنے کا کہا ہانی اور سلجوق دونوں سو چکے تھے وہ شدت سے منتظر تھی کہ وہ کیا کہتا ہے کھانا کھا کر وہ ہاتھ دھونے چلا گیا وہ برتن رکھ آئی۔

''جاؤ اپنی کتابیں لے آؤ۔'' حکم ہوا وہ لے آئی۔

''چیک کرلی ہیں ناں تمہاری مطلوبہ کتابیں یہی ہیں۔'' اس کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

''جی ہاں یہی ہیں۔''

''میں تمہاری کتابیں لے آیا ہوں حالات بہتر ہوتے تو میں تمہارا ایڈمیشن بھی کروا دیتا۔ ابھی تھوڑی سی پرابلم ہے انشاء اللہ بہت جلد تمہاری اسٹڈیز ریگولر ہوجائے گی تب تک تم جو چیپٹر مس ہوئے ہیں مجھ سے پڑھ لو''

اس پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری تھی اس کا ذہن اسی جملے پر اٹکا ہوا تھا۔ ''انشاء اللہ تمہاری اسٹڈی بہت جلد ریگولر ہوجائے گی۔'' یعنی وہ دوبارہ سے پڑھ سکے گی اپنے خوابوں کی تکمیل کرسکے گی۔ سامنے بیٹھے اس شخص نے ابھی جو کہا تھا کیا وہ اس کی سماعتوں کا فریب تھا یا سچ تھا۔

''کیا واقعی میں دوبارہ پڑھ سکوں گی۔'' وہ یوں پوچھ رہی تھی جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

''ہاں اس لیے تو تمہاری کتابیں لایا ہوں اب تو یقین کرلو'' وہ ہلکے سے جان لیوا انداز میں ہنسا۔

''تھینک یو میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔'' مارے ممنونیت کے اس کی آواز بھرا گئی۔

''میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے بلکہ ایک احسان اتارا ہے جو برسوں پہلے میرے اوپر کسی مہربان نے لاد دیا تھا۔'' اس کی نگاہوں

میں وہ منظر لہرا گیا جب برسوں پہلے وہ لاہور ایچی سن کالج سے اپنے ڈاکومنٹس غفور چاچا کے کہنے پر لینے آیا تھا۔ یہ دیا جلتے رہنا چاہئے تھا اس احسان کے سلسلے کو جاری رہنا چاہئے تھا اس نے کسی سفرنامے میں ایک سیاح کے واقعات پڑھے تھے جس کی جیب انڈیا میں قیام کے دوران کٹ گئی تھی اس پہ ہوٹل کا بل واجب الادا تھا سفر کے لیے پھوٹی کوڑی نہ تھی اسی پریشانی کے عالم میں اسے ایک سکھ ملا اس آدمی نے اپنی پریشانی اسے بیان کی تو سکھ نے مطلوبہ رقم اسے ادھار دی سیاح نے وعدہ کیا کہ میں اپنے ملک جاتے ہی آپ کی رقم بھیج دوں گا خیر وہ سیاح واپس گیا تو وعدے کے مطابق اس سکھ کو رقم منی آرڈر کر دی۔ مگر رقم جوں کی توں واپس آ گئی سکھ نے خط لکھا تھا کہ جب تم کسی اپنے جیسے پریشان حال پردیسی کو دیکھو تو یہ رقم اسے دے دینا برسوں پہلے میں بھی تمہاری طرح کی صورت حال میں گرفتار ہو گیا تھا تو ایک شخص نے مجھے رقم دی تھی میں نے جب اسے پیسے واپس کیے تو اس نے دوبارہ مجھے دے دیئے اور جو میں نے تمہیں کہا اسی نے مجھے کہا تھا کہ لہٰذا جب تم مجھ سے ٹکرائے تو اس رقم کے اصل مستحق مجھے تم ہی لگے تم بھی اپنے جیسے کسی مستحق کو دے دینا۔''

سبکتگین پر اس قصے نے خاصا اثر ڈالا تھا سو اس احسان کا مستحق رباب کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو تتلیاں پکڑتے پکڑتے گھر سے دور نکل آئی تھی اور اسے واپسی کا راستہ ہی یاد نہیں تھا ضروری تھا کہ اس کی درست رہنمائی کی جائے۔

''کیا بنو گی۔'' اس نے رباب کا دھیان بٹانے کی خاطر پوچھا۔

''وکیل یا جرنلسٹ'' اس نے جواب دیا۔

''تم میڈیکل یا ٹیچنگ کے شعبے کو بھی منتخب کر سکتی تھیں لاء یا جرنلزم پڑھنے کی کوئی خاص وجہ کیوں کہ یہ دونوں شعبے لڑکیوں کے لیے خاصے ہارڈ اور ٹف ہوتے ہیں۔''

''ہاں ایک وجہ ہے جب میں چھوٹی تھی تو مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی تا کہ جو میرے اوپر زیادتی کرے میں اس کے ہاتھ توڑ سکوں رفتہ رفتہ مجھ پر کھلا کر میں خیالی دنیا میں رہتی ہوں جیسے فلموں کی ہیروئن ہوتی ہیں جو دشمنوں کو مار مار کر بھرکس نکال دیتی ہیں میں نے بچپن میں جب پپا زندہ تھے ایک فلم دیکھی تھی پپا کے مرنے کے بعد ایکشن اور مارشل آرٹ کے جوہر میرے ذہن پر چھا گئے تھے اس لیے میں مارشل آرٹ سیکھنا چاہتی تھی جوں جوں بڑی ہوتی گئی تلخ حقیقت منکشف ہوتی گئی کیوں نہ میں اپنی ذہانت سے سب کو شکست دوں کہ جو کام میرے ہاتھ نہیں کر سکتے وہ دماغ تو کر سکتا ہے میں کمزور ہوں ارادے تو کمزور نہیں ہیں۔'' وہ جذب سے بولتی گئی۔

''بہت خوب، مان گیا۔'' سبکتگین نے تالی بجائی تو وہ جھینپ گئی۔

''پھر کب سے پڑھائی شروع کرنے کا ارادہ ہے۔''

''بس کل سے ہی شروع کر لیتی ہوں۔''

''گڈ رات دس سے لے کر بارہ بجے تک کا وقت مناسب رہے گا تب تک ہانی اور سلجوق سو جاتے ہیں تم آرام سے پڑھنا جو ابواب رہ گئے ہیں انہیں جلد کور کرنے کی کوشش کرنا۔'' رباب نے سر ہلایا۔

''اب میں جاؤں۔'' وہ اجازت طلب نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کون سا میرے کہنے سے رکو گی۔'' وہ ذو معنی انداز میں بولا تھا۔

رات وہ ہانی اور سلجوق کو سلا کر کتابیں لے کر اس کے پاس آ گئی اس کے پڑھانے کا انداز عام فہم اور بھرپور تھا اسے کہیں بھی مشکل نہیں ہوئی پہلے دن اس نے اسے ڈیڑھ گھنٹہ پڑھایا۔

''اچھی لڑکی اب سو جاؤ دن بھر کام کرتی رہتی ہو تھک گئی ہو گی۔'' وہ نرمی سے بولا تو رباب کو بہت اچھا لگا کہ اتنے دن بعد ہی سہی اسے اس کا خیال تو آیا ہے پھر اس نے اسے اچھی لڑکی کہا تھا یہ پہلا شخص تھا جس نے اس واقعے کے بعد اس کی اچھائی کا اعتراف کیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا رباب کے بارے میں اس کے خیالات بدل رہے ہیں یہ ایک خوش آئند بات تھی۔

☆☆☆

سبکتگین کا دوست آیا ہوا تھا اس نے اسے چائے لے کر ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا تھا۔ وہ ٹرالی کو دھکیلتی اندر چلی آئی سبکتگین کا دوست اسے دیکھ کھڑا ہو گیا تھا رباب نے اسے سلام کرنا چاہا تو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''احتشام بھائی آپ۔''

''رباب آپ۔'' دونوں کے منہ سے بیک وقت نکلا سبکتگین دونوں کی حیرانی کو انجوائے کر رہا تھا۔

''تم مجھے شادی پر بلا نہیں سکتے تھے۔'' وہ ناراضگی سے بولا۔

''تم تو ہمیشہ ہی سفر میں رہتے ہو کیسے بلاتا۔''

''آئی ایم سوری رباب میں اور احتشام دوست ہیں یہ میرا بڑا پکا دوست ہے اگرچہ ہم دونوں کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔'' سبکتگین نے تعارف کرایا تو رباب نے اسے بتایا کہ مسز جواد کے حوالے سے ان سے جان پہچان ہے۔

''سبکتگین تم بہت لکی ہو، رباب بہت عمدہ لڑکی ہے مضبوط کردار کی، سچ پوچھو تو مجھے ان بہنوں کی بلند کرداری نے ہی متاثر کیا تھا رباب کے خیالات بڑے اعلیٰ اور سلجھے ہوئے ہیں آپی نے مجھے بتایا تھا کہ کالج میں پڑھائی کے بعد یہ لڑکی ٹیوشن دے کر گھر آتی تھی راتوں کو جاگ جاگ کر اخبار کے لیے آرٹیکلز لکھتی تھی میں ان بہنوں کی مضبوطی پر بہت حیران ہوتا ہوں باپ ان کا نہیں ہے بھائی بھی نہیں ہے اس کے باوجود بھی یہ اتنی فرمانبردار اور نیک ہیں۔'' احتشام نے کہا تو وہ چونک پڑا۔

''اچھا سجل اسی کی بہن ہے وہی لڑکی جسے تم پسند کرتے ہو مجھے یاد آ گیا ہے تم دو بہنوں کا بہت تذکرہ کرتے تھے واہ کتنا حسین اتفاق ہے ان میں سے ایک میری بن چکی ہے۔''

''ہاں تم تو منزل پا چکے ہو میں بھٹک رہا ہوں اور جانے کب تک بھٹکتا رہوں گا رباب اور سجل جیسی لڑکیاں تو قسمت والوں کو ملتی ہیں۔''

احتشام کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

''مایوس کیوں ہوتے ہو، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ، میں تمہارا مقدمہ لڑوں گا۔''

''ہاں تیسری بار مقدمہ لڑا جائے گا اور تیسری بار میں پھر ہار جاؤں گا۔''

''اتنے قنوطی نہ بنو اللہ بہتر کرے گا میں بھی کچھ کرتا ہوں فی الحال یہ چائے لو۔'' سبکتگین نے چائے کی پیالی اسے تھمائی۔

''سنو کل ٹھیک آٹھ بجے تم اور رباب پی سی پہنچ جانا تمہاری دعوت ڈیو ہے مجھ پر، اگلے روز تم مجھے پی سی میں ڈنر دے کر حساب برابر کر دینا۔'' چلتے چلتے احتشام نے اسے پھر یاد دہانی کرائی تو وہ اس کی چالاکی پر مسکرا دیا۔

ہانی اور سلجوق کو اس نے شام میں سلوط کی طرف چھوڑ دیا تھا رباب وارڈروب میں سے کپڑے نکال کر پھیلائے بیٹھی تھی سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا پہنے اس کی بری اور جہیز کے اکثر سوٹ یونہی سوٹ کیس میں بند تھے کامدار ریشمی کپڑے اسے خاص پسند نہیں تھے اس لیے وہ سادہ کپڑے ڈھونڈ رہی تھی۔ ریڈ اور ییلو کلر کا سوٹ اس نے اٹھا لیا ییلو کلر کا چوڑی دار پاجامہ تھا ییلو کلر کی اوپن شرٹ تھی جس کی آستینوں پر ریڈ بارڈر بنا ہوا تھا اسی ڈیزائن کا دوپٹہ تھا۔ اس نے پہن کر دیکھا تو اپنا سراپا اچھا لگا بال برش کر کے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو سبکتگین گاڑی نکال رہا تھا رباب کا خیال تھا کہ وہ کوئی ستائشی جملہ کہے گا مگر اس نے تو ایک نظر تک نہیں ڈالی اسے افسوس سا ہوا۔ واپس آ کر بھی وہ یونہی رہا جانے ایک دم وہ سخت سا کیوں ہو گیا تھا، اس نے سلوط کے گھر فون کر کے کہا کہ ہم واپس آ چکے ہیں رحیم کے ساتھ سلجوق اور ہانی کو بھجوا دیں۔

اس وقت رات کے دس بج چکے تھے سردیوں کی طویل رات تھی تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کی نرم و گرم پناہوں میں محو خواب تھے اس وقت رباب کا فون کرنا سلوط کو حیران کر گیا اور قدرے خوشی بھی اس غیر لڑکی کو جوان کے خیال میں چھوٹی اور ناتجربہ کار تھی ہانی اور سلجوق کا کتنا خیال تھا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا ہرگز ایسا نہ کرتا۔ وہ فون کر کے ریسیور رکھ کر مڑی تو سبکتگین کو دروازے پر کھڑے پایا جو اسے کافی غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ اس وقت فون کر کے ہانی کو سلجوق کو بلانا ضروری تھا وہ کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے تھے اپنوں کے پاس تھے۔''

اسے سبکتگین کا غصہ کرنا بھایا نہیں۔

''مجھے اکیلے سونے کی عادت نہیں ہے ناں اس لیے۔'' اس نے لولی لنگڑی سی دلیل دی۔

''دوسروں کو اکیلا کر دینے کی عادت ہے۔'' وہ تلخی سے بولا اور پلٹ گیا۔ یہ ہانی اور سلجوق تو اس کے رقیب بنتے جا رہے تھے جب بھی دیکھو اس کے پاس گھسے رہتے ہانی تو اس کی جان چھوڑتا نہیں تھا سلجوق سارا دن کے پیچھے پیچھے گھومتا رہتا اور اس بے خبر کو بھی تو ان دونوں کے سوا دنیا جہان کی گویا خبر ہی نہیں تھی لگتا تھا اس کی جان ان دونوں میں ہے وہ ذرا بھی اوجھل ہوتے وہ بے قرار ہو جاتی گزشتہ کچھ روز سے اسے یہ محبت و لگاوٹ ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی نہ جانے کیوں جی چاہتا کہ وہ ان سے لاپروا ہو جائے۔

☆☆☆

اسے مراد کے ساتھ سول کپڑوں میں کہیں جانا تھا اس نے مراد سے کہا تھا تم تیار رہنا میں تمہیں اپنی گاڑی میں پک کر لوں گا۔ سبکتگین شرٹ پہننے لگا تو دیکھا اس کا اوپر والا بٹن ڈھیلا ہے یوں لگ رہا تھا کسی بھی لمحے ٹوٹ کر گر جائے گا اس نے رباب کو آواز دی وہ ہانی کو اٹھائے چلی آئی۔

''یہ بٹن تو ذرا ٹھیک کر دو۔'' اس نے شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''دیکھیں ہانی اتنی مشکل سے چپ ہوا ہے اگر میں نے اسے نیچے اتارا تو یہ پھر رونا شروع ہو جائیگا آپ خود بٹن لگا لیں ناں۔'' اس نے ہانی کو چمکارتے ہوئے اسے مشورہ دیا تو سبکتگین کی رگیں تن گئیں۔

''محترمہ سی ایس ایس کے بعد میں نے پولیس کی ٹریننگ لی تھی بٹن لگانے کی نہیں۔'' اس کا اندرونی غصہ چہرے پر بھی جھلک آیا تھا۔

رباب گھبرا گئی۔

''اچھا دیں لگا دیتی ہوں۔'' اسے غصیلے لوگوں سے ڈر لگتا تھا اس لیے ہانی کو ٹیبل کے ساتھ کھڑا کر کے فوراً اس کے پاس آئی سبکتگین خاصا لمبا تھا رباب کو پنجوں کے بل کھڑے ہو کر بٹن لگانے کا معرکہ سر کرنا پڑ رہا تھا ہانی چلتے چلتے اس کے پاس آ گیا تھا وہ بٹن کے سوراخ میں سوئی ڈالتے ہوئے ہانی کی طرف متوجہ ہوئی۔

''ہانی جانو بس ایک منٹ'' ہاتھ شرٹ پر مصروف عمل تھے اور نظر ہانی پر، سوئی بڑے زور سے سبکتگین کے سینے میں گھسی تھی۔

''ہائیں یہ سوئی کہاں گئی۔'' وہ ذرا اونچی ہوئی۔

''یہ ہے سوئی۔'' اس نے زور سے سوئی کھینچ کر نکالی تو وہاں خون کا ایک ننھا سا قطرہ ابھر آیا۔ یہ چھوٹی موٹی تکلیف اس کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی، تکلیف تھی تو رباب کی بے نیازی کی جو اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی ہانی ہی میں اٹکی ہوئی تھی۔

''ایم سوری میں نے دیکھا ہی نہیں۔''

''ہاں میں بھلا آپ کو کہاں نظر آ سکتا ہوں جائیں ہانی کو اٹھائیں وہ آپ کے لیے بے قرار ہو رہا ہے۔'' وہ سخت رکھائی سے بولتا وارڈ روب سے دوسرا سوٹ نکالنے لگا رباب کو آپ مخاطب کرنا اس کی ناراضگی کی نشاندہی کر رہا تھا مگر رباب کو کہاں پروا تھی وہ تو جان چھوٹنے پر شکر ادا کرتی ہانی کو لے کر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

آج سلجوق اس کے بیڈ روم میں گھس گیا تھا اور خاصی دیر اس کی اہم چیزوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا نہ جانے کس طرح اس نے سیاہی کی بوتل کھولی تھی کھلی بوتل چھوٹ کر فائل پر گر گئی تھی سبکتگین نے دیکھا تو زوردار تھپڑ دے مارا وہ زور سے رونے لگا رباب بھاگتی ہوئی آئی۔

''پاپا انکل نے مارا ہے، پپا انکل نے مارا ہے، پپا انکل گندے۔'' اس نے گال پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھے اس بری طرح سے وہ سسک کر رو رہا تھا رباب نے جھٹ اسے اٹھا لیا تھا۔

''کتنے سنگدل باپ ہیں آپ، آپ جیسا شقی القلب شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے، آپ نے اس معصوم کو کتنی زور سے تھپڑ مارا کیا اسے لگا نہیں ہوگا، نفرت ہے مجھے آپ سے۔'' وہ سلجوق کے ساتھ خود بھی رو رہی تھی روتے روتے وہ اسے اٹھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

سلجوق کسی طرح بھی چپ ہونے میں نہیں آ رہا تھا اسے دیکھ دیکھ کر ہانی بھی روئے جا رہا تھا اور وہ ان دونوں کو لپٹائے رو رہی تھی جیسے آج

ہی یتیم ہوئی ہو۔سلجوق اور رباب نے رات کو کھانا نہیں کھایا اور یونہی سو گئے۔

سبکتگین کے دل میں تاسف کی لہر سی اٹھی اسے خود پر بے پناہ غصہ آ رہا تھا بھلا رباب کا بدلہ سلجوق سے لینے کی کیا تک تھی اس نے تو کبھی اسے ڈانٹا تک نہیں تھا اور آج اس پر ہاتھ اٹھا بیٹھا تھا اسے بھی چین نہیں آ رہا تھا بستر پر جیسے کانٹے اگ آئے تھے وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ہانی اور سلجوق کے مشترکہ بیڈروم کی طرف بڑھا۔ہانی آج بے بی کاٹ میں سو رہا تھا رباب اور سلجوق ساتھ سوئے ہوئے تھے۔رباب کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور دوسرا اس کے گرد مضبوطی سے لپٹا ہوا تھا سلجوق نے بھی اسے آخری سہارے کی طرح تھاما ہوا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے پاس آ کے کھڑا ہو گیا اور سلجوق کو اس کے گھیرے سے نکالنے کے لیے جھکا رباب کی آنکھ کھل گئی سلجوق بھی جاگ گیا ساتھ ہی اور بھی مضبوطی کے ساتھ رباب سے لپٹ گیا تھا۔

''یار معاف کر دو ناں مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔''اس نے اسے رباب سے الگ کر ہی لیا۔

''نہیں ہے آپ ہمارے پاپا انکل پپا تو بہت اچھے ہیں جب وہ آئیں گے تو میں انہیں بتاؤں گا کہ پپا انکل بہت گندے ہیں۔''تو بہ کتنا سنگدل بچہ ہے اسے باپ سمجھنے سے انکار ہو گیا۔

''ہاں ہاں بیٹا بتانا۔''اس نے اپنے لب سلجوق کے گال پر رکھ دیے اور اسے سینے سے لپٹا تا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آج ہم دونوں سوئیں گے صبح میں تمہیں ڈھیر ساری چاکلیٹس دلاؤں گا۔''وہ اسے لالچ سے اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔رباب کو دل میں بہت غصہ آیا وہ اسے اٹھا کر چلتا بنا تھا۔

دوسرے روز ڈیوٹی سے واپس آ کر تمام وقت ہانی اور سلجوق کے ساتھ کھیلتا رہا اب ان دونوں کا واضح طور پر جھکاؤ اس کی طرف تھا رات وہ کھیلتے کھیلتے اس کے پاس ہی سو گئے تھے رباب کو بری طرح رونا آیا وہ ظالم دیو بچوں پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا تھا وہ ہانی کو لینے اس کے پاس آئی دونوں بھائی سو رہے تھے اور وہ بیٹھا موٹی سی کتاب میں غرق تھا اس نے ہانی کو اٹھانا چاہا تو اس نے روک دیا۔

''آں ہاں نہیں یہ میرے بچے ہیں میرے پاس سوئیں گے۔''

تو کیا وہ ان کی کچھ نہیں لگتی جو ان سے اتنی محبت کرنے لگی ہے پہلے اسے اپنے بچے یاد نہیں آئے جو آج حق جتا رہا تھا اس کے گلے میں پھندا سا لگنے لگا گویا اس کی ساری ریاضتیں بیکار رہی تھیں وہ چپ چاپ واپس آ گئی رات ہانی جب گلا پھاڑ پھاڑ کر رویا تو والد محترم خود اسے رباب کے پاس چھوڑ گئے۔

☆☆☆

رباب دوپہر کو سو کر اٹھی تو ڈرائنگ روم سے باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں اس نے جھانکا تو سجل آپی تھیں ساتھ میں سبکتگین بھی تھا۔

''ہائیں یہ کب آئے اور سجل آپی......''وہ سوچ رہی تھی۔

''سبکتگین بھائی اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے، ارے رباب آؤ ناں رک کیوں گئیں میں آئی تو تم سو رہی تھیں انہوں نے روک دیا کہ مت

اٹھانا'' سجل کی نظر بولتے بولتے اس پر پڑی تو اسے پکار لیا وہ اس کی گود میں سر رکھ کر کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

''آپی میں آپ کے پاس آ کر رہنا چاہتی ہوں میں بہت خوفزدہ ہوں۔'' اتنے دنوں بعد آپی کو دیکھ کر دل ضدی بچہ بن گیا تھا وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں پر انگلیاں پھیرنے لگی جیسے امی پھیرا کرتی تھی وہ بھی تو رات کو ان کے پاس سوتی تھی سجل کو اکثر اوقات ہنسی آ جاتی تھی۔

''اتنی بہادر بنتی ہو چڑیا سا دل ہے۔'' وہ اسے چھیڑتی تھی۔

''رباب اب تمہارے لیے وہاں کچھ نہیں بچا ہے مت آنا کوئی تمہارا منتظر نہیں ہے یہی تمہارا گھر ہے کیوں سبکتگین بھائی۔'' اس نے تائید چاہی۔

''نہیں آپی میں جاؤں گی میری امی کی نشانیاں ہیں پپا اور بڑے ابو کی خوشبو ہے وہاں، میں جاؤں گی اپنے کمرے میں، آپ کے پاس سوؤں گی''

وہ مان ہی نہیں رہی تھی سجل زچ ہو گئی وہ اس بے وقوف لڑکی کو کیسے سمجھائے کہ اس گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں ہے تو رباب کے لیے کہاں گنجائش ہو گی شاہ میر کے پروپوزل کے بعد فضا میں تناؤ سا آ گیا تھا کیوں کہ افشاں، خمار اور اسماء کے لیے مطلوبہ رشتہ مل ہی نہیں رہا تھا اس عالم میں کوئی پروپوزل سجل کے لیے آئے کسی کو کہاں گوارا تھا۔ فہد الگ غصے میں تھا جیسے سارا قصور ہی اس کا ہو۔

ڈور بیل بجی سبکتگین اٹھ کر چلا گیا واپسی پر اس کے ساتھ احتشام تھا سجل اسے دیکھ کر چونک گئی۔

''رباب آؤ مہمان کی خاطر مدارت کرتے ہیں۔'' سبکتگین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور باہر لے گیا۔ کمرے میں خاصی دیر خاموشی طاری رہی احتشام کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

''سجل کیسی ہیں۔''

''ٹھیک ہوں۔''

''سجل میں آپا کو ایک بار آپ کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں احتشام خدارا ایسا مت کریں مجھ میں اور تیر کھانے کی ہمت نہیں ہے میرے ساتھ ان تیروں کی لپیٹ میں میری معصوم بہن رباب بھی آ جاتی ہے میں خواب نہیں دیکھنا چاہتی۔''

میں خزاں کی دھوپ کا ہوں آئینہ میں اک ہوں کہ ہزار ہوں
کہیں آنسوؤں کے قافلہ کہیں جگنوؤں کی قطار ہوں
کوئی تارا ٹوٹ کے گر گیا کوئی چاند چھت سے اتر گیا
کسی آسماں کی چال ہوں جو بکھر گیا وہی ہار ہوں

''نہیں سجل خدارا ایسے مت کہو میں تمہیں ٹوٹا تارا نہیں بننے دوں گا بس تم ایک بار ہاں کر دو باقی تمام کام سبکتگین کرے گا۔'' وہ منت سے بولا اب احتشام کی یہاں موجودگی کی وجہ اسے سمجھ میں آئی تھی اس خیال سے وہ جھینپ گئی کہ سبکتگین کو سب کچھ پتہ ہے۔

''مگر رباب کو کوئی ٹھیس نہیں لگنی چاہئے۔'' وہ نیم رضامندی سے بولی۔

''بابا نہیں لگے گی رباب کو ٹھیس، اس کے لیے سبکتگین کافی ہے یہ اب اسی کا کام ہے تمہیں شاید اس کے لیے اتنا اداس دیکھ کر جیلس ہی ہو جائے۔'' وہ مزے سے بولا۔

''کیوں۔''

''تمہارے لیے کوئی اتنا زیادہ فکر مند ہو تو میں اس سے ڈوئل لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤں گا وہ تو پھر پولیس آفیسر ہے آیا سمجھ شریف میں کہ نہیں۔'' وہ شوخ لہجے میں بولا تو سجل کے چہرے پر لالی چھا گئی۔

رباب آدھے گھنٹے سے ٹرے سجائے اندر جانے کے لیے بے تاب کھڑی تھی مگر سبکتگین دروازے کے آگے جما کھڑا تھا دو بار اسے ڈانٹ بھی چکا تھا۔

''آپ مجھے اندر کیوں نہیں جانے دے رہے، سب کچھ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم کیوں عین وقت پر ولن کی طرح انٹری دینا چاہتی ہو، خوامخواہ ظالم سماج بننے کا شوق ہے تمہیں۔'' پھر اس نے ڈانٹ دیا۔

''مجھے کوئی شوق نہیں ہے ظالم سماج بننے کا۔'' وہ اس الزام پر تلملا گئی۔

''ہے ناں جبھی تو کہہ رہا ہوں اور میرے معاملے میں تم ہی ظالم سماج ہو۔'' وہ مزے سے بولا۔

''اچھا مجھے جانے دیں کافی دیر ہو گئی ہے انہوں نے بات کر لی ہو گی۔'' سبکتگین نے اس کو احتشام کی وجہ آمد سے آگاہ کر دیا تھا اس کے لیے یہ خوشی کی بات تھی کہ سجل آپی کی ان سے شادی ہو جائے۔

''مجبور ہیں تو ہم مختار تو تم ہو۔'' رباب ٹرے لے کر نکلی تو پیچھے سے وہ گنگنایا اس نے سنی ان سنی کر دی۔ کمرے کا ماحول بدلا بدلا لگ رہا تھا احتشام بھائی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی اور سجل آپی جھینپی جھینپی لگ رہی تھیں سبکتگین کے روکنے کی وجہ اسے سمجھ میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

پھر اس صدی کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہوئی سجل کے لیے کہ سب گھر والوں نے احتشام کا پروپوزل اوکے کر دیا خوشی سے رباب کی حالت غیر ہو گئی تھی امی کے مرنے کے بعد یہ سب سے پہلی اور بڑی خوشی اسے ملی تھی ورنہ اپنی شادی تو اسے جرم ہی لگتی تھی جب لوگ کہتے کہ بڑی کے بجائے پہلے چھوٹی کی کیوں ہوئی تو اسے بہت دکھ ہوتا اس نے اپنی خواہش اور خوشی سے تو اپنی شادی نہیں کی تھی۔

سبکتگین دیر سے گھر آنے لگا تھا وہ اور احتشام دونوں ساتھ نکلتے تھے پھر سبکتگین نے سجل کی شادی کے لیے ڈھیروں شاپنگ کی اس کے لیے گفٹس خریدے رباب کو سجل کے لیے اس کی یہ توجہ یہ محبت و اپنائیت بہت اچھی لگی تھی۔ سجل کی مایوں کی رات جب سب چلے گئے تو وہ رو پڑی تھی سبکتگین اور رباب وہیں تھے۔

''سجل کیوں رو رہی ہو۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''آپ نے میرے لیے بھائیوں سے بڑھ کر کیا ہے۔ اگر میرا سگا بھائی ہوتا تو وہ بھی نہ کرتا آپ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔'' وہ بھیگے بھیگے

لہجے میں بول رہی تھی۔

''میں انسان ہوں فرشتہ نہ بناؤ کیونکہ فرشتے میری طرح نہیں ہوتے اور میں تمہارا بھائی ہی تو ہوں تمہاری مشکلات کے دن گنے جا چکے ہیں تم کوئی لاوارث اور بے سہارا نہیں ہو، میں ہوں تمہارا محافظ تمہارا بھائی۔'' اس نے تجل کے سر پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تو وہ اس کے کندھے سے سر لگا کر خوب روئی وہ دھیرے دھیرے اس کا سر تھپکتا رہا تجل کے رونے میں کمی آ گئی۔

تجل اور احتشام کی شادی پورے دھوم دھڑکے کے ساتھ ہوئی۔ عاقب بھی آیا ہوا تھا۔ رباب نے دیکھا اس کا چہرہ بجھا بجھا سا ہے یہی حال فہد کا تھا اس کے چہرے پر سب کچھ کھو دینے کا غم نمایاں تھا آنکھیں دھواں دھواں تھیں۔ رباب نے ایک بات نوٹ کی کہ جیسے شادی کی یہ رسمیں مجبوری کی حالت میں سرانجام دی جا رہی ہوں آمنہ اور رفعت چچی کے ہونٹوں پر مجروح سی مسکراہٹ تھی افشاں اور خمار اسے پوری شادی میں نظر نہیں آئیں۔ اسے عریشہ اور موموکی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ کہتی تھیں دیکھیں گے جب تمہاری تجل آپی کے لیے کوئی شہزادہ آئے گا اور سچ مچ وہ شہزادہ آ گیا تھا۔ قیدی شہزادی کو رہا کروا کر وہ آسودہ فضاؤں میں لے گیا تھا جہاں گھٹن اور حبس نہیں تھا۔ اللہ نے صابروں کے لیے بشارت دی ہے تجل کو صبر کے انعام میں احتشام جیسی خوش خبری ملی تھی شادی کے تیسرے دن وہ احتشام کے ساتھ ورلڈ ٹور پر نکل گئی۔ رباب کو یہ سب خواب لگ رہا تھا جیسے آنکھ کھلے گی تو وہی منظر ہو گا مگر تائی آمنہ رفعت چچی کے اترے ہوئے چہرے اسے باور کرا رہے تھے کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔

☆☆☆

سلوط اور نگی دونوں آئی ہوئی تھیں۔ رباب کھانے کے بعد انہیں کمرے میں لے آئی۔

''ویسے رباب حیرت کی بات ہے تم نے آج تک سبکتگین کی پہلی بیوی کے بارے میں نہیں پوچھا۔'' نگی بولی۔

''کبھی خیال ہی نہیں آیا۔'' وہ مروت سے مسکرائی حالانکہ یہ جھوٹ تھا وہ اس کی پہلی بیوی کے بارے میں سوچتی تھی کہ وہ کیسی تھی اسے کہاں ملی تھی اور کیا بات ہوئی تھی اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا اس قتل والی بات کو سوچ کر وہ اکثر خوفزدہ ہو جاتی تھی اس کی ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ اس سے پوچھے۔

''میری ممی کی پھپھو کی بیٹی تھی نازاں، اس کے ساتھ بھائی جان کی شادی ہوئی تھی۔'' سلوط نے دھماکہ کیا۔ ''اور پتہ ہے سبکتگین نے اسے بہکایا تھا وہ اس کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ مانسہرہ میں دونوں کی شادی ہوئی تھی پھر اس سنگدل نے نازاں باجی کو قتل کر دیا اور بچوں کو لے کر یہاں آ گیا۔'' سلوط کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

رباب کے دل میں زلزلہ برپا ہو گیا کیا واقعی یہ شخص اتنا سنگدل ہے اگر ایسی ہی بات ہے تو یہ کتنا بڑا اداکار ہے کتنے روپ ہیں اس کے، سلوط نے نازاں کے رنگ وروپ کا نقشہ کھینچا تھا اس کی بتائی گئی تفصیل کے مطابق وہ بہت خوبصورت تھی پھر اس شخص نے اس...... معصوم سی لڑکی کو کیوں قتل کر دیا جس سے اس نے خود لو میرج کی تھی۔

''رباب یہ تمہاری ہمت ہے کہ تم اس کی بیوی بننے پر تیار ہو گئیں ہم نے شادی سے پہلے تمہاری تائیوں کو سبکتگین بھائی کی زندگی کے ایک ایک گوشے کے بارے میں بتا دیا تھا اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ ان کی جھٹ پٹ شادی کرنے کے لیے تیار تھیں ان کا کہنا تھا کہ تم عیب دار ہو۔''

نگی نے ایک تیر جیسے اس کے پہلو میں اتار دیا اسے شادی سے پہلے یہ سوچنے کی مہلت ہی نہیں ملی تھی کہ وہ کونسا جی دار ہے جس کے ساتھ اس کی شادی ہو رہی ہے وہ تو سمجھ رہی تھی کہ نگی اور سلوط بے خبر ہیں مگر یہاں تو سارے جہان کو اس کے ناکردہ گناہ کی خبر تھی اپنی دانست میں تائی نے اس پر احسانوں کا بوجھ لاد دیا تھا۔ احتشام اور شاہ میر کے رشتے جب تجل کے لیے گئے تو فوراً انکار کر دیا گیا اور سبکتگین کا رشتہ فوراً ہی قبول کر لیا گیا تھا اس لیے کہ وہ قاتل تھا شقی القلب تھا سنگدل تھا دو بچوں کا باپ تھا اس کی انہی ''خوبیوں'' کی وجہ سے اس کی شاندار پرسنالٹی سے قطع نظر ہاں کر دی گئی تھی اگر عریشہ، عطیہ، افشاں یا موموکے لیے ایسا پروپوزل آتا تو کیا اس پر کوئی سوچنے کی زحمت بھی گوارا کرتا کھٹ سے انکار کر دیا جاتا۔

اسے تایا چچا پر بھی حیرت ہو رہی تھی وہ بیویوں کے بہکاوے میں آگئے تھے ایک قاتل کے ساتھ کس آسانی سے اسے نتھی کر دیا تھا کیا خبر وہ اسے بھی مار کر تیسری شادی کر لیتا۔

''کیا سبکتگین بھائی کو علم ہے۔'' سلوط معنی خیز انداز میں بولی تو رباب نے موضوع بدل دیا۔

''آپ کی ممی کہاں ہوتی ہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''یہیں ہوتی ہیں اپنے پرانے گھر میں۔''

''انہوں نے بیٹے کی شادی میں شرکت کیوں نہیں کی۔'' رباب نے پوچھا تو نگی نے کھٹ سے جواب دیا۔

''بیٹے کے کرتوتوں کی وجہ سے، انہوں نے ان کی کزن کو مار دیا وہ کیسے شادی میں آتیں۔''

رباب کا دل چاہا پوچھے کہ پھر آپ نے یہ شادی کیوں کروائی تھی۔

اسے سوچوں کے حوالے کر کے وہ چلی گئیں رباب کو سبکتگین سے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا وہ آیا تو وہ کمرے سے ہی نہیں نکلی رات اس نے زبردستی اسے پڑھانے کے لیے اٹھایا اس کا ذہن کتابوں کے بجائے نازاں اور سبکتگین میں پھنسا ہوا تھا اور بلیو پرنٹ اور بلیو لائنوں والی شرٹ پہنے کسی بھی گرم کپڑے سے بے نیاز اسے پڑھا رہا تھا وہ اسے دیکھ رہی تھی مضبوط قد و قامت کسرتی جسم مقناطیسی نگاہیں عمدہ ڈریسنگ مضبوط عہدہ کیا یہ شخص قاتل ہو سکتا ہے؟ اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوچا پھر وہ نازاں کے خیالوں میں مگن ہو گئی نازاں جیسی حسین و نازک لڑکی یہ شخص اس پہ مکمل اختیار و دسترس رکھتا ہو گا ان کی محبتوں کی گواہی ہانی اور سلجوق کی صورت میں تھی نازاں ان مضبوط بازوؤں میں موم بن کر سمٹ آتی ہو گی پھر پھر اس نے کیوں قتل کیا؟

وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی سبکتگین کافی دیر سے اس کی یہ کیفیت نوٹ کر رہا تھا رباب کی نظریں ستائشی انداز میں تکی ہوئی نہیں تھیں بلکہ ان میں ایک الجھن اور گہرائی تھی۔

''آج یقین آ گیا کہ واقعی میں بہت ڈیشنگ اور ہینڈسم ہوں۔'' سبکتگین نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تو وہ حواسوں میں آ گئی۔

''بس میں اب اور نہیں پڑھوں گی نیند آ رہی ہے۔''

وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا رباب کے ذہن میں شور سا مچ گیا ''قاتل قاتل''

''میں سونے جارہی ہوں۔'' اس کی حیران نظروں کے سامنے سے وہ اٹھ آئی۔

دوسرے روز سلوط اور نگی اسے ممی سے ملوانے لے گئیں وہیں اس پہ پہلی بار عقدہ کھلا کہ یہ سبکتگین کی دوسری ممی ہیں۔

''خوب، تو تم وہ ہولڑکی جو نازاں کی جگہ لینے آئی ہے۔'' انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک اسے گھورا۔ ''مت اس خوش فہمی میں رہنا کہ اسے جیت لوگی۔ ''سبکتگین ولا'' میں قدم رکھنے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو جیسے نازاں چلی گئی ہے ویسے تم بھی چلی جاؤ گی۔ یوں اوپر۔'' وہ سرگوشی میں بول رہی تھیں۔

''آؤ میں تمہیں اس درندے کا کمرہ دکھاؤں جہاں وہ زبردستی اپنے سفلی جذبات کی تسکین کی خاطر اسے لے گیا تھا'' وہ زبردستی اسے کھینچتی ہوئی ایک کمرے میں لے گئیں۔

''یہاں...... یہاں نازاں تھی اور وہاں وہ تھا۔'' وہ عجیب بہکے بہکے انداز میں بول رہی تھیں۔

''پھوپھو اور حسن میرا سب کچھ لوٹ کر لے گئے ہیں مگر دیکھنا میں ایک ایک پیسہ لوں گی، انصر کے مرنے کے بعد انہوں نے میرے اوپر بہت ظلم کیا ہے۔ دیکھو حسن مجھے روز انجکشن لگاتا تھا کہتا تھا کہ میں پاگل ہوں تم بتاؤ میں کوئی پاگل ہوں۔'' وہ اسے جھنجھوڑنے لگیں رباب مارے خوف کے تھرا گئی سلوط نے اسے چھڑایا وہ پھر اس کے قریب آگئیں۔

''تم بہت پیاری ہو بہت نازک ہو وہ تمہیں گلا گھونٹ کے مارے گا۔'' انہوں نے اشارے سے اسے بتایا۔

رباب کا جی چاہا یہاں سے بھاگ نکلے عجیب وحشت ناک سناٹا تھا اس گھر میں، رباب نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ گھر تو بہت شاندار ہے مگر فرنیچر برائے نام ہے اور جو ہے وہ بھی سیکنڈ ہینڈ ہے۔

''دیکھا سبکتگین کی اس حرکت نے ان کا کیا حال کر دیا ہے، ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ یہ نفسیاتی مریضہ ہیں۔'' سلوط نفرت سے بول رہی تھیں۔

جب رباب واپس آئی تو دیکھا کہ سبکتگین کی گاڑی پورچ میں کھڑی ہے اسے بہت خوف محسوس ہوا ہانی سے تو اسے کوئی خطرہ نہیں تھا مگر سلجوق بھانڈا پھوڑ سکتا تھا وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے پوچھا کہاں گئی تھیں تو کیا جواب دینا ہے وہ اوپر سے اترتا نظر آیا۔

''سلوط اور نگی کی طرف گئی تھیں۔'' اس نے پوچھا تو رباب نے اثبات میں سر ہلایا منوں بوجھ اس کے سر سے اتر گیا تھا۔

☆☆☆

وہ صبح سے ہانی اور سلجوق کو لے کر کہیں گیا ہوا تھا جب وہ رات آٹھ بجے کے قریب گھر میں داخل ہوا تو اکیلا تھا رباب کا خیال تھا کہ وہ نگی یا سلوط کی طرف ہوں گے اس نے فون کر کے پوچھا تو انہوں نے کہا یہاں تو وہ صبح سے نہیں آئے ہیں۔ وہ واش روم میں تھا رباب بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

''ہانی اور سلجوق کہاں ہیں؟'' بے قراری اس کے لہجے سے عیاں تھی۔

''جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا وہیں ہیں۔'' وہ اطمینان سے بالوں میں برش کر رہا تھا۔

''بتائیں آپ انہیں کہاں چھوڑ آئے ہیں۔''اسے گڑبڑ کا احساس ہوا۔

''بتایا تو ہے وہ محفوظ جگہ پر ہیں۔''اس کے اطمینان میں فرق نہیں آیا تھا۔

''کہیں......کہیں آپ نے انہیں مار تو نہیں دیا ہے''اس کی آواز ڈوب رہی تھی۔

''ہاں۔''

اس ہاں نے رباب کے اندر سوئی ضدی، خودسر اور بہادری رباب کو بیدار کر دیا جو نتائج کی پروا کیے بغیر مخالف سے لڑ جاتی تھی اسے یہ بھی بھول گیا کہ اس کے سامنے قاتل کھڑا ہے اس نے اچانک ہی سبکتگین کا گریبان تھام لیا تھا۔

''ظالم انسان اپنے نام کا ہی بھرم رکھ لیا ہوتا، وہ تو ہرنی کی آنکھ میں آنسو برداشت نہیں کر سکا تھا اور تم کیسے باپ ہو اپنے بچوں کو ہی مار دیا، پہلے بیوی کو مارا اب بچوں کو مار دیا، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ یکدم بھپری ہوئی شیرنی بن گئی تھی سبکتگین کو اس نے نوچ ڈالا شرٹ پھاڑ دی۔ نازک ہاتھوں سے پوری قوت سے کام لیتے ہوئے اسے مکے مارے سبکتگین نے اس کا ہاتھ اچانک روک لیا۔

''بس حساب پورا ہو گیا ہے، چاہے تم اس طرح مجھ پر گھنٹوں قوت صرف کرتی رہو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی، مت سمجھنا کہ بہت طاقتور ہو اگر میں خاموش رہا ہوں تو اس لیے میں کسی پر ناحق ظلم روا رکھنے کا قائل نہیں ہوں، تھانے میں میں نے تمہیں بید مارے تھے وہ حساب اب تم نے پورا کر لیا ہے اس کے بعد اگر تمہارے حواس ٹھکانے نہیں آئے تو مجھے دماغ درست کرنا اچھی طرح آتا ہے میری نرمی کا اس طرح فائدہ مت اٹھاؤ۔''

وہ دھاڑا تو رباب کا دل جیسے رک سا گیا اسے اپنی موت بہت قریب نظر آنے لگی تھی نازاں کی طرح وہ بھی ابھی بے جان ہو جائے گی۔ شاید یہ جیک ہارپر کی طرح کرائم ہسٹری میں نام پیدا کرنا چاہتا ہے تین قتل کر چکا ہے چوتھا میرا ہو گا ہائے میری سجل آپی اب مجھے کبھی بھی نہیں دیکھ سکیں گی۔ احتشام بھائی میری صورت کو ترس جائیں گے تائی رقیہ، چچی آمنہ اور رفعت چچی کتنی خوش ہوں گی سلوط اور نگی کو علم ہی نہیں ہو گا کہ میں مرنے والی ہوں ہانی اور سلجوق تو مجھ سے مل کر بھی نہیں گئے کاش آخری بار انہیں سینے سے لگا کر ڈھیر سارا پیار کر لیتی اتنا دکھ تو نہ ہوتا کون روئے گا میرے لیے صرف سجل اور احتشام بھائی۔

یہ شخص مجھے یقیناً اذیت دے کر مارے گا وہ لیڈی پولیس بھی تو کہہ رہی تھی کہ ڈی ایس پی کو خوبصورت لڑکیوں پر رحم نہیں آتا۔''

وہ دراز کھول رہا تھا رباب کے دل نے ایک اور بیٹ مس کر دی۔

''ابھی اس میں سے کوئی ریوالور یا شاید کوئی چھرا نکالے گا زہر بھی تو ہو سکتا ہے سنا ہے کہ ''سنائنائڈ'' بہت سریع الاثر زہر ہوتا ہے اگر انسان ننگے ہاتھ پکڑے تو ناخنوں کے اندر گھس کر انسان کو مار دیتا ہے۔ میرے لیے تو ایک قطرہ ہی کافی ہو گا۔ کتنی تھوڑی عمر تھی میری وہ بھی غموں سے بھری۔''

وہ اس کی طرف پلٹا رباب ہوش وخرد سے بیگانی ہوتی نیچے گری تھی۔

☆☆☆

''مسماۃ نازاں بانو آپ کو سبکتگین اظفر سے نکاح قبول ہے۔'' مولوی صاحب اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس نے پہلی بار ہی اثبات میں سر ہلا دیا اس کے لیے سبکتگین کا نام ہی کافی تھا نازاں فتح و کامرانی کے نشے میں اس قدر چور تھی کہ اظفر کو انصر سمجھی۔

''تھینک یو نازاں بانو تم نے میری بہت بڑی مشکل آسان کر دی ہے۔'' مولوی صاحب کمرے سے نکلے تو سبکتگین اس کے بستر کے پاس آ کر بولا وہ کچھ نہیں سمجھی سبکتگین نے دروازے کی طرف منہ کر کے کسی کو آواز دی۔

''آ جاؤ دلہن صاحبہ انتظار کر رہی ہیں۔'' نازاں سمجھی اس کے دوست کی بیگم ہو گی وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

''یہ لو اپنی دلہن، سبکتگین بس خیال رکھنا بیچاری تھوڑی پاگل ہے۔'' نازاں نے ساری مصنوعی شرم و حیا بالائے طاق رکھتے ہوئے سر اٹھایا سبکتگین کمرے سے جا رہا تھا اس کی جگہ سرخ سرخ آنکھوں والا ایک شخص کھڑا تھا۔

''کون ہو تم، کیوں آئے ہو میرے کمرے میں، سبکتگین کہاں ہے'' وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

''میں ہی سبکتگین ہوں میرے ساتھ تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' اس کی سرخ سرخ وحشت ناک آنکھوں کے برعکس لہجہ خاصا ملائم تھا۔

''تم جھوٹ ہو فراڈ ہو۔ میری شادی سبکتگین کے ساتھ ہوئی تھی'' وہ بے قابو ہو رہی تھی۔

''بے چاری لڑکی سبکتگین بتا رہا تھا کہ اس کا دماغ یونہی الٹ جاتا ہے خیر۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا نازاں اسے آگے بڑھتے دیکھ کر شکست خوردہ انداز میں ڈھے گئی تھی اسے یہ حقیقت سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ سبکتگین نے اس سے اس کی مکاری اور جھوٹ کا بدلہ لے لیا ہے۔

دوسرے دن سبکتگین انصر چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ سجائے اسے مبارکباد دینے آیا تنہائی پاتے ہی وہ آہستگی سے بولا۔

''سبکتگین سے اس سارے قصے کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس شادی کو نبھاؤ کسی طرح بھی اگر چاہو تو ممی کو اطلاع دے سکتی ہو ہاں یہ مت سمجھنا کہ اس بار میں حسن سے مار کھاؤں گا تمہاری مکاری کا اس سے بہتر جواب میرے پاس نہیں تھا۔'' پھر اس کے آنے پر وہ خاموش ہو گیا۔

سبکتگین اظفر چوری کے جھوٹے الزام میں اس کے پاس لایا گیا تھا اس کے والدین حیات نہیں تھے وہ بے چارہ اپنا دفاع بھی کرنے کے قابل نہیں تھا سبکتگین جان گیا کہ یہ بے قصور ہے اس کی کوششوں کے باعث سبکتگین اظفر کی جان بخشی ہو گی بعد میں اسی نے سبکتگین کو نوکری دلائی وہ کرائے کے مکان میں رہ رہا تھا سبکتگین نے مخلصانہ مشورہ دیا کہ شادی کر لو وہ جب خود پپا کے چالیسویں پر گیا تو نازاں کو دیکھ کر ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح ذہن میں لپکا اس نے تمام منصوبہ تیار کر لیا اپنی توہین کے احساس سے اب بھی اس کا رواں رواں بھڑک اٹھتا تھا نازاں کو سزا ملنی چاہئے تھی۔ سبکتگین نے سبکتگین اظفر کو بتایا کہ لاہور میں میری ممی کی کزن ہے دماغی طور پر کمزور ہے اسی وجہ سے کہیں اس کا رشتہ بھی نہیں ہو رہا ہے گھر والے الگ اس سے بیزار ہیں سبکتگین اس کی باقی بات سمجھ گیا اس کا احسان اتارنے کی خاطر وہ نازاں سے شادی کے لیے تیار ہو گیا۔

نازاں نے دل سے اس بندھن کو قبول نہیں کیا تھا ہر وقت اس سے لڑتی جھگڑتی رہتی ایسے میں سبکتگین اس کے پاس مشورے کے لیے چلا جاتا۔ نازاں اور سبکتگین کی شادی کے اڑھائی سال بعد سلجوق پیدا ہوا دو سال بعد ہانی آ گیا سلجوق اس سے مانوس تھا انکل کہتے کہتے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی کبھی کبھی بے دھیانی میں اس کے منہ سے پپا انکل نکل جاتا آہستہ آہستہ اس کا یہ نام پختہ ہو گیا سبکتگین خوب ہنستا پھر اس روز وہ تلخ واقعہ پیش

آیا۔ سبکتگین ان کے گھر آیا ہوا تھا نازاں اور سبکتگین اظفر کی چھت پر سے زور زور سے بولنے اور جھگڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں نازاں بھاگتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

''نازاں تمہیں میری بات سننی ہوگی۔'' سبکتگین نے اترتی نازاں کا بازو تھامنا چاہا تو اس نے جھٹکے سے چھڑایا اور لڑکھڑاتی قلابازیاں کھاتی وہ سیڑھیوں سے لڑھکنے لگی آخری سیڑھی پر آ کر وہ ساکت ہوگئی سبکتگین اظفر چیخنے لگا محلے والے جمع ہو گئے سبکتگین ابھی تک اس صورتِ حال پہ حیران تھا کسی نے پولیس کو اطلاع کر دی نازاں کو ہاسپٹل لے جایا گیا اور اسے پولیس پکڑ کر لے گئی مسلسل سات روز ہو گئے تھے نازاں کو ہوش نہیں آیا تھا وہ کومے میں تھی ادھر پولیس نے سبکتگین کا چار روزہ ریمانڈ لے لیا نازاں کے ہوش میں آنے تک سبکتگین انصر سے سبکتگین اظفر نے اپنے بچوں کا خیال رکھنے کی تاکید کی۔ چند روز بعد اس کا تبادلہ ہونے والا تھا اس نے کہہ سن کر لاہور ٹرانسفر کرا لیا اور سب سے پہلے ہانی اور سلجوق کو لے کر اس کی نانی کے پاس گیا اس نے تمام حالات بتاتے ہوئے معافی مانگی انہوں نے اس کی کسی بات کا بھی یقین نہیں کیا اور کہا کہ وہ تمہارے ساتھ گھر سے بھاگی تھی تم نے دل بھر جانے کے بعد اسے قتل کر دیا ہے اور اب اس کی بیہوشی کا ڈھونگ رچا رہے ہو وہ حسن کے پاس بیرونِ ملک چلی گئیں فرزا کی حالت بہت خراب تھی پھوپھو اور حسن نے انصر کی موت کے بعد اسے خوب ستایا تھا حق مہر میں اس کے نام لکھی گئی کوٹھی ہتھیا لی بینک بیلنس ہڑپ کر دیا اور جس گھر میں رہائش پذیر تھے اس کا تمام قیمتی فرنیچر اور چیزیں تک نہیں دیں شکر تھا کہ فرزانگی اور سلوط کی شادیاں کر چکی تھیں۔ اپنی پھوپھو اور حسن کے اس فراڈ نے ان کا دماغ ہی پلٹ دیا اور وہ ایب نارمل سی ہوگئی تھیں۔

سبکتگین نے سلوط اور نگی کی طرف رجوع کیا وہ اس تمام حالات کا ذمہ دار بھائی کو سمجھ رہی تھیں پھر بھی وہ اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگئیں اس لیے بھی کہ اس نے ممی کو گھر سے نہیں نکالا تھا جو اس کے نام تھا پھر بھی دل میں گرہ سی تھی برسوں کا زہر تھا اتنی جلدی کیسے ختم ہوتا ہانی اور سلجوق سے وہ ایک ماہ میں ہی بیزار ہوگئیں بھائی کو مشورہ دیا کہ شادی کر لو۔ سبکتگین اظفر نے اس سے التجا کی تھی کہ بچوں کو حقیقت سے لاعلم رکھا جائے وہ مشکل میں پھنس گیا تھا خاندان میں اس کی شہرت قاتل کے نام سے خوب ہو رہی تھی دو دن اسے جب ہانی اور سلجوق کو سنبھالنا پڑ گیا تو وہ بوکھلا گیا سلوط اور نگی کی بات سچ نظر آنے لگی کہ شادی ہر مسئلے کا حل ہے اس نے سر جھکا دیا کم از کم وہ رات کو آرام سے سو تو سکے گا۔ ادھر سلوط اور نگی بھی ذمہ داری سے جان چھوٹنے پر خوش تھیں۔

سبکتگین کو بارہا معصوم اور باحیا سی رابعہ کا خیال آیا جو بڑی مہربان اور پرخلوص سی تھی اڑھائی سال پہلے اس کی بھی شادی ہوگئی تھی وہ اپنے سارے کام چھوڑ کر سب گھر والوں کے لیے تحائف لے کر اس کی شادی میں گیا تھا ذیشان اور رابعہ دونوں کی شادی ساتھ ہو رہی تھی سبکتگین کو رابعہ کا ہونے والا شوہر ندیم پسند آیا تھا اس کی آمد پہ سب گھر والے بہت خوش تھے بار بار اس سے ایک ہی سوال کر رہے تھے اس نے اب تک شادی کیوں نہیں کی ہے وہ مسکرا کر سب کو ٹالتا رہا جب سلوط اور نگی اس کے لیے لڑکی پسند کر آئیں تو اسے رابعہ یاد آئی اگر اس کی شادی نہ ہو چکی ہوتی تو وہ اسے اولیت دیتا۔ اس دوران وہ ایک بار سبکتگین سے بھی جا کر ملا تھا وہ بے پناہ شرمندہ تھا اس نے کہا تھا جیسے ہی نازاں ہوش میں آ کر بیان دے گی میں رہا ہو جاؤں گا کیونکہ وہ ایک معمولی سی بات پر خود بھڑک اٹھی تھی وہ ہانی اور سلجوق کے لیے بہت بے قرار تھا سبکتگین نے سلجوق کو یہ کہہ کر بہلایا ہوا تھا کہ

تمہارے ممی پپا تمہارے لیے بہت ساری چیزیں لینے گئے ہوئے ہیں وہ بہل گیا تھا اس کا اسے پپا انکل کہنا سلوط اور نگی کو یقین دلا گیا تھا کہ وہی ان کا باپ ہے۔

وہ نیا نیا اس تھانے میں آیا تھا جب رباب اس تینوں لڑکیوں سمیت اس کے پاس لائی گئی تھی وہ سب اسے ہی قصوروار ٹھہرا رہے تھے سبکتگین کے اندر ایک اذیت پسند آفیسر چھپا بیٹھا تھا جو بے اختیار اسے مار بیٹھا تھا لیکن گھر آکر وہ پشیمان ہوا تھا لڑکی معصوم لگ رہی تھی پھر دوسرے روز ہاسپٹل کے کوریڈور میں اسے لہولہان دیکھ کر سبکتگین کو غصہ آیا تھا اور حیرانی ہوئی تھی۔

سلوط اور نگی نے بتایا کہ اس کی ہونے والی دولہن بہت معصوم اور خوب صورت ہے وہ سب کچھ بھلا کر آنے والے خوبصورت دنوں میں کھو گیا دل میں ننھے ننھے پھول کھلنے لگے تھے ایک زندہ جیتے جاگتے وجود پر ملکیت کا احساس نشہ بن کر رگ رگ میں دوڑنے لگتا وہ بھی اکیلے چلتے چلتے تھک گیا تھا مہربان زلفوں کا سایہ چاہتا تھا وہ آنے والی اس کے سارے کانٹے اپنے مہربان ہاتھوں سے نکالتی اور وہ اپنی وفائیں اپنے وجود کی تمام تر محبتیں اس کے نام لکھ دیتا سلوط اور نگی نے اس ان دیکھی لڑکی کی تعریف کر کے اسے سراپا انتظار بنا دیا تھا۔

اور پھر شب زفاف رباب کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے جھٹکا لگا تھا وہ توقع ہی نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اس کی دلہن ہو سکتی ہے اس نے کتنے شوق سے گھر سجایا تھا پھول اس کی راہوں میں بچھائے تھے نرم نرم کومل سے جذبوں پر اوس آگری تھی پھر دوسرے روز اس کی بہن نے اس کی عادات کے بارے میں اور اپنے حالات کے بارے میں بتایا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ رباب اپنے دلہاپے کی پروا کیئے بغیر کس طرح بھاگ کر کچن میں گئی تھی اس کا قیمتی سوٹ سیریلک گرنے سے داغدار ہو گیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی پھر اس نے کتنی جلدی ہانی اور سلجوق سمیت اس کے پورے گھر کو سنبھال لیا تھا۔

پھر ایک روز ایک فائل ڈھونڈتے ہوئے وہ میڈیکل رپورٹس اس کے ہاتھ لگیں جو تھانے سے وہ گھر لے آیا تھا یہ افشاں خمار......اور رباب کی میڈیکل رپورٹس تھیں جو جیل کے ہاسپٹل میں لیڈی ڈاکٹر نے ان کے جسمانی معائنے کے بعد مرتب کی تھیں ان تمام رپورٹس میں رباب اسد کمال کی رپورٹ کلیئر تھی یہ میڈیکل رپورٹ اس کی بے گناہی ثابت کر رہی تھی۔

سبکتگین اس روز ہلکا پھلکا ہو گیا (اب) فلموں والی بات کلیئر کرنی تھی وہ بہت ذہین پولیس آفیسر تھا سچ جاننے کے لیے اس نے رات کی تنہائی کا انتخاب کیا تھا اسے اپنی مردانہ وجاہت و کشش کا خوب اندازہ تھا رباب اس کی قربت سے جس طرح بوکھلائی اور چھوئی موئی بنی تھی میڈیکل رپورٹ اس سے اور بھی سچی ہو گئی تھی اگر وہ گوہر آبدار سے محروم ہوتی تو اس کی قربت سے یوں ہرگز خوف نہ کھاتی جن لڑکیوں کا ڈر ایک مرتبہ دور ہو چکا ہوتا کم از کم وہ رباب کی طرح بے ہیو نہیں کر پاتی ہوں گی۔

وہ زمانہ شناس پولیس آفیسر تھا جان گیا کہ رباب ابھی تک کلی ہے پھر جس طرح وی سی آر آن ہونے پہ وہ کمرے سے بھاگی تھی اس کی بلند کردار پختگی کے لیے یہی بات کافی تھی یقیناً وہ ایک باحیا اور عفت ماب لڑکی تھی بجل سے بھی اس دوران اس کی ایک دو ملاقاتیں ہوئیں اس کی حالات جان کر اس کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ سبکتگین نے چپ چاپ وہ رپورٹس لے جا کر آمنہ اور رفعت کے آگے رکھ دی تھیں جن میں ان کی لاڈلیوں کے کارنامے درج تھے ان کی ساری اکڑ اور غرور ختم ہو گیا تھا۔ بجل دھوم دھام سے رخصت ہوئی۔ سبکتگین کے دل میں رباب کے حوالے سے خوبصورت

جذبے پنپ رہے تھے جو ہانی اور سلجوق جیسے ننھے رقیبوں کی نذر ہو رہے تھے اسے رباب کی یہ توجہ بالکل نہیں بھا رہی تھی وہ جب بھی حال دل ظاہر کرنے کا ارادہ کرتے وہ اپنے راج دلارے ہانی کو لے کر کھڑی ہو جاتی سبکتگین نے بجل کو ہانی اور سلجوق کے والدین کی حقیقت بتا دی تھی جسے اپنی شادی کی تیاریوں میں کھو کر رباب کو بتانی یاد ہی نہیں رہی۔

خدا خدا کر کے نازاں کو ہوش آ گیا اور سبکتگین اس کے بیان کے بعد رہا ہو گیا ہوش میں آنے کے بعد وہ بالکل بدل گئی تھی ہانی اور سلجوق کے لیے وہ بہت بے قرار تھی جب اسے بتایا کہ صرف ہانی اور سلجوق کے لیے سبکتگین نے شادی کی ہے تو پہلی بار وہ اس کی ممنون ہوئی۔ سبکتگین خود انہیں چھوڑ کر آیا وہ دونوں بہت اداس تھے ہانی تو ماں کے پاس جا ہی نہیں رہا تھا سلجوق اس سے ناراض تھا کہ اس نے دولہن آپی کو خدا حافظ بھی نہیں کہنے دیا تھا نازاں نے اسے کہا تھا کہ ہم بہت جلد تمہاری دولہن آپی کا شکریہ ادا کرنے جائیں گے۔ اور جب وہ لوٹا تھا تو رباب نے ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا وہ اسے قاتل کہہ رہی تھی پہلے اسے ہنسی اور پھر غصہ آیا وہ کیسے سب کچھ بھلائے اس سے اُلجھ پڑی تھی۔

☆☆☆

''او مائی گاڈ اسے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ نیچے پڑی رباب کی طرف لپکا وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

''اے رباب۔'' سبکتگین نے اس کے رخسار تھپتھپائے آوازیں دیں وہ ہنوز اسی طرح پڑی رہی...... وہ پریشان اس کے پاس بیٹھا رہا شاید اس کے سخت لہجے نے اسے ہرٹ کیا تھا اس کی نبض، دل کی دھڑکن تقریباً نارمل تھی۔

رباب کی آنکھ وقت پر کھلی تھی یہ ہی وہ وقت ہوتا تھا جب وہ اٹھ کر ہانی کے لیے فیڈر تیار کرتی تھی اس کے لاشعور کے اندر شاید یہ احساس جاگزیں تھا تبھی اس کا ذہن بیدار ہوا تھا سب سے پہلا جو خیال اس کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد وہ جنت میں ہے گنگناہٹ کی آواز واضح تھی نامانوس سی آوازیں بھی آ رہی تھیں شاید جنت میں کوئی گا رہا ہے مگر جنت میں تو خوش الحان طائروں کے چہچہانے کا ذکر ہے یہ کوئی انسانی آواز تھی اس نے حواسوں کو حاضر کیا۔

سہمی سہمی ہوئی نگاہوں میں نئی امیدیں میں جگا دوں گا
سونی سونی سی ان راہوں میں پھول ہی پھول میں کھلا دوں گا
ان مہکتی ہوئی بہاروں میں تم میرے ساتھ مسکراؤ گی!
اس قدر پیار میں کروں گا تمہیں تم ہر اک بات بھول جاؤ گی

یہ تو اس کے قاتل کی آواز تھی اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اُف وہ ابھی اسی دنیا میں تھی دروازہ کھول کر وہ اندر آ رہا تھا اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اٹھو میری زندگی صبح ہو گئی ہے
جلدی سے آنکھیں کھولو جا کے منہ دھولو

سبکتگین نے چمچہ اس کے سر پر بجایا وہ ہانی اور سلجوق کو اسی طرح گنگناتے ہوئے جگایا کرتی تھی اور گود میں لے جا کر چیئر پر بٹھاتی تھی اس کا یہ سادہ دلکش انداز سبکتگین کو بے اختیار ہی سلجوق وہانی کی یاد دلا گیا تھا اس نے لاشعوری طور پر اسے اس کے ہی اسٹائل میں جگایا تھا اب سونے کی اداکاری کرنا فضول تھی وہ اٹھ بیٹھی سینٹر ٹیبل پہ ناشتے کی ٹرے دھری ہوئی تھی اور وہ خود اس کے بیڈ پر تھی وہ تیر کی طرح نیچے آئی تھی۔

ہائیں وہ رات بھر اس کے کمرے میں سوتی رہی تھی ایک قاتل کے کمرے میں۔اب اسے یاد آگیا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گری تھی۔

''رباب اسد کمال خادم ناشتہ تیار کر کے لایا ہے ذرا کھا کر بتائیں کیسا ہے''

وہ کہیں سے بھی تھانے والا سنجیدہ و بارعب ڈی ایس پی نہیں لگ رہا تھا وہ نہا کر رات والے کپڑوں میں ہی ملبوس تھا بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے تولیہ ہنوز گلے میں موجود تھا وہ لاابالی سا سٹوڈنٹ لگ رہا تھا جو ماں بہنوں کی غیر موجودگی میں خود ہی ناشتہ بنانے کی کوششوں میں لگا ہو ساتھ اسے اور بھی کام سرانجام دینے ہوں شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں اوپری گلے کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے بے چارے کو بٹن بند کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی اس لاپرواحلیے میں بھی وہ بڑا مکمل لگ رہا تھا۔وہ اٹھ کر باہر چلی گئی جب وہ کافی دیر تک نہیں آئی تو سبکتگین نے آواز لگائی وہ اٹھ کر خود ہی آگیا رباب سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''شیرنی صاحبہ آئیے ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے الٹا آپ سے ڈرنا چاہیے نہ جانے کب آپ بہادری کے مظاہرے پر اتر آئیں۔'' وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آیا۔

رباب نے صرف چائے لی اور ہلکے ہلکے سپ لینے لگی مکھن لگے توس کو اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اسے بار بار ہانی اور سلجوق یاد آرہے تھے آنکھوں میں ان کی صورتیں گھوم رہی تھیں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا یہاں تک کہ سامنے بیٹھا یہ شخص بھی۔

''یار ابھی تک تمہارا غصہ نہیں اترا لاؤ اور طاقت آزمائی کر لو قسم لے لو مجھ سے جو تمہارا ہاتھ روکا ہو'' سبکتگین نے ٹرے پرے سرکا دی۔

''لڑکیاں خوامخواہ اپنی مظلومیت اور کمزوری کا ڈھنڈورا پیٹتی ہیں کہ جی ہم کمزور ہیں مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتیں حالانکہ قدرت نے ان میں مقابلہ کرنے کے لیے مفت کے ہتھیار ناخنوں کی صورت میں سونپے ہیں جو تیر وتلوار سے زیادہ موثر ہیں تم بھی ان سے کل کی طرح کام لے سکتی ہو۔''

وہ واقعی بہت سنجیدہ لگ رہا تھا رباب کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''ہانی اور سلجوق کہاں ہیں۔'' وہ درد بھرے لہجے میں بولی۔

''یہ ہانی اور سلجوق کے علاوہ ہم کسی اور ایشو پہ بات نہیں کر سکتی بتایا تو ہے وہ اپنوں میں ہیں۔'' وہ ناراضگی سے بولا۔

''آپ سے بڑھ کر ان کے لیے کون اپنا ہوگا۔'' رباب کو اس کی بات کا یقین نہیں آیا تھا۔

''مجھے بس ایک بار ان سے ملوا دیں۔'' وہ بے اختیار ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام گئی تھی۔

''ٹھیک ہے ملوا دوں گا۔'' وہ بدمزا ہو گیا۔یہ ہانی اور سلجوق اوجھل ہونے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔

''نازاں اور سبکتگین جلدی آؤ مجھے اس بحران سے نکالو'' اس نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے رباب کچھ نہیں سمجھی۔

پھر نازاں اور سبکتگین آ گئے بمعہ ہانی و سلجوق کے رباب تو جہاں تھی وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

''ممی یہ ہی دولہن آپی ہیں میں اور ہانی رات ان کے پاس سوتے تھے یہ ہانی کا فیڈر بھی بناتی تھیں۔'' سلجوق اس پیاری سی درمیانی عمر کی عورت کو لیے آگے بڑھا رباب سلجوق سے لپٹ گئی تھی نازاں اور سبکتگین اس کی حد درجہ محبت سے بہت متاثر ہوئے آج نازاں کو پہلی بار اپنی غلطیوں کا احساس ہوا تھا اس نے محبت سے رباب کو لپٹایا تھا سبکتگین اظفر بھی بڑی اپنائیت سے ملے ہانی تو ہمک کر اس کی گود میں آیا تھا جس سے وہ بے پناہ خوش ہوئی۔

''سبکتگین تم ایک مکمل مرد ہو تمہیں رباب جیسی مکمل لڑکی ہی ملنی چاہیے تھی۔'' نازاں کی آنکھوں میں پچھتاوے کا دکھ نمی بن کر جھلک آیا تھا۔

سلوط اور نگی بھی بھائی کے بلاوے پر آ گئی تھیں نازاں کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ اپنے خیالات پر بے پناہ شرمندہ ہوئیں نازاں اپنی ممی کا پوچھ رہی تھی ان کی خود غرضی اور طوطا چشمی پہ اسے دکھ ہوا تھا وہ سب کچھ سمیٹ کر حسن کے پاس ہی چلی گئی تھیں ان دونوں ماں بیٹے نے ایک بار بھی تو اسے ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ شکر کیا تھا کہ اس نے لڑکا پھانس کر انہیں جہیز دینے کی زحمت سے بچالیا تھا۔ نازاں فرزا کے پاس بھی گئی وہ اٹھا اٹھا کر اس پر چیزیں پھینکنے لگیں سبکتگین اظفر کو نازاں کے ماضی کے بارے میں علم نہیں تھا اور اس کا لاعلم رہنا ہی بہتر تھا۔ نازاں کو پہلی بار شوہر کی بڑائی اور وفاؤں کا احساس ہوا وہ اسے اور بچوں کو آرام و سہولیات دینے کی خاطر بے پناہ محنت کرتا تھا مگر اسے احساس ہی نہیں تھا یہاں آ کر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں، سبکتگین کتنا اچھا تھا اس کے گھٹیا پن کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا ہاں یہ الگ بات تھی کہ بعد میں سب اس بات سے واقف ہو گئے تھے۔ رباب نے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کر ڈالا تھا وہ تین روز ان کے گھر رہے سلجوق نے وعدہ کیا تھا کہ ملنے آتا رہے گا ہانی کو چھوڑنے کا رباب کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا پر ایسا کرنا تو تھا ہی وہ اس کے ماں باپ تھے ان سے الگ کہاں رہا جا سکتا تھا۔

رباب اکیلی بیٹھی سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی کیسے کیسے انکشافات ہوئے تھے سبکتگین کی ذات جو معمہ بنی ہوئی تھی آج کھل کر سامنے آئی تھی اپنی کم مائیگی کا احساس شدید تر ہو گیا تھا وہ مسٹر کلین تھا مگر رباب کے ہاتھ ہرگز صاف نہیں تھے اس کی ذات خود اس کی اپنی نظر میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہی تھی وہ بھلا کیا تھی؟ اس سے اچھی تو نجل آپی رہی تھیں جنہیں ایک چاہنے والا مل گیا تھا۔

اسے لگتا تھا کہ سبکتگین کی نگاہیں کوئی پیغام دینا چاہتی ہیں اس نے کھل کر اظہار نہیں کیا تھا ڈھکے چھپے معنی خیز انداز میں اشارہ دے دیا تھا۔

''او ہو کیا سوچا جا رہا ہے۔'' سبکتگین اندر آ گیا تھا۔

''کچھ نہیں'' وہ ہاتھ کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔

''یقیناً تم میری ذات کے بارے میں سوچ رہی ہو چلو آؤ تمہیں آج اپنے بارے میں بتا ہی دیتے ہیں۔'' وہ فلور کشن گھسیٹ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ''اٹھائیس سال پہلے انصر گیلانی کے گھر میں، میں نے جنم لیا چار سال کا تھا جب مما فوت ہو گئیں پپا نے بہت جلد دوسری شادی کر لی نئی مما اور میں دونوں ہی ایک دوسرے کو پسند نہیں آئے ہمارے درمیان ہمیشہ ایک سرد سی کیفیت رہی پھر سلوط اور نگی پیدا ہوئیں میں یہ سمجھتا تھا کہ ان کی وجہ سے پپا میرے اوپر توجہ نہیں دیتے اس لیے ان کی خوب پٹائی کرتا فرزا ممی منہ سے تو کچھ نہ کہتیں مگر دل میں زہر پالتی رہیں جو ڈائریکٹ سلوط اور نگی میں منتقل ہو گیا، جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا اپنی حرکتوں پہ مجھے شرمندگی ہونے لگی میں سلوط اور نگی سے بولنا اور کھیلنا چاہتا تھا مگر ممی انہیں روک دیتیں۔

ممی کی کزن نازاں بھی ہماری گھر میں رہتی تھی مجھ سے تین برس بڑی تھی مجھے علم ہی نہیں ہوا کہ میرے بارے میں اس کے خیالات بدل گئے ہیں جب علم ہوا بہت دیر ہو چکی تھی وہ خود رات میرے بیڈروم میں چلی آئی اور میرے انکار پر چیخنا شروع کر دیا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے گھر والوں نے انتہائی قابل اعتراض حلئے میں مجھے اس کے ساتھ پکڑا پہلے نازاں کے بھائی حسن نے مجھے مارا پھر پپا نے، یقین کرو کہ مجھے مار کا افسوس نہیں تھا...... افسوس تھا...... تو اس الزام کا تھا جو میرے اوپر لگایا گیا تھا میں کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا حالانکہ صنف نازک نے مجھے بہت جلد احساس دلانا شروع کر دیا کہ میں بہت خاص ہوں، پپا جب مارتے مارتے تھک گئے تو کہا کہ اسے اٹھا کر کوڑے کے ڈرم میں پھینک آؤ۔"

سبکتگین یہاں پہنچ کر رک گیا اندرونی خلفشار سے اس کی رگیں تن گئی تھیں رباب دم بخود سن رہی تھی

"پھر ہمارے نوکر کا بیٹا مجھے خیراتی ہاسپٹل لے گیا میں ٹھیک ہوتے ہی وہاں سے بھاگ گیا مزدوری کی اور پھر کراچی چلا آیا جہاں غفور چاچا کا ہوٹل تھا میں نے ڈش واشنگ کی، ویٹر بنا وہ جان گئے کہ میں وہ نہیں ہوں جو بنا ہوا ہوں ان سے بات کرنے کے بعد میں اپنے ڈاکومنٹس لینے لاہور آیا وہ پھر مجھے اپنے گھر لے گئے ان کی ایک بیٹی تھی رابعہ فرسٹ ایئر میں پڑھتی تھی بہت خوبصورت اور خوب سیرت لڑکی تھی۔"

سبکتگین نے دیکھا رباب بہت غور سے سن رہی ہے۔

"میں رابعہ سے اور وہ مجھ سے محبت کرنے لگی جب میں سی ایس ایس کرنے کے بعد ٹریننگ کے لیے وہاں چلا آیا تو ہم نے وعدہ کیا کہ ایک دوسرے کو کبھی نہیں بھولیں گے میں اس سے شادی کا وعدہ کر کے آیا تھا۔" رباب کے چہرے پر تاریک سا سایہ لہرایا سبکتگین نے خود کو شاباش دی رباب بڑی گہری لڑکی تھی اپنے بارے میں اس کے خیالات وہ جان ہی نہیں سکا تھا جان بوجھ کر رابعہ کے بارے میں جھوٹ بولا تھا تاکہ دیکھے تو سہی اس کاری ایکشن کیا ہوتا ہے اس کا یہ وار کامیاب رہا تھا پھر وہ نازاں کے بارے میں بتانے لگا۔ اس کے ساتھ اپنی شادی کے سلسلے کا بتایا اپنی پسندیدگی قصداً گول کر گیا۔

"رابعہ کیسی تھی۔" جب وہ خاموش ہوا تو رباب نے پوچھا۔

"بہت حسین تھی یہ گھٹنوں سے نیچے بال پتلی کمر غلافی آنکھیں میدے سی رنگت متوازن ناک وہ شبنم تھی چاندنی تھی خوشبو تھی بہار تھی۔" وہ آنکھیں بند کیے جذب سے بولا رباب کے اندر کسی نے جیسے توڑ پھوڑ سی مچادی۔

"آپ نے اس کے ساتھ شادی کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔" وہ کمال ضبط سے کام لیتے ہوئے مسکرائی۔

"ہاں شادی کا وعدہ کیا تھا اس نے میری شادی کا سن کر خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی خواب آور گولیاں کھالی تھیں بڑی مشکل سے جان بچ سکی اس کی اور میرا نہ پوچھو بہت برا حال تھا۔ اسے اسٹریچر پر پڑے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ میں بھی اس کے ساتھ مر جاؤں اس کے بغیر میرے لیے زندگی بے معنی تھی بے رنگ تھی اس نے مجھے جینا سکھایا تھا غفور چچا کے میرے اوپر بہت احسانات تھے بلکہ ہیں میں ان کا بدلہ اتارنے کی سوچ رہا ہوں۔" اس نے کن انکھیوں سے رباب کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"آپ جب اسے اتنا چاہتے ہیں تو پھر اس کے ساتھ ہی شادی کر لی ہوتی۔" وہ تڑپ کر بولی۔

''میں مجبور ہو گیا تھا۔'' وہ غضب کی اداکاری کر رہا تھا۔

''ہونہہ مجبور اور مرد...... مجبور تو عورتیں ہوتی ہے۔'' تلخی سے بولی۔

''میں مجبور تھا یقین کرو ہانی اور سلجوق کو شاید وہ میرے اور اپنے درمیان پسند نہ کرتی میں خود بھی ان دونوں کی وقتی ذمہ داری اس کے اوپر ڈالنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ بہت نازک تھی کہاں دو بچوں کو سنبھال پاتی تم تو کمال کی لڑکی ہو سٹوڈنٹ ہوتے ہوئے بھی اتنی پھرتیلی ہو جبکہ رابعہ تو کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی میں نے بھی اس سے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا اس کے ہاتھ بہت نازک اور گداز ہیں گلاب کی طرح بلکہ وہ تو خود ہی سراپا گلاب ہے! تم نے ولیمے پر جو سوٹ پہنا تھا وہ میں نے اس کی پسند پر اس کے لیے لیا تھا بار ہا اسے اس ڈریس میں دیکھا تھا خیر اس کے لیے اور لے لوں گا ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ، اس کے لیے تو میری جان بھی حاضر ہے، میں تو ہوں ہی اس کا۔''

وہ مزے سے کہہ رہا تھا رباب اندر ہی اندر جیسے گہرائیوں میں گرتی جا رہی تھی۔

''تو یہ ہے تمہارا اصل روپ ڈی ایس پی سبکتگین انصر گیلانی، رابعہ ہے وہ ہستی جس نے تمہیں پیش قدمی سے روکا ہوا ہے تم نے پیش قدمی کی بھی تو اپنے مطلب اپنی غرض کے لیے تاکہ بچ جان سکو تم مجھے ہانی اور سلجوق کی آیا بنا کر لائے تھے، اسے شادی کے بعد کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دو گے میں نے کیا قصور کیا تھا کیا میں تمہیں گری پڑی لگتی ہوں جو تم نے دن رات مجھ سے نوکرانیوں کی طرح کام لیا۔'' اس کا دل اندر سے رو رہا تھا وہ سر درد کا بہانہ بنا کر اٹھ گئی۔

لے گا اور کیا ظالم امتحان شیشے کا
انگلیوں پہ ہیرے کی ہے نشاں شیشے کا
بیکراں سمندر میں مختصر جزیرہ ہے
کشتیاں ہیں پتھر کی اور بادباں شیشے کا

☆☆☆

عشق کا عین

عشق کا عین......علیم الحق حقی کے حساس قلم سے، عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کی داستان، ع......ش......ق کے حروف کی آگاہی کا درجہ بہ درجہ احوال۔ دورِ حاضر کا مقبول ترین ناول......ایک ایسا ناول جو آپ کے سوچنے کا انداز بدل کر آپ کی زندگی میں مثبت تبدیلی لے آئے گا۔ **کتاب گھر کے معاشرتی اصلاحی ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔**

میں ہجر کے عذاب سے انجان بھی نہ تھی
پر کیا ہوا کہ صبح تلک جان بھی نہ تھی
آراستہ تو خیر نہ تھی زندگی کبھی
پر تجھ سے قبل اپنی پریشان بھی نہ تھی
جس جا مکیں بننے کے دیکھے تھے میں نے خواب
اس گھر میں ایک شام کی مہمان بھی نہ تھی

صبح اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا تمام رات جلتے سلگتے گزری تھی سبکتگین کی خودغرضی پر اسے بہت تاؤ آیا تھا وہ ناشتے کے لیے بھی نہیں اٹھی وہ خود ناشتہ کر کے چلا گیا تھا اسے جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا رباب نے خود سے سوال کیا کہ اس کے معنی خیز جملے شوخ نگاہیں اور شریر سے پیغام کیا تھے دل نے کہا کہ اپنی غرض پوری کرنے کے بہانے تھے محض نظر کا دھوکہ۔ اسے صرف استعمال کیا گیا تھا۔

وہ آئندہ کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ رفعت چچی کا فون آ گیا خلاف توقع وہ میٹھی میٹھی باتیں کر رہی تھیں اس نے بے اختیار پوچھا میں آ جاؤں انہوں نے فراخدلی سے اجازت دے دی وہ گھر جوں کا توں چھوڑ کر چلی آئی چچی اور تائی ناراض ناراض لگ رہی تھیں لگ رہا تھا کہ کوئی طوفان آ کے گزرا ہے افشاں، خمار، اسماء اور مومو کا سلوک حیرت انگیز طور پر بدلا ہوا لگ رہا تھا وہ سب کتنے بااخلاق اور محبت کرنے والے لگ رہے تھے۔ رات ساری کزنز ایک کمرے میں جمع تھیں افشاں اور خمار نے اس سے معذرت کی اور بہت روئیں آمنہ اور رفعت چچی اسے رازدارانہ انداز میں الگ لے گئیں۔

''پتہ ہے تمہیں کچھ، بھائی صاحب تمہاری فیکٹری کا پیسہ کتنے سالوں سے اڑا رہے ہیں عطیہ عریشہ کی شادی جو شہزادیوں کی طرح ہوئی ہے تمہارے پیسوں سے ہوئی ہے فہد کی منگنی پر جو ٹھاٹ بھاٹ دیکھنے میں آئے ہیں تمہارا حق مار کر دکھائے گئے ہیں خدا کی مار ہو تیموں کا مال کھانے والوں پر کروڑوں روپے کھا چکے ہیں میاں بیوی۔''

آمنہ نے دانت پیسے۔

''مگر چچی تایا ابو کہتے ہیں کہ فیکٹری تو خسارے میں جا رہی ہے انہوں نے اپنا پیسہ لگا کر اسے سہارا دینے کی کوششیں کی ہیں جو ناکام ہوئیں تایا کے کہنے کے مطابق تو فیکٹری کئی سال سے بند ہے۔'' وہ یقین ہی نہیں کر پا رہی تھی۔

''اے لو سنو رفعت، دیکھا بچی کو کیسے بے وقوف بنایا ہے فیکٹری تو کبھی بھی بند نہیں ہوئی تھی اسد بھائی جب فوت ہوئے تو فیکٹری خوب منافع دے رہی تھی بھائی صاحب نے پھوٹی کوڑی بھی خرچ نہیں کی ہے الٹا تمہارے پیسوں سے تجوریاں بھرتے رہے تم بھائی صاحب سے اپنا حق

مانگو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں خود کو اکیلا مت سمجھنا'' چچی نے اسے سینے سے لگالیا آج اسے بہت اطمینان محسوس ہو رہا تھا۔

''رباب تم سے ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی۔'' آمنہ چچی نے اس کی پیشانی چومی تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

''کریں ناں۔'' وہ محبت سے بولی۔

''بیٹا سبکتگین کے پاس افشاں اور خمار کی میڈیکل رپورٹ ہے تم وہ ہمیں لا دو کیسے کہوں تم سے شرم آتی ہے، ہم نے جہاں پہلے افشاں اور خمار کی شادی سے انکار کیا تھا ان سے پھر تعلق جوڑ لیا ہے تھوڑے عرصے میں شادی ہو جائے گی اللہ بھی تو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے تم ہم پر احسان کر دو میری بچی، ہم بہت شرمندہ ہیں افشاں اور خمار کو معاف کر دو۔'' وہ دونوں رو رہی تھیں رباب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کونسی میڈیکل رپورٹ کی بات ہو رہی ہے اور وہ رو کیوں رہی ہیں بہر حال اس نے گھبرا کر حامی بھر لی۔

''دیکھنا گھر میں ہی کہیں ہوں گی کسی الماری یا دراز میں۔'' آمنہ لجاجت سے بولیں پھر وہ فہد کو کوسنے لگیں جس نے ناحق رباب کو مارا۔

وہ لان میں ٹہل رہی تھی کہ تائی نے اسے پکار لیا اس کا جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی وہ چلی گئی۔

''کب سے انتظار کر رہی ہوں ٹیبل سجا کر، آؤ کھانا کھا لو کتنے دنوں بعد تمہاری صورت نظر آئی ہے۔''

تائی نے کرسی گھسیٹ کر نکال کر دی۔ رباب کو ایک اور شاک لگا ٹیبل...... بھری ہوئی تھی۔

''ان چڑیلوں نے خوب تمہارے کان بھرے ہوں گے مگر یاد رکھنا انہوں نے جو کہا وہ جھوٹ ہے تم یہ لو فیکٹری کی چابیاں اور جا کر دیکھ آؤ خود اپنی آنکھوں سے اللہ ہمیں یتیموں کا مال کھانا نصیب نہ کرے۔''

تائی بین کرنے لگیں رباب حق دق رہ گئی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں اور تائی بری طرح رو رہی تھیں۔

''مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو فہد کی وجہ سے، پر یہ ان حرافاؤں کی وجہ سے ہوا ہے بڑی پارسا بنی پھرتی تھیں تم مجھے افشاں اور خمار کی میڈیکل رپورٹ لا دو دیکھنا پھر کیسے تمہاری بے گناہی ثابت ہوتی ہے میری بچی تو حوروں کی طرح پاک ہے فکر نہ کرنا دیکھنا تہمت لگانے والوں کا حشر کیا ہوتا ہے تم بس مجھے میڈیکل رپورٹ لا دو۔''

یہاں بھی میڈیکل رپورٹ کا چکر تھا اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا وہ کیا کرے پھر اس نے تائی کی بات ماننے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ وہ اس کی بے گناہی ثابت کرنے کی بات کر رہی تھیں۔ رباب دوسرے روز مغرب کے وقت لوٹ آئی گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گئی تھی اسے انجان سا خدشہ ہوا اسی وقت فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سلوط تھی۔

''تھینکس گاڈ تم آگئیں بھائی جان کی حالت کل سے خراب ہے میں رات ادھر ہی رہی تھی تھوڑی دیر پہلے آئی ہوں ڈاکٹر میرے سامنے بھائی جان کو دیکھ کر گیا ہے ان کی دوائیاں سرہانے پڑی ہوئی ہیں ہر دو گھنٹے بعد دینا۔'' سلوط تفصیل سے بتا رہی تھی۔ رباب اندر آئی تو دیکھا کہ وہ بے سدھ پڑا ہوا ہے چہرہ بخار کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا کمرہ بکھرا ہوا تھا اس نے جلدی جلدی چیزیں سمیٹیں اور دوبارہ اس کے پاس آئی سبکتگین کا بخار شدت پکڑ چکا تھا رباب نے ہیٹر بند کیا پھر اس پر سے کمبل اتارا اس کی شرٹ کے بٹن کھولے تاکہ اس کا ٹمپریچر نارمل ہو۔

ساون کا مہینہ شروع ہو چکا تھا دو تین دن ہونے والی بارشوں کی وجہ سے ٹھنڈک ہو گئی تھی شاید بے احتیاطی کی وجہ سے اسے بخار ہوا تھا کیونکہ رباب نے پوری سردیوں میں اسے ایک بار بھی گرم کپڑوں یا سویٹر میں نہیں دیکھا تھا مزے سے ہلکی سی شرٹ اور پینٹ میں گھومتا اور اب یوں بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا یوں لگ رہا تھا دوران ڈیوٹی ہی اس کی طبیعت بگڑی ہو گی کیونکہ یونیفارم اس کے جسم پر موجود تھا جسے اسے بدلنے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا رباب نے اس کی دھڑکن کو محسوس کیا جو بے حد تیز تھی۔

رات بارہ بجے رباب نے اسے بمشکل دوا کھلائی پھر رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب نیند سے بے حال ہوتے ہوتے وہ سو گئی تھی۔
سبکتگین کی طبیعت تقریباً چار بجے کے قریب کہیں جا کر سنبھلی اسے اب سردی لگ رہی تھی پسینہ بھی آیا تھا اس نے دیکھا ہیٹر بند ہے کمبل اس کے اوپر سے اترا ہوا ہے شرٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہیں اور وہ خود اپنے ہی بازوؤں میں سر دیئے سو رہی ہے سبکتگین نے اسے یونہی رہنے دیا اور کمبل اوڑھ کر سو گیا اب وہ مصنوعی بیمار بن کر اس کی تیمارداری کے سلسلے کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔

صبح وہ اٹھ کر فوراً ہی کام میں لگ گئی پھر دس بجے کے قریب وہ اس کے لیے سوپ بنا لائی سبکتگین مزے سے آنکھیں بند کیے ست انداز میں پڑا رہا رباب نے مشکل سے ہٹے کٹے سبکتگین کو بازو کا سہارا دے کر اٹھایا اس کوشش میں اسے دانتوں پسینے آ گئے یوں لگ رہا تھا وہ کوئی آہنی ٹھوس مجسمہ ہے جسے ہلانا بھی دشوار ہے وہ تھا ہی اتنے مضبوط اور کسرتی جسم کا مالک کہ رباب جیسی لڑکی کے لیے اسے سہارا دے کر اٹھانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا اس جدوجہد میں اس کی صندلی رنگت سرخ ہو گئی تھی۔

اس نے سبکتگین کو سوپ کا باؤل پکڑانا چاہا اس نے آگے ہاتھ نہیں کیے اس کا مطلب تھا کہ یہ کام بھی اسے ہی کرنا ہے۔
رباب گھر کے کام کاج سے فارغ ہو گئی تھی اس نے سبکتگین کے لیے کالی مرچوں والی بغیر گھی کی مرغی بنائی۔ جب وہ اندر لے کر آئی تو وہ سو رہا تھا رباب نے اسے آہستگی سے بلایا وہ کمزوری کے عظیم الشان ریکارڈ توڑتا اٹھ بیٹھا۔ کالی مرچوں کی پھیکی مرغی دیکھتے ہوئے اس کا پارہ ہائی ہو گیا پھر اسے خیال آیا کہ وہ بیمار ہے ”کھاؤ سبکتگین گیلانی یہ بیماروں والے کھانے۔“
”میرا سر دباؤ درد ہو رہا ہے۔“ اس نے فرمائش کی وہ کتنی دیر اس کا سر دباتی رہی پھر ہر پانچ منٹ بعد پوچھتی اب آرام ہے وہ ہر بار نفی میں جواب دیتا آخر میں وہ جل گئی۔

”اپنی رابعہ سے کہیں وہی دبائے آ کر۔“ وہ جل کر بولی تھیں سبکتگین ہنستا چلا گیا۔

رات وہ اپنے بیڈروم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا رباب کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھ گئی چند منٹ بعد ٹی وی بند کر کے وہ اس کے پاس چلا آیا۔
”شاباش میرے کمرے میں آ کر پڑھو۔“ وہ رعب سے حکم دے کر چلا گیا۔ رباب کچھ سوچ کر چلی آئی وہ کمرے میں نہیں تھا بیرونی دروازے لاک کر رہا تھا رباب نے جلدی جلدی اس کی پرسنل دراز کھولی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارا مطلوبہ چیز سامنے تھی اس نے اشتیاق سے پہلا صفحہ کھولا سب سے اوپر اسی کی رپورٹ تھی اس نے سب کچھ پلٹ ڈالا اور وہ بلیو فائل جس میں یہ رپورٹس لگی ہوئی تھیں اس نے نکال کر بیڈ کے گدے کے نیچے رکھ دی۔ وہ واپس آ رہا تھا رباب بیٹھ گئی اندر سے دل دھک دھک کیے جا رہے تھا۔

''آپ کی تائی چچی اور کزنز تو ٹھیک ہیں۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے عام سے لہجے میں بولا۔

''جی۔'' اس نے جی کہنے پر اکتفا کیا۔

''اگلے ہفتے آپ کا ایڈمیشن ہو جائے گا۔'' سبکتگین نے اسے خوشخبری سنائی مگر رباب کو خوشی نہیں ہوئی۔

''آپ خوامخواہ اتنا تردد کر رہے ہیں جب ہمیں الگ ہونا ہے تو یہ احسان کرنے کا فائدہ۔'' اس نے بڑی مشکل سے یہ جملہ ادا کیا تھا۔

''رباب اسد کمال تم نے میری بہت مدد کی ہانی اور سلجوق کی دیکھ بھال کی میرے گھر کا خیال رکھا کیا اس کے بدلے میں تمہارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا'' گویا احسانوں کا بدلہ تھا خدمات کا صلہ تھا رباب کی آنکھ سے دو آنسو ٹپکے اور زمین میں غائب ہو گئے سبکتگین نے دیکھ لیا تھا بکھری لٹوں کے ساتھ آنسو ضبط کرتی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی اس کے بالوں کی گھنی چٹیا ڈھلک کر آگے آ گئی تھی دوپٹہ سرک گیا تھا۔

''رباب تمہارے بال بہت لمبے ہیں۔'' وہ غور سے دیکھ رہا تھا بے اختیار اس کا جی چاہا رباب کی چٹیا کھول کر اس کے بال بکھیر ڈالے اور دیکھے وہ کیسی لگتی ہے۔

''رابعہ سے زیادہ لمبے ہیں۔'' اس نے لہجہ بے تاثر ہی رکھا تھا۔

''معلوم نہیں، میں نے تو کبھی انہیں ہاتھوں سے چھو کر بھی نہیں دیکھا۔''

اُف اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ''تو تمہیں منع کس نے کیا ہے، تم حق رکھتے ہو آہ مگر تم نے سارے حق رابعہ کے لیے سنبھال کر رکھے ہیں۔'' وہ صرف سوچ ہی سکی زبان سے کہہ نہیں سکی۔

''رباب تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔'' اس سوال پر اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''نہیں۔'' وہ ہونٹوں کو بے رحمی سے کچل رہی تھی سبکتگین کا جی چاہا اسے ایسا کرنے سے روک دے۔

''کیا کسی نے تم سے محبت کی۔'' ایک نیا حملہ۔

''معلوم نہیں۔''

''کمال ہے تم اتنی زبردست سی لڑکی ہو کسی نے تو تم سے اظہار محبت کیا ہوگا۔'' وہ جرح کر رہا تھا۔

''میں اتنے ماہ سے آپ کے ساتھ ہوں آپ نے کبھی مجھ سے اظہار محبت کیا ہے، نہیں ناں اس لیے کہ میں شاید ترس اور رحم کے قابل ہوں۔'' وہ خود اذیتی سے بولی۔

''کیا تو تھا ایک بار اگر یاد ہو تو۔'' وہ شریر لہجے میں بولا۔

''اظہار محبت یا تفتیش۔'' اس نے تڑخ کر پوچھا۔

☆☆☆

دن بہت تیزی سے گزر رہے تھے تائی کے ہاں سے میلاد کا بلاوا آیا تو اسے وہ میڈیکل رپورٹس بھی یاد آ گئیں جو اڑھائی ماہ سے وہیں پڑی ہوئی تھیں۔اس نے اٹھ کر انہیں شولڈر بیگ میں ٹھونسا جب وہ وہاں پہنچی تو بے اختیار ماضی اس کے ذہن میں لہرانے لگا جب وہ چھوٹی تھی تو امی میلاد کے روز اسے ساٹن کا چوڑی دار پائجامہ اور سفید ٹشو کا کرتا پہناتیں ہاتھوں میں موتیے کے سفید گجرے ہوتے وہ سجل آپی کے ساتھ مل کر خوش الحانی سے پڑھتی۔

ڈالو ڈالو نبی جی کو درودوں کے ہار

پہنو پہنو نبی جی درودوں کے ہار

پھر جب وہ ہائی سکول میں آئی تو قصیدہ بردہ شریف اسے پورا زبانی یاد ہو چکا تھا اس کی آواز میں اتنا سوز و گداز ہوتا کہ سننے والوں کی آنکھیں بھیگ جاتیں آج بھی مائیک سب سے پہلے اس کے حوالے کیا گیا۔☆

ہر طرف ایک مقدس سی خاموشی طاری تھی نعت پڑھتے ہوئے وہ پوری طرح اس ماحول میں غرق تھی آخر میں تائی اماں نے ہمیشہ کی طرح دعا کی اور کہا کہ ہمیں یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کرنی چاہیے ان کا مال ظلم و زبردستی سے نہیں کھانا چاہیے یتیموں کا مال کھانا جہنم کی آگ پیٹ میں بھرنے کے مترادف ہے وہ قرآن و حدیث کے حوالے دے رہی تھیں۔

رباب شان کے ساتھ واپس آ گئی۔

آج وہ کتنے مہینے بعد جائے نماز پر کھڑی ہوئی تھی جب وہ اللہ سے ناراض ہوتی یا کسی سے جھوٹ بول لیتی تو نماز پڑھنا چھوڑ دیتی تھی آج وہ بارگاہ الٰہی میں کھڑے ہوتے ہوئے بہت شرمندہ تھی وہ کیوں اس سے آزمائش کے موقع پر ناراض ہو گئی تھی جھوٹ نہ بولنے کے باوجود کیوں اتنا عرصہ اس کی قربت سے خود کو محروم رکھا کتنی بڑی سزا تھی یہ، وہ تو الحمد سے والناس تک پیار ہی پیار تھا محبت ہی محبت تھا دعا مانگنے سے اس کے اور بندے کے درمیان رابطہ رہتا ہے دعا مانگنے جھولی پھیلانے کے بعد اپنے آنسو اس کی رحمت کے حوالے کرنے کے بعد انسان سمجھتا ہے کہ پہلے وہ ایک چھوٹی سی ندی تھا جو اب ایک بحر بیکراں میں شامل ہو گئی ہے وہ ندی ہی ندی تھی۔ بحر بیکراں میں شامل ہونے سے محروم تھی کتنی کنجوس تھی وہ کتنی گھٹیا تھی وہ، اس نے ذرا سا آزمایا اس نے پیٹھ ہی موڑ لی۔

''آ اپنے رب کو منا لے'' کسی نے دل کے اندر سے سرگوشی کی۔

''اللہ میرے پیارے اللہ میرے طرف دیکھ ناں میں خالی جھولی لیے بیٹھی ہوں مجھے سب نے راندہ درگاہ قرار دے دیا ہے کیا تو بھی میرے ساتھ ایسا کرے گا پھر میں کس در پہ جاؤں گی۔''

وہ جائے نماز پہ سر پٹخ رہی تھی۔

ہجوم غم سے جس دم آدمی گھبرا سا جاتا ہے۔

تو ایسے میں اسے آواز پر قابو نہیں رہتا۔

وہ اتنے زور سے فریاد کرتا چیختا اور بلبلاتا ہے کہ جیسے وہ زمیں پر اور خدا ہو آسمانوں پر مگر احساس بھی ہوتا ہے کہ اس کی چیخ رکنے سے پہلے ہی

خدا کچھ اس قدر نزدیک سے اور اس قدر رحمت بھری مسکان سے اس کی تھپکتا اور اس کی بات سنتا ہے کہ فریادی کو اپنی چیخ کی شدت صدا کی بے یقینی پر ندامت سی ہونے لگتی ہے۔

اسے سجدے میں پڑے پڑے محسوس ہوا جیسے وہ نیند میں چلی گئی ہے اور خواب دیکھ رہی ہے تائی رقیہ تایا، چچا، چچی آمنہ چچی رفعت افشاں خمار لکی شانی جنید، فہد سب زنجیروں میں بندھے اس کے سامنے کھڑے ہیں پس منظر میں آگ جل رہی ہے۔ وہ ہڑ بڑا کر خود بخود جاگی تھی تمام جسم پسینے کی حدیں توڑنے کو بے قرار تھا ایک زوردار سسکی اس کے لبوں سے خارج ہوئی پھر تو دریا جاری ہو گیا دل موم ہو گیا۔

"اللہ اچھے اللہ بس اور کچھ نہیں چاہیے اپنی شفقت بھری آغوش میں چھپا لو میری جلتی تڑپتی روح کو سکون بخش دو" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی پھر اسے اپنی آواز پر کوئی قابو نہ رہا لگ رہا تھا ساری کائنات اس کے ساتھ رو رہی ہے تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر ایک نظر کرم کی بھیک مانگ رہی ہے۔

"اللہ میرے اچھے اللہ میرے پیارے اللہ۔" ہچکیوں سسکیوں آہوں کے درمیان روتے ہوئے وہ بلک بلک کر تکرار کر رہی تھی جائے نماز پر وہ بری طرح سر پٹخ رہی تھی سبکتگین کو اندیشہ ہوا کہیں وہ خود کو زخمی نہ کر لے اس نے آہستگی سے اسے چھوا اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی سبکتگین نے اسے زبردستی کھڑا کیا۔

"رباب اللہ نے سن لی ہے۔" وہ بولا رعب الٰہی سے لرزیدہ رباب کو اس نے بمشکل تمام قابو کیا اور اندر لایا اس نے کئی بار اسے آواز دی پر وہ ہوش میں ہوتی تو سنتی تمام رات وہ اس کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔

"اچھے اللہ پیارے اللہ۔" سبکتگین کو کسی بھی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی۔

☆☆☆

فہد افشاں اور خمار تینوں کی شادیاں ساتھ ہو رہی تھیں سجل واپس آ چکی تھی اب تو اسے وی آئی پی ٹریٹ منٹ مل رہا تھا رباب ایک ہفتہ پہلے ہی رہنے کے لیے آ چکی تھی سجل بھی تلخ یادیں بھلائے ہر کام میں پیش پیش تھی احتشام نے اسے اتنی محبتیں دی تھیں کہ وہ تمام کڑواہٹ کو پی گئی تھی افشاں اور خمار کی رخصتی کے روز فہد کی بارات تھی۔ پورا گھر جگمگ کر رہا تھا سجل رسٹ اور براؤن کنٹراس کے لہنگے چولی میں ہمیشہ کی طرح خوبصورت لگ رہی تھی ہاں رباب بہت اداس اداس تھی اس نے پوچھا تو وہ ٹال گئی آج افشاں اور خمار کی سسرال سے مہندی آئی تھی گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا بیرون ملک سے آئے رشتہ داروں کو گیسٹ رومز میں ٹھہرایا گیا تھا رباب نے دیکھا لکی بھی شادی میں آئی ہوئی ہے اس کے دل میں ایک منظر کانٹے کی طرح چبھا ہوا تھا جب اس نے لکی کو اس کے بھائی کے ساتھ دیکھا تھا وہ اس کے پاس پہنچ گئی اور سوال پوچھا۔

"کیا جنید خاور اور شانی آپ کے بھائی ہیں۔"

"سوئٹی تم بہت بے وقوف ہو، مطلب کے وقت گدھے کو بھی باپ بنایا جا سکتا ہے ویسے میرا ان تینوں کے ساتھ خون کا کوئی رشتہ بھی نہیں ہے۔" وہ مسکرائی رباب کی تسلی ہوئی وہ پلٹی تو اس نے دیکھا سبکتگین گہری نگاہوں سے لکی کو دیکھ رہا تھا وہ بھی والہانہ انداز سے اس کی طرف بڑھی۔

''ہائے آفیسر آپ نے تو ہمیں خدمت کا موقع ہی نہیں دیا۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی رباب ستون کی اوٹ میں ہوگئی پتہ نہیں اس نے کیا جواب دیا۔

''آپ جیسے ہینڈسم ڈیشنگ آفیسر کے لیے تو جان بھی قربان ہے۔'' وہ اک ادا سے جھکی تو اس کی ساڑھی کا سارا پلو زمین پر آ گیا۔

''ویسے حیرت ہے آپ نے رباب جیسی بے وقوف لڑکی سے شادی کر لی کیا ہم تھانے میں آپ کو نظر نہیں آئے تھے'' وہ ہنسی سبکتگین آگے بڑھ گیا تھا رباب نے دیکھا چچی رفعت اور چچی آمنہ سبکتگین کی راہوں میں بچھی بچھی جا رہی ہیں تائی رقیہ بھی پیچھے نہیں رہی تھیں۔ اسے یہ سب مصنوعی سا لگ رہا تھا جیسے در پردہ باب کوئی اور ہو منظر کوئی اور ہو، عدنان بھی آیا ہوا تھا رباب نے اسے نظر انداز کر دیا تھا وہ خود ہی اس کے پاس آ گیا تھا۔

''بہت خوشی ہوئی سبکتگین بھائی کی حقیقت جان کر اب ہم کو کوئی افسوس نہیں ہے سب غلط فہمیوں کا نتیجہ تھا۔''

اس نے پہلی بات ہی یہ کی رباب انگوٹھے سے زمین کھرچنے کی ناکام کوشش کرتی رہی ہر کوئی سبکتگین کی تعریف کر رہا تھا اس کی حقیقت جان کر خوش ہو رہا تھا مگر رباب خوش نہیں تھی رنگ و خوشبو کی یہ تقریب بھی اس کے بجھے بجھے دل کو زندہ نہیں کر سکی تھی دیواروں میں نصب ایمپلی فائرز سے بلند آواز میں گانے بج رہے تھے اس نے دیکھا کجل آپی سب لڑکیوں کے درمیان بیٹھی تالیاں بجا بجا کر گا رہی ہیں ان کا چہرہ کتنا بے فکر اور پر رونق تھا ٹین ایجز کی طرح فہد ریحان، احتشام، سبکتگین اور دوسرے لڑکے اپنی ٹولیاں بنائے خوش و خرم سے مگن بیٹھے ہوئے تھے کسی نے کیسٹ بدل دی تھی بار بار ایک ہی گانا نشر ہو رہا تھا عریشہ کسی سے کہہ رہی تھی کہ کیسٹ بدل کر لگاؤ۔

افشاں اور خمار بھی روایتی شرم و حیا بھلائے سب لڑکیوں کا ساتھ دے رہی تھیں ایک وہی بے چین تھی جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ کافی دیر ہو گئی تھی ابھی تک افشاں خمار کی سسرال والے نہیں آئے تھے لڑکیوں میں بے چینی پھیل رہی تھی وہ گلاب کی پتیوں کی طشتریاں اٹھائے استقبال کے لیے تیار کھڑی تھیں تایا نے فون کروایا جب وہ فون کر کے باہر آئے تو ان کے چہرے پر اندرونی خلفشار سے لکیریں سی پڑی ہوئی تھیں وہ آمنہ رفعت اسرار اور واحد کو اندر لے گئے اتنے میں کسی نے بتایا کہ گیٹ پر ایک گاڑی آ کر رکی ہے جس میں افشاں اور خمار کے دولہا اور ان کے والدین ہیں سب ان دونوں کے سر ہو گئیں کہ تمہاری سسرال تو بڑی ایڈوانس ہے۔ شان اندر سے سب کو بلا لایا تائی چچی چچا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں تب وہ دونوں لڑکے آگے بڑھے۔ ''ہمیں اس شادی سے انکار ہے'' پوری محفل میں سناٹا چھا گیا سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

بشیر اور ابرار تلخی سے بول رہے تھے۔ ''یہ دیکھیں اپنی بیٹیوں کے کارنامے۔'' ابرار کے والدین نے دو کاغذ کے صفحے اسرار کی طرف بڑھائے تب رباب نے دیکھا وہی میڈیکل رپورٹس ہیں جو اس نے تائی کو دی تھیں اس نے تو انہیں پڑھنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی ہر کوئی دلچسپی سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ''اپنی بیٹیوں پر نگاہ رکھا کریں یہ لکی عرف بہار کے بسائے گئے عشرت کدے میں ہفتے میں تین بار جاتی ہیں آپ کی اطلاع کے لیے عرض کر دیں کہ لکی اور اس کے تمام ساتھی سی آئی اے کی نظروں میں آ گئے ہیں کیونکہ وہ ملک دشمن جاسوس ہیں۔'' بشیر کے والد بولے پھر وہ تمام رشتے توڑنے کا اعلان کر کے چلے گئے تمسخرانہ طنزیہ نگاہیں افشاں اور خمار پر جمی ہوئی تھیں سرگوشیوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا تھا۔ ''توبہ توبہ کتنی شریف بنتی تھیں اپنی چچا زاد پر الزام لگاتی تھیں دیکھا کسی پہ جھوٹی تہمت لگانے کا انجام! بھری محفل میں بے عزت ہو گئی ہیں اور ماں باپ کو تو دیکھو پیسہ بنانے

میں مگن ہیں معلوم ہی نہیں اپنی لاڈلیوں کی سرگرمیاں! ایسی رسوائے زمانہ لڑکیوں کو تو بیچ چوراہے پر لٹکانا چاہیے۔''

اسرار، احمد آمنہ اور رفعت تو صدمے اور تاسف سے بت بنے ہوئے تھے اتنے میں ایرج اور اس کے گھر والے آ گئے ایرج نے انگوٹھی اتار کر فہد کے منہ پر دے ماری۔ ''معلوم ہی نہیں تھا کہ تم ایسی مشہور بہنوں کے بھائی ہو ان سے اچھی تمہاری کزن ہیں جو صبر سے سب کچھ سہہ گئی اس کے باوجود بھی تمہاری ماں اور آنٹیوں نے اسے چین نہیں لینے دیا ہر آئے گئے سے جھوٹے قصے نمک مرچ لگا کر بیان کرتی رہیں کسی کا صبر اتنا مت آزماؤ کہ آسمان کا قہر ٹوٹ پڑے۔ آپ نے تو ان یتیموں کو بھی نہیں بخشا مزے سے شوگر مل فہد کے حوالے کر دی کہ یہ تمہاری ہے خدا کے لیے ڈریں اس سے جو سب کچھ دیکھ رہا ہے آپ نے اتنی رسوائیاں سمیٹ لی ہیں کہ سات پشتوں تک کسی کو منہ نہ دکھا سکیں گے۔'' ایرج نفرت سے بول رہی تھی۔ پھر وہ بھی چلی گئی، یوں لگ رہا تھا جیسے روز محشر ہے اور عدالت لگی ہوئی ہے سب احتساب کی زد میں تھے اسرار نے افشاں کو بالوں سے پکڑا اور واحد نے خمار کو قابو کیا۔

''اور جس نے جو کچھ کیا ہو گا وہ خوب جان لے گا۔''

رباب جیسے کسی خواب سے جاگی تھی وہ ان کے پیچھے بھاگی تو فہد نے اسے پکڑ لیا۔

''رباب انہیں اپنی سزا بھگتنے دو تم کتنی معصوم اور شفاف تھیں میں جان ہی نہیں سکا جو اپنی بہن کے سائے پر نظر رکھتی ہو خود اس کی نظر کیسے بہک سکتی ہے، دیکھیں یہ سب، رباب شفاف ہے آئینہ ہے جس پر گرد نہیں ہے۔'' وہ جیسے پاگل ہو گیا تھا ایک ایک کے پاس اسے لے کر جا رہا تھا۔

''فہد بھائی بس کریں بس کریں۔'' وہ اس سے اپنا بازو چھڑانا چاہتی تھی۔

''رباب تم مجھے ایسے ہی لہولہان کرو جیسے میں نے تمہیں کیا تھا میں گناہگار ہوں مجرم ہوں۔''

رباب یکدم بے جان ہو گئی تھی اسے وہ خواب یاد آ گیا وہ گھاس پہ بیٹھتی چلی گئی تھی۔

''اللہ میرے اللہ، بس کرو میرے اچھے اللہ، مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ چہرہ چھپائے ہچکیاں لے رہی تھی۔

دوسری صبح قیامت اپنے جلو میں سمیٹ کر لائی جس اخبار سے اشتہارات کے معاملے میں کمال برادرز کی کھٹ پٹ چل رہی تھی انہوں نے بمعہ تصویر افشاں اور خمار کا اسکینڈل چھاپا تھا لکی جیسی رسوائے زمانہ لڑکی سے ان کی دوستی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا لکی عرف بہار کے بارے میں بڑی سنسنی خیز خبریں تھیں، مقامی رپورٹر کے مطابق لکی عرف بہار فلموں میں کام کرنے کے چکر میں لاہور سے آئی تھی فلموں میں تو اسے چھوٹے موٹے رول ملے ایک فلمساز نے اسے خاور اور جنید سے ملا دیا وہ مستقل ان کے پاس رہنے لگی خاور اور جنید اعلیٰ درجہ کے بلیک میلر تھے ان کے پاس فلموں کا ذخیرہ تھا جو بیرون ملک سے اسمگل ہو کر آتا تھا لکی کالج سٹوڈنٹس کو پھانس کر اپنے بنگلے پر لاتی تھی جہاں بھولے بھالے معصوم ذہنوں میں زہر بھرا جاتا تھا یہ زہر نشہ منشیات سے زیادہ خطرناک تھا یہ زہر نسلوں کو بھی تباہ کر رہا تھا۔ رباب خوش قسمت تھی جو بچ گئی تھی حالانکہ وہ گروہ کے نئے رکن شانی کو بری طرح بھائی تھی۔ لکی کی کارروائیاں دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں وہ پولیس کی نگاہوں میں آ گئی تھی جنید اور خاور شانی کے ساتھ پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے بہت سارے شرفاء کا پول کھل گیا تھا اسرار اور واحد نے افشاں خمار کو گرفتاری سے بچانے کے لیے گولی مار دی تھی اور خود جیل میں تھے دونوں کی زندگی

باقی تھی بچ گئی تھیں اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھیں لکی کے ساتھ، موموعریشہ اور عطیہ کے شوہر اپنی اپنی بیویوں کو میکے چھوڑ گئے تھے انہیں بھی بیویوں کے ماضی پر اعتبار نہیں رہا تھا رقیہ رفعت اور آمنہ خوب لڑ رہی تھیں ایک دوسرے پر الزام لگا رہی تھیں تایا اب چپ چپ سے ہو گئے تھے فہد نے فیکٹری سجل اور رباب کے حوالے کر دی تھی اور خود غائب ہو گیا تھا تائی رقیہ نیم پاگل ہو گئی تھیں۔

کہتے ہیں جو پیسہ ناجائز ذرائع سے کسی کا حق مار کر یا دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کیا جائے وہ حرام ہوتا ہے اور یہ حرام پیسہ جب غذا بن کر معدے میں اترتا ہے تو رنگ دکھا کر رہتا ہے۔ جس اولاد کے لیے تایا چچا نے یتیم و یسیر بھتیجیوں کا حق مارا تھا وہی اولاد بے راہ رو نکلی تھی یعنی حرام پیسہ رنگ لا کر رہا تھا دس سال پہلے جس فیکٹری سے انہوں نے اولاد کے لیے رزق کا ذریعہ پیدا کیا تھا دس سال بعد اس رزق کا حساب بدترین طریقے سے پورا ہوا تھا اسلام نے ایسے ہی تو حلال رزق تلاش کرنے کی تلقین نہیں فرمائی ہے۔ دو تین سال سے زاہد کمال، اسرار اور واحد کو فیکٹری سے حاصل ہونے والے منافع میں پھوٹ پڑی تھی سلوک ختم ہو گیا تھا آمنہ اور رفعت کے دل بھی برے ہو گئے تھے کہ بھائی اور بھابی اکیلے عیش کر رہے ہیں آمنہ اور رفعت نے رقیہ کو دھمکی دی کہ وہ رباب کے شوہر کو بتا دیں گی کہ تم لوگ اس کی فیکٹری دبائے بیٹھے ہو رقیہ کو آگ لگ گئی تھی سجل کی شادی سے پہلے سبکتگین نے انہیں افشاں اور خمار کے کرتوتوں کا ثبوت پیش کیا جس کی وجہ سے انہوں نے احتشام کے رشتے کی حمایت کی، تائی وہی ثبوت رباب کے ذریعے قبضے میں لینا چاہتی تھیں۔ رباب کو علم ہی نہیں تھا کہ پیچھے کیا کہانی ہے اس نے تائی کو میڈیکل رپورٹس لا دیں جو انہوں نے افشاں خمار کی سسرال بھجوا دیں جو آگ انہوں نے لگائی خود بھی اس میں بھسم ہو گئیں رباب کی بے گناہی کا ثبوت یوں بھرے گھر میں ثابت ہوا تھا۔

☆☆☆

"رباب جان ان سب واقعات کو خوفناک خواب سمجھ کر بھلا دو یہ اسی طرح ہونا تھا تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے اللہ نے ان سے اسی قدر بدلہ لیا ہے جتنی انہوں نے ہمارے ساتھ برائیاں کی تھیں یہ ہمارے صبر کا انعام ہے کاش امی آج زندہ ہوتیں تو ہم دونوں کو ہنستے بستے دیکھ کر کتنا خوش ہوتیں، رباب میں تو اپنے تمام زخم بھلا کر سب کو معاف کر چکی تھی میں نے تو انہیں کبھی بددعا بھی نہیں دی تھی اللہ بڑا منصف ہے جو اس نے چاہا وہی ہوا اب تم خود کو سنبھالو اچھا ایسا کرو میرے گھر چلو امی جی بہت خوش ہوں گی۔" اس نے اپنی ساس کا نام لیا احتشام نے بھی پر زور تائید کی۔

"جاؤ چندا بیگ میں کپڑے ڈالو کیوں سبکتگین اجازت ہے۔"

وہ پھر اس کی طرف شرارت سے گھوما تو وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگا۔

"بھول گئے ہو میرے احسانات کو۔" اس نے احتشام کو یاد دلایا تو وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر یاد کرنے کی اداکاری کرنے لگا۔

اس کی نگاہوں کے سامنے وہ رباب کو لے گئے وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکا۔

رباب گزشتہ تین چار روز سے اس قدر اداس و ویران تھی کہ سبکتگین نے دل میں خود کو ہزار ہا گالیاں دی تھیں وہ نازک سی لڑکی پہلے ہی دکھوں کے کوہ گراں تلے دبی ہوئی تھی اس نے رابعہ کا شوشہ چھوڑ کر اسے گہری کھائی میں پھینک دیا تھا جیسے۔ اب اس کا ارادہ تھا رباب کو اس شرارت کی حقیقت بتا کر معافی مانگ لے گا مگر وہ تو اب چلی گئی تھی۔

امی جی واقعی رباب سے مل کر بہت خوش ہوئیں مسز جواد بھی آگئیں اس کی آمد کی خبر سن کر۔ وہ سب اسے گھیرے بیٹھے تھے احتشام اسے اپنی دلچسپ باتوں سے ہنسا رہا تھا ماحول بہت روشن اور کھلا کھلا لگ رہا تھا دوسرے روز وہ اسے فیکٹری لے گیا نجل بھی اس کے ساتھ تھی قانونی کارروائی کے بعد دونوں بہنیں اس کی مالک تھیں رباب نے پوری فیکٹری گھوم کر دیکھی احتشام نے اس کے کارکنوں سے تعارف کرایا اور آخر میں اسے آفس میں لے آیا۔

''رباب اسد سبکتگین یہ ہے آپ کی شاہی کرسی'' وہ اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''احتشام بھائی مجھے اس کی چاہ نہیں ہے بلکہ مجھے کبھی بھی دولت کی چاہ نہیں رہی، امی نے ہماری پرورش ان زریں اصولوں پر کی کہ ہمیں قناعت وسادگی ہی پسند ہے کیوں نجل آپی۔'' وہ بہن کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہاں احتشام یہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔''

''رباب تم مانو یا نہ مانوں یہ فیکٹری تم دونوں کی ہے۔'' وہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔

''آپی کیوں نہ فیکٹری سے حاصل ہونے والی آمدنی سے ہم یتیم اور بے سہارا بچوں کے لیے ایک گھر بنائیں فیکٹری بھی چلتی رہے گی اور بچوں کو ایک گوشہ عافیت بھی میسر آجائے گا۔'' رباب نے تجویز پیش کی نجل نے اتفاق کیا اس کی بات سے کیونکہ وہ جان گئی تھی یہ سب رباب کے لاشعور میں دبی خواہشوں کا نتیجہ ہے وہ گھر لوٹے تو سبکتگین ان کا منتظر تھا نجل اور احتشام شوخی سے ہنسے رباب نے کوئی نوٹس نہیں لیا وہ اسے لینے آیا تو اور اسے آنا ہی پڑا۔ آج وہ رابعہ کے مسئلے پر کھل کر بات کرنا چاہتی تھی واپسی پہ گھر جانے کے بجائے وہ گاڑی ادھر ادھر گھماتا رہا اور پھر اسے ایک نئی اور انجان جگہ لے آیا گیٹ کے باہر دیوار کے ساتھ لگی تختی پر بڑے بڑے سنہرے حروف میں ''سبکتگین ولا'' لکھا ہوا تھا وہ الجھ گئی اگر یہ گھر اس کا تھا تو اسے یہاں رابعہ کو لانا چاہیے تھا وہ گاڑی پورچ میں لے گیا۔

''یہ ہے میرا غریب خانہ جو پاپا نے میرے، میرے بچوں اور میری ہونے والی بیوی کے لیے بنوایا تھا۔'' وہ اسے گھر دکھاتے ہوئے بتا رہا تھا رباب نے اتنے شاندار اور ویل ڈیکوریٹڈ گھر کا خواب میں بھی تصور نہیں کیا ہو گا اتنا خوبصورت اور وسیع لان تھا مصنوعی فوارے لگے ہوئے تھے مختلف پھولوں کے مہنگے پودے باہر سے منگوا کر لگائے گئے تھے سبز گھاس کا فرش بچھا ہوا تھا یہ جگہ مضافات سے ذرا ہٹ کر تھی اس لیے ایک سکون کا سا احساس ہو رہا تھا وہ اسے بیڈروم دکھانے لے گیا بالکل خوابوں جیسا کمرہ تھا قیمتی پینٹنگز سرسراتے پردے نفیس ڈیکوریشن دبیز قالین ہر چیز امارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

''اچھا لگا کمرہ۔'' اس نے پوچھا۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں جس نے رہنا ہے اس سے پوچھیں۔'' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''اور کس نے رہنا ہے؟''

وہ غالباً رابعہ کو بھول رہا تھا رباب کو رونا آ رہا تھا یہ شخص اس کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اب شاید یہ کھیل منطقی انجام کے قریب تھا۔

''واپس چلیں کافی دیر ہو گئی ہے۔'' رباب نے رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی۔

''ہم اس گھر میں ہمیشہ کے لیے شفٹ ہو گئے ہیں۔'' وہ مزے سے بولا جبکہ وہ لفظ ''ہم'' پر نئے سرے سے تڑپی۔

''سبکتگین گیلانی اب فیصلہ کر ہی دیں آپ رابعہ سے کب شادی کر رہے ہیں مجھے بتا دیں تاکہ میں اپنی رہائش کا بندوبست کر سکوں۔'' اس نے دل کو سنبھالتے ہوئے بڑی بہادری سے پوچھا۔

''میرا فیصلہ یہ ہے کہ تمہیں دل میں ہمیشہ کے لیے رہائش عطا کر دی جائے۔'' وہ سچ مچ دل پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

''میں سیریس ہوں۔'' اس کی آواز بھر آئی۔

''تو مذاق کون کافر کر رہا ہے۔'' وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''دیکھیں سبکتگین یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے میں بہادری سے فیصلے کی منتظر ہوں۔''

''ہوں مجھے بھی پتہ ہے یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے بلکہ......'' وہ خوب صورتی سے ہنسا۔

''رباب رابعہ کو میں نے کبھی بھی نہیں چاہا اس کی تو کب کی شادی ہو چکی ہے وہ اب دو بچوں کی ماں ہے میں نے صرف تمہارے دل کا حال جاننے کے لیے رابعہ کا نام لیا تھا جو خاصا کارگر ہوا، میں نے تو اول و آخر ایک لڑکی کو چاہا ہے جس کا نام رباب ہے اور جو اس گھر میں قدم رکھتے ہی مجھے شکار کر گئی تھی۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے بولا

''پلیز۔ سبکتگین لیو می الون'' اس انکشاف نے اس نے مذاق کیا تھا اسے حیرت و خوشی سے دوچار کیا تھا اور اسے سنبھلنے کے لیے وقت چاہیے تھا تاکہ وہ بھی اس کے اس جان لیوا مذاق کا بھرپور جواب دے سکے۔

''قلب و نظر شکار کر ہوش و خرد شکار کر۔'' وہ اس کے سارے بال بکھرا گیا۔

''اب بالکل بھی نہیں......تم نے بہت امتحان لے لیا میرا۔'' اس نے احتجاج کرتی روٹھی روٹھی رباب کو اپنے کمرے میں لا کر ہی دم لیا جو اس کی جراتوں پر لال بھبھوکا ہو رہی تھی۔

''پلیز سبکتگین۔'' وہ رو پڑی۔

''ہاں کہہ دو کہ میں بے رحم ہوں مطلبی ہوں جھوٹا ہوں اور یہ جو میں نے ابھی تم سے کہا ہے یہ بھی جھوٹ ہے۔'' وہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''میں یہ کب کہہ رہی ہوں دراصل بات یہ ہے کہ میں توقع نہیں کر پا رہی تھی کہ رابعہ کا وجود نہیں ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''تو پھر جو مس انڈر اسٹینڈنگ ہے اسے ختم کر دو کیونکہ میری طاقت رخصت ہوتی جا رہی ہے۔'' وہ شوخ ہوا۔

''تمہیں پتہ ہے بہت عرصہ پہلے میں نے تم سے اظہار محبت کیا تھا اور وہ سچ تھا، رباب تمہارا سجا سجا روپ مجھے شرمندہ کرتا رہا ہے مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا مگر یقین کرو وہ ڈی ایس پی سبکتگین گیلانی نہیں صرف سبکتگین تھا تمہاری شرم تمہارے گریز نے تمہاری کشش کو اور بھی بڑھا دیا تھا اور مجھے احساس ہوا تھا کہ مجھے ایسے نہیں کرنا چاہیے تھا۔

رباب کے دل سے بھاری بوجھ اترا۔ اس نے آسودہ سانس لی سبکتگین نے پھر گہری گہری راز بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ابھی نہیں۔'' اس نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اگلی صبح وہ جاگا تو اس کے سرہانے پھول اور تہہ کیا ہوا کاغذ پڑا تھا۔ سبکتگین نے ایک نظر دیکھ کر کاغذ کھول لیا۔

ابھی ٹھہرو

ابھی کچھ دن لگیں گے

وصل کی خواہش بنانے میں

تمہیں اپنا سمجھنے کے لیے دل کو منانے میں

ابھی کچھ دن لگیں گے

ابھی ہم اپنی اپنی خوشبوؤں کو دل سے ملنے دیں

انہیں محسوس کرنے دیں

ابھی کچھ دن لگیں گے

رشتہ بے نام کو ہم نام کرنے میں

کہانی کو کسی آغاز سے انجام کرنے میں

کہیں اظہار کرنے میں

ہمیں اقرار کرنے میں

ابھی ٹھہرو

ابھی کچھ دن لگیں گے

''کتنے دن لگیں گے یہ بھی بتا دیتیں۔'' اس نے گلاب اٹھا کر سونگھا۔

سبکتگین آفس میں تھا ساون کے مہینے کا آغاز ہو چکا تھا محکمہ موسمیات نے پیش گوئی کی تھی کہ آج بہت گرج چمک کے ساتھ طوفانی بارش ہونے کی توقع ہے آسمان کالے سرمئی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا موسم بڑا خوشگوار ہو رہا تھا سخت گرمی کا زور آج ٹوٹ گیا تھا سبکتگین کے تمام ماتحت بھی موسم کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ اے ون جیولرز کی طرف چلا گیا جہاں کل ڈکیتی ہوئی تھی اڑھائی تین گھنٹے ابتدائی کارروائی اور پوچھ گچھ میں لگ گئے جب وہ وہاں سے نکلا تو رات کے اندھیرے میں چھما چھم بارش برس رہی تھی بے اختیار اس کا جی چاہا اڑ کر رباب کے پاس پہنچ جائے اور آج فاصلوں کی تمام دیواریں اس کی ناراضگی کے باوجود بھی گرا دے ''مگر نہیں'' وہ خود سے بولا اس کا نظم کی صورت میں درخواست نامہ یاد آ گیا تھا کتنا بے بس تھا وہ ہاتھ ہی بندھے ہوئے تھے۔

سبکتگین نے گاڑی تھانے کی طرف موڑ لی۔ تمام کارروائی تفصیلات اس نے فائل میں درج کیں اور مکمل کرنے کے بعد کرسی کی پشت

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سے ٹیک لگالی ابھی صرف دس بجے تھے دل چاہ رہا تھا ادھر ہی رک جائے وقت گزاری کے لیے اس نے اخبار اٹھالیا۔ صبح کا اخبار جو چائے کے دھبوں سے کہیں کہیں مٹا ہوا لگ رہا تھا ایک آرٹیکل کے اختتامی نوٹ اور فیض احمد فیض کی نظم نے اس کی توجہ کھینچ لی۔ لکھا تھا کہ۔

''ماں باپ کی موجودگی میں بچے ہیروں سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے سروں پر ممتا کا سایہ ہوتا ہے والدین میں سے کسی ایک کی بھی موت کے بعد یہ لعل وگوہر ہیرے پتھر سے گئے گزرے ہوجاتے ہیں ان ٹوٹے شیشوں کا کوئی مسیحا نہیں ہوتا کیونکہ کرچیاں چننے سے اپنے ہاتھ زخم زخم ہوجاتے ہیں اور کون ہے جو اپنے ہاتھ زخمی کرلے کون ہے جو ان کے زخموں کو سیئے؟''

شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں
موتی ہو کہ شیشہ جام ہو کہ در
جو ٹوٹ گیا سو ٹوٹ گیا
کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے
تم ناحق ٹکڑے چن چن کر
دامن میں چھپائے بیٹھے ہو
کیوں آس لگائے بیٹھے ہو
یہ ساغر شیشے لعل و گہر
سالم ہوں تو قیمت پاتے ہیں
یوں ٹکڑے ٹکڑے ہوں تو فقط
چبھتے ہیں لہو رلواتے ہیں

ماہنامہ پاکیزہ میں شائع ہونے والا طویل معاشرتی، اصلاحی ناول
صفحات 1200
قیمت: 800 روپے
سائبان
ناہید سلطانہ اختر
■ رشتوں کے تقدس میں گندھی ہوئی گھریلو کہانی۔
■ محبت کی چاشنی اور نفرت کے زہر میں رچی کہانی۔
■ ہر گھر کی بہنوں، بیٹیوں اور ساسوں کے لئے مشعل راہ۔
بہترین کاغذ، خوبصورت پرنٹنگ اور فوم والی جلد کے ساتھ

''بہت خوب'' اس نے داد دی کس خوبصورتی سے یتیم بچوں کو ٹوٹے شیشوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس نے لکھنے والے کا نام تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ''رباب اسد کمال۔'' اُف اس کا دل ہی جیسے دھڑکنا بھول گیا بجلی کڑکی تو ذہن کے بند دریچے کھل گئے وہ فوراً بھاگتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس پہنچا۔ ''رباب میں تمہیں ٹوٹنے نہیں دوں گا۔''

وہ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کر رہا تھا اسے خود پہ بہت غصہ آرہا تھا کہ اسے یہ اہم بات یاد کیوں نہیں رہی تھی حالانکہ کجل نے اسے بہت تفصیل سے بتائی تھی اس نے رباب کے بارش کے خوف کے بارے میں کھل کر اسے بتایا تھا سائیکاٹرسٹ کی رائے بتائی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ بارش میں آپ جہاں کہیں بھی ہوں رباب کے پاس پہنچ جائیں اسے اکیلا مت چھوڑیں۔

بارش کی وجہ سے ماحول دھندلا لگ رہا تھا بادل پوری قوت سے گرج رہے تھے۔ سبکتگین نے بیل دی کوئی ردعمل نہیں ہوا ناچار وہ دیوار پھلانگ گیا وہ بے تابی سے اسے آوازیں دے رہا تھا ڈھونڈ رہا تھا پھر اس نے دیکھا وہ زمین پر ہوش وخرد سے بیگانی پڑی ہوئی ہے منہ اب بھی خوفزدہ

انداز میں کھلا ہوا تھا۔"رباب"اس نے زور زور سے اسے ہلایا اس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی وہ اسے دیوانوں کی طرح جھنجھوڑنے لگا اب وہ ادھر ادھر سر پٹخ رہی تھی پھر اس نے آنکھیں کھول دیں سامنے سبکتگین جیسا مضبوط سہارا تھا وہ بے تاب بچے کی مانند اس سے لپٹ گئی سبکتگین کے اندر بگولے سے اٹھنے لگے وہ بری طرح کانپ رہی تھی ہونٹ بار بار کچھ کہنے کی کوشش میں ساکت ہو رہے تھے ابھی کچھ گھنٹے بیشتر وہ بھی تو یہی چاہ رہا تھا کہ سب فاصلے مٹ جائیں مگر نہیں وہ اٹھ کھڑا ہوا رباب بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی وہ دھڑکن بنی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی سبکتگین نے اسے بے دردی سے خود سے علیحدہ کیا۔

"رباب میرے ساتھ آؤ"اس کا لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

وہ اس کے ساتھ گھسٹتی باہر آئی تھی پھر اچانک سبکتگین نے اسے باہر دھکا دے کر دروازہ لاک کر لیا۔

"دروازہ کھولیں فار گاڈ سیک دروازہ کھولیں میں مر جاؤں گی۔"وہ زور زور سے دروازے کو ہلا رہی تھی چیخ رہی تھی رو رہی تھی باہر پہلے سے بھی شدت کے ساتھ بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی اس کی کڑک اعصابوں پہ کوڑے برساتی محسوس ہو رہی تھیں سبکتگین کا دل اسے یوں باہر نکال کر خون ہو رہا تھا پر یہ ضروری تھا ایک بار پہلے بھی اس نے رباب کو بادلوں، بجلیوں کے آگے بے حال ہوتے دیکھا تھا اور اس کا دل چاہا تھا اس کا یہ خوف ختم ہو جائے تقریباً آدھا گھنٹے وہ دروازہ کھولنے کی فریاد کرتی رہی پر وہ بے حس بن گیا تھا سماعتیں پتھر کر لی تھیں رباب دروازے کے ساتھ چمٹی بیٹھی تھی اور پوری کی پوری بھیگ چکی تھی وہ رو رہی تھی بارش اور اس کے آنسوؤں میں فرق نہیں رہا تھا اور سبکتگین کتنا سنگدل بنا ہوا تھا اسے باہر نکال کر بھول گیا تھا نہ جانے وہ اس سے کس بات کا بدلہ لے رہا تھا پر وہ اسے بتا دے گی کہ وہ عام سے لڑکی نہیں ہے وہ رباب اسد ہے وہ اپنے بہادر پپا کی بہادر بیٹی ہے اس احساس نے اسے دروازے کی چوکھٹ چھوڑ کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا وہ صحن میں پہنچی بادل گرجے اس نے اپنے ہی بازوؤں میں سر چھپا لیا کمزور سا دل کانپا نازک جسم لرزہ کوئی اندر سے مسلسل صدائیں دے رہا تھا۔

"ہمت کرو بہادر بنو سب لوگ بارش کو انجوائے کرتے ہیں بھیگتے ہیں بادلوں کا گرجنا بجلی کا کڑکنا انہیں تھرلنگ لگتا ہے۔بوندوں کی چھم چھم محبوب کی پائل کی آواز لگتی ہے شاباش سر اٹھاؤ ہمت کرو دیکھو تو سامنے کتنا خوبصورت نظارہ ہے، آسمان کتنا اسرار بھرا لگ رہا ہے کتنے رنگ بکھرے ہوئے ہیں، رباب شاباش آنکھیں کھولو بوندوں کی موسیقی سننا چاہتی ہو تو آنکھیں کھول۔"اس کے اندر کی آوازیں ناقابل برداشت ہو گئی تھیں۔

"یہ بادل یہ بجلی یہ بارش کسی کو ساتھ لے کر نہیں جائے گی یہ تو قدرت کی خوب صورتیوں کا چھوٹا سا اظہار ہے۔"رباب نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں سر اٹھایا اسے یوں لگا یہ نظارہ بالکل نیا ہے واقعی اس کے لیے تو نیا ہی تھا جیسے اس نے آج ہی جنم لیا ہو۔ہوش سنبھالنے کے بعد وہ پہلی بار آج بارش میں کھلے آسمان تلے آئی تھی بارش نے دلکش سی دھند پھیلائی ہوئی تھی بجلی کڑکی سارا ماحول منور ہو گیا پر اب اسے ڈر نہیں لگا اس نے ہاتھ کھول کر پھیلا دیئے بوندوں کی پائل اس کی ہتھیلی پر بج رہی تھی، نہیں بلکہ وہ تو پورے لان میں بج رہی تھی یہاں وہاں ہر طرف بوندوں کا شور تھا درخت جھوم رہے تھے پتے تالیاں بجا رہے تھے وہ پہلے بار یہ دنیا دیکھ رہی تھی۔پورے لان کے چکر دیوانہ وار کاٹ رہی تھی ہنس رہی تھی کھل کھلا رہی تھی سات سالہ رباب کا ڈر آج کئی سالوں بعد بادلوں اور ہوا کے سنگ بھاگ گیا تھا ادھر اندر سبکتگین آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا ضبط شدت سے اس کے

چہرے سے خون چھلکا پڑ رہا تھا جیسے اس نے رباب کو باہر نکال کر جوا کھیلا تھا جس میں ناکامی اور کامیابی کے برابر چانس تھے اگر وہ ناکام ہو گیا تو......

''نہیں نہیں۔'' اس نے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے ''اسے کچھ نہیں ہوگا آج اس کا ڈر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔''

''کیا تھا اگر تم بھی خود اس کے ساتھ جاتے ؟'' کوئی اندر سے بولا۔

''نہیں یہ مناسب نہ ہوتا۔'' وہ اس کا سہارا پا کر سات سالہ رباب ہی رہتی اور وہ اس سات سالہ رباب کو برسوں پرانے خوف کے حصار سے نکالنا چاہتا تھا وہ کس بے تابی وخوف سے اس کے پاس تحفظ کی تلاش میں آئی تھی اس کے نرم وگداز لمس سے سبکتگین کے اندر بھانبڑ جل اٹھے تھے تشنگی پکارنے لگی تھی اگر وہ عام سے مرد کی طرح جذبات کی رو میں بہہ جاتا تو اس کی رباب پر ہمیشہ کے لیے نفسیاتی مریضہ کا ٹیگ لگ جاتا اس نے حوصلے وضبط سے شوریدہ سر بپھرے ہوئے دریا پر بند باندھا تھا کتنی بے دردی سے اس پھول جیسے وجود کو الگ کر کے باہر کی ظالم فضا میں چھوڑ دیا تھا وہ کیسی دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی۔

اب تو کافی دیر ہو گئی تھی کوئی آواز نہیں آئی تھی انجانے خدشات کو رفع کرتے اس نے دروازہ کھولا تھا سامنے حیرتوں کا جہان آباد تھا شہزادی کے جسم کی آخری سوئی بھی نکل چکی تھی اس کا دل چاہا وہ بھی ہنسے مسکرائے بالآخر ادھوری رباب مکمل ہو گئی تھی اسے دیکھنے کے لیے سبکتگین نے اپنے دل اور ارمانوں کا خون کیا تھا وہ ہر ایک چیز اور ہر شخص سے اسے عزیز تر تھی وہ دوڑتا ہوا صحن کراس کر کے اس کے پاس پہنچا۔

''دیکھیں کتنی زبردست بارش ہو رہی ہے۔'' رباب نے سرخوشی کے عالم میں بتایا پھر جیسے اسے یاد آ گیا کہ وہ تو اس سے ناراض ہے۔

''میرے ساتھ بات مت کریں۔'' وہ آگے ہو گئی۔

''آئی ایم سوری طوطے بلکہ مینا کیونکہ آج سے تم مینا ہو یہ سب کچھ تمہارا خوف دور کرنے کے لیے ضروری تھا۔'' وہ مطمئن انداز میں مسکرایا اچانک زور سے بادل گرجے اور بجلی کڑکی تو سارا ماحول سفید چمکدار روشنی میں نہا گیا وہ بالکل نہیں ڈری۔

''میرا رول سرے سے ختم ہو گیا ہے میں نے تمہیں باہر نکال کر بڑی غلطی کی۔'' وہ تاسف سے آسمان کو دیکھ رہا تھا پھر وہ اندر چلا آیا بھیگے کپڑے بدلنے لگا وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ رباب اس کے کمرے میں موجود ہے کاسنی بھیگے کپڑوں میں ملبوس سے موتی گراتی اگرچہ وہ باہر کپڑے اچھی طرح جھٹک کر نچوڑ کر اندر داخل ہوئی تھی اس کے باوجود بھی پانی کے قطرے اس کے کپڑوں اور بالوں سے گر رہے تھے بھیگا لباس اس کی رعنائیوں کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اس نے دوپٹہ نچوڑ کر سلیقے سے شانوں پر پھیلایا ہوا تھا اس نے نگاہیں چرا لیں اس کا بھیگا بھیگا حسن دہک رہا تھا شعلوں کو ہوا دے رہا تھا وہ بالوں میں مڑ کر برش کرنے لگا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ گئی عین اس کے آگے۔

''کیا میری شکل بہت بری ہے۔'' اس نے معصومیت سے پوچھا وہ جواب دیے بغیر گلاس ونڈو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''سبکتگین۔'' رباب نے اسے شرمیلے نرم لہجے میں پکارا اسے اپنی سماعتوں پر شبہ ہوا تاہم وہ گھوما اس نے نگاہوں سے سوال کیا۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ ابھی مجھے کچھ دن لگیں گے تو وہ کچھ دن مکمل ہو گئے ہیں۔'' الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر رباب کے منہ سے نکلے وہ یہی تو چاہتا تھا کہ وہ خود اقرار کرے اپنے آپ کو کمتر سمجھنا چھوڑ دے اور ایسا ہی ہوا تھا۔

''کون سے دن مجھے کچھ یاد نہیں ہے۔'' وہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بولا۔

''آپ سمجھ جائیں ناں۔'' ہونٹ کاٹتی انگلیاں مروڑتی وہ سیدھی دل میں اتر گئی اب بھلا وہ اور کیسے کہتی فرط حیا نے زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔

''مثلاً کیا میں یہ سمجھ لوں کہ

بارش وصل میں وہ بھی نکھر نکھر گیا ہم بھی نکھر نکھر گئے۔''

اس سوال پہ اس کی پیشانی بوندوں سے چمکنے لگی۔

''رباب تم بہادر ہو۔'' اس نے انداز بدلا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''تو پھر مجھے چاہو مجھے دیکھو مجھے سنو۔'' فرمائش ہوئی وہ چلتا اس کے قریب سامنے ٹھہر گیا۔

''رباب، فہد نے جب تمہیں مارا تھا اور تجل کی زبانی مجھے علم ہوا تھا تو میرا دل چاہا تھا فہد کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دوں اس کی صورت کو ناقابل شناخت بنا دوں میں نے اسی روز وعدہ کیا تھا کہ تمہیں اتنا پیار کروں گا کہ تم اپنا ہر زخم بھول جاؤ گی، میں تمہارا چارہ گر بنوں گا تمہارے سارے خوف گرد راہ بنا دوں گا۔'' وہ جذب وسچائی سے کہہ رہا تھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ فقط یہی کہہ سکی۔

''اگر آپ احساسات کی زبان سمجھتے ہیں تو میرا رواں رواں آپ کا شکریہ ادا کر رہا ہے۔'' رباب کی نگاہوں سے واضح جذبہ تشکر چھلک رہا تھا۔

''پتہ نہیں میں اچھا ہوں یا نہیں، کیونکہ کچھ دیر اور تم ہی مجھے کہو گی سبکتگین آپ بہت برے ہیں۔'' وہ شرارت سے ہنسا رباب کی نگاہ جھک گئی ان شوخ وگستاخ نگاہوں کا سامنا آسان نہ تھا جو جسارتوں کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔

''تمہاری اس ''ابھی نہیں'' کے بعد میں نے خود پر کیسے کیسے نہیں جبر کیا تھا، تم میری دسترس میں میرے اختیار میں تھیں تمہارا یہ سہانا روپ کیسے کیسے میرے ایمان کو ڈگمگاتا تھا اور تم کتنی ظالم بنی ہوئی تھیں آج تم سے تمہاری جفاؤں کا حساب لیا جائے گا، کتنے مہینے ہوگئے ہیں تمہیں اس گھر میں آئے ہوئے۔'' سبکتگین اس کے قریب ہوا اور دونوں کلائیاں تھام کر اسے بے بس کر دیا۔

''ایک سال سے کم۔'' سبکتگین کے ارادے اسے خوفزدہ کر گئے۔

''ہوں یادداشت اچھی ہے تمہاری تو، ایک سال کا حساب کچھ کم نہیں ہوتا، بڑی شیر بنتی تھیں دیکھوں گا تمہاری بہادری۔''

''نہیں۔'' رباب نے اسے دیکھا۔

''اب ایک سیکنڈ بھی نہیں۔'' سبکتگین کے بازوؤں کا حصار سخت ہوتا گیا..... اس کی آہنی گرفت سے رہائی ممکن ہی نہیں تھی اور وہ اس کی اس خوب صورت قید سے رہائی چاہتی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

مجھے اعتبارِ وفا ملے

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

شیر افگن بڑے صبر سے سگنل گرین ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ سمیر ملک تنگ آ کر شیشے سے باہر جھانکنے لگا۔ سامنے سٹاپ پر گرلز کالج کا ایک گروپ کھڑا تھا۔

''واہ! کیا تازگی ہے، بہار کی پہلی ہوا کی طرح کسی نوشگفتہ کلی کی مانند۔'' پتہ نہیں سمیر نے کس ترنگ میں یہ فقرے کہے۔ شیر افگن متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''کمال ہے، پولیس والے ایسی شاعرانہ گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔'' وہ دھیمے سے ہنسا۔

''ایسی شکل دیکھ کر خود بہ خود شاعری سوجھنے لگتی ہے۔ ذرا دیکھو تو وہ سامنے اس لڑکی کو جس نے کالی فائل سینے سے لگائی ہوئی ہے اور ہنس رہی ہے۔''

شیر افگن نے نہ چاہتے ہوئے بھی دیکھا۔ ٹین ایجری چار پانچ لڑکیاں تھیں ان میں سے ایک بری طرح ہنس رہی تھی۔ وہ اپنے آپ سے لاپروا تھی۔ دوپٹہ شانے سے ٹکا ہوا ایک پلو زمین کو چھو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا وہ رش سے بھرے اسٹاپ کے بجائے اپنے گھر کے اندر ہے جو اسے گردوپیش کا بھی ہوش نہیں ہے۔ اس کے انداز کی بے خبری کے باعث منچلے بڑی وضاحت سے آنکھیں سینک رہے تھے۔ افگن کو بہت غصہ آیا۔ ایسی لاپروا لڑکیاں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ کالج میں آنے کے بعد تو لڑکیاں اچھی خاصی میچور ہو جاتی ہیں۔

''سمیر! ہم قانون کے محافظ ہیں اسٹریٹ لورز اور بے فکرے نوجوان نہیں ہیں اس طرح کی حرکتیں ہمیں سوٹ نہیں کرتی ہیں۔'' افگن نے اسے جھاڑا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''نہیں کروں گا ڈی ایس پی صاحب آئندہ ایسی حرکت۔'' وہ خفت مٹانے کو ناراض لہجے میں بولا۔ اسی لمحے سگنل کھل گیا۔ گاڑیاں رینگنا شروع ہو گئیں۔ شیر افگن نے بھی جیپ سٹارٹ کر دی۔ سمیر نے اس سے چوری ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ اب ان کی گاڑی ان کے خاصے قریب ہو گئی تھی۔ وہ ہنوز اسی انداز میں مسکرا رہی تھی بلکہ فائل کو جھلا رہی تھی۔

''میں نے رات کو وان ڈیم کی ''یونیورسل سولجر'' دیکھی، بہت اچھی لگی مجھے۔'' وہ فائل جھلاتے جھلاتے رک کر ساتھی لڑکی سے مخاطب ہوئی۔ شیر افگن بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔ وہ آگے نکلنے والی گاڑی کو دیکھ رہا تھا۔

''ہونہہ! زاہد خشک مومن و عابد کہیں کا۔'' سمیر نے دانت پیس کر اسے زیر لب کوسا۔ وہ اب ان لڑکیوں سے آگے نکل آئے تھے۔

☆☆☆

''لو بھلا اب گھر تبدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک سال پہلے ہی تو گلشن والے گھر میں شفٹ ہوئے تھے۔ اب پھر نئے سرے سے ہر چیز سیٹ کرنی پڑے گی۔'' مومی چیزیں اٹھاتے ہوئے اچھا خاصا بڑبڑا رہی تھی۔ ثناء اس کے برعکس خاموشی سے اپنا سامان سمیٹ رہی تھی۔

''بیٹا اب ہم ڈیفنس شفٹ ہو رہے ہیں۔ امیر لوگوں کے علاقے میں اچھے لوگوں سے میل جول بڑھے گا تو ہمیں بڑا فائدہ رہے گا۔ آخر تمہاری اور ثناء کی شادیاں بھی تو کرنی ہیں۔'' راحت نے رسان سے سمجھایا تو آخری بات پر اسے شاک سا لگا۔

''میں کوئی نہیں کروں گی شادی وادی۔ آپ ثناء کی کر دیں، میں تو صحافی بنوں گی بلکہ کرائم رپورٹر۔''

''میں کون سا ابھی تمہیں رخصت کرنے لگی ہوں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد دیکھا جائے گا۔'' وہ بولیں تو مومی نے سکون کا سانس لیا۔

اگلے دو روز میں وہ ڈیفنس شفٹ ہو گئے۔ دو ہزار گز پلاٹ پر بنا یہ بنگلہ ان کی توقعات سے زیادہ وسیع تھا۔ مومی نے جاتے ہی لان کی طرف بنے کمرے پر قبضہ کر لیا۔ ایک کمرے کو اسٹڈی روم بنا لیا جس کی کھڑکی بغلی لان کی طرف کھلتی تھی۔ اب وہ بہت پرجوش تھی ورنہ آتے ہوئے اس کا منہ لٹکا ہوا تھا جیسے سارا کام اسے ہی کرنا ہوگا۔ اب حال یہ تھا کہ وہ تو مزے سے گھر کا جائزہ لیتی پھر رہی تھی جبکہ امی، ثناء اور ملازمین کے ساتھ سامان سیٹ کروا رہی تھیں۔ یہ کہاں ایک روز میں ختم ہونے والا کام تھا پھر بھی رات تک کسی نہ کسی حد تک انہوں نے کافی کچھ کام کر ہی لیا۔ سلطان ریسٹورنٹ سے کھانا پیک کروا کر لے آیا تھا جو انہوں نے رات دس بجے بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد ثناء اور راحت تو سو گئیں۔ مومی جاگتی رہی۔ وہ گزرے وقت پر غور کر رہی تھی جب سے وہ ذرا سمجھدار ہوئی تھی خود کو شہر شہر، محلہ محلہ، گلی گلی، گھر تبدیل کرتے دیکھ رہی تھی۔ اسے یاد تھا یہ سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب وہ کلاس تھری اور ثناء سکستھ کلاس کی طالبہ تھی۔ وہ راولپنڈی کے نواح میں واقع ڈھوک کھبہ میں رہائش پذیر تھے۔ ایک بے حد عام سے مکان میں جس کا فرش اور پلستر جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے باپ فواد حسن کو باقاعدہ کام پر کبھی نہیں جاتے دیکھا۔ اس وقت اتنی سمجھ ہی نہیں تھی مکان کی بدحالی کے باوجود دونوں بہنیں ایک نہایت مہنگے انگلش میڈیم سکول میں زیر تعلیم تھیں۔ وین والا لینے اور چھوڑنے جاتا تھا۔ فواد حسن کبھی ان کے سکول میں نہیں گئے۔ پیرنٹس ڈے پر بھی صرف راحت ہی جاتیں فواد غائب ہو جاتے۔ پھر کچھ ماہ بعد اچانک انہیں مکان چھوڑنے کا حکم ہوا۔ فواد نے کہا وہ اب لاہور جا رہے ہیں چنانچہ وہ پھر لاہور چلے آئے۔ رہائش اب بھی ان کی ایک غریب سی بستی میں رہی پھر وہ مکان بھی انہیں چھوڑنا پڑ گیا وہ اچھرہ میں آ گئے تب سے لے کر اب تک آٹھ بار گھر بدل چکے تھے کراچی آئے انہیں ڈیڑھ سال ہوا تھا۔ اس ڈیڑھ سال کے عرصے میں چار بار ان کی رہائش تبدیل ہوئی۔ نیپا چورنگی سے پی ای سی ایچ ایس وہاں سے گلشن اور پھر اب وہ ڈیفنس میں شفٹ ہوئے۔

فواد حسن آج کل بنکاک میں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ بزنس کے دوران انہیں لمبے عرصے تک باہر رہنا پڑے گا انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھر میں دو نوکر اور گیٹ پر چوکیدار چوبیس گھنٹے موجود رہتا۔ مہینے کی پہلی تاریخ کو راحت قریبی مارکیٹ سے سودا سلف لے آتی تھیں۔ ہر تیسرے چوتھے روز سلطان گوشت لے آتا۔ تازہ سبزی بھی خرید لانے کی ذمہ داری اس کی تھی۔ ٹیلی فون، بجلی، گیس، پانی کے بل ملازم لڑکا جمع کروا آتا تھا۔ ثناء کو یونیورسٹی اور اسے کالج لے جانے کے لیے الگ سے ڈرائیور رکھا گیا تھا۔ فواد کی غیر موجودگی میں بظاہر تو کسی کو کوئی مجبوری نہیں تھی۔ فواد کی بات میں بھی وزن تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ بنکاک میں ان کی کمپنی نیا آفس کھولنے کے منصوبے پر کاغذی کارروائی مکمل کر رہی ہے لہٰذا وہ روز

روز پاکستان کا چکر نہیں لگا سکتے۔ وہ آتے بھی دو تین روز کے لیے اور پھر لوٹ جاتے۔ ثناء تو خیر بڑی میچور اور معاملہ فہم لڑکی تھی۔ موی اس کے برعکس خاصی ضدی اور امیچور تھی۔ اس میں شاید زیادہ قصور اس کی عمر کا تھا جس میں انسان کسی دلیل و جواز کو خاطر میں لاتا ہی نہیں ہے۔ وہ بڑے لاڈ سے باپ کے گلے میں بازو ڈال کر کہتی۔

"اب آپ کہیں نہیں جائیں گے۔ ہمارے پاس رہیں گے۔"

وہ سر جھکا کر اس کی بات مان لیتے۔ صبح ان کا خالی کمرہ موی کا منہ چڑا رہا ہوتا۔ پھر وہ خوب گلا پھاڑ پھاڑ کر روتی۔ راحت اور ثناء سے سنبھالنا مشکل ہو جاتا اس ڈر سے وہ اس کی ہر بات مانتیں۔ راحت کی بڑی خواہش تھی کہ میٹرک کے بعد وہ سائنس کے مضامین رکھے مگر اسے سائنس سے بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے آرٹس کے مضامین رکھے۔ ثناء نے ان کی خواہش کا پورا احترام کرنے کی کوشش کی مگر ایف ایس سی میں اس کے مطلوبہ معیار کے نمبر نہیں آئے۔ اس نے بی ایس سی کرنے کے بعد حال ہی میں یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ ثناء کے فیوچر کے بارے میں کم از کم انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر ڈر تھا تو موی کی طرف سے جس کا رویہ ابھی تک بچپن اور جوانی کے سنگم پر کہیں جھول رہا تھا۔ وہ بڑے انوکھے سوال کر کے انہیں زچ کر دیتی۔ جب وہ دوسری جماعت کی طالبہ تھی تو ماں سے اکثر پوچھتی رہی دادی، دادا، چچا، پھوپھا، ماموں، خالہ، نانا، نانی کیوں نہیں ہیں، جس طرح اور بچوں کے ہیں۔ راحت کہتیں کہ سب اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔ وہ کہتی کہ کیوں چلے گئے ہیں، فرحی کے تو نہیں گئے۔ غرضیکہ اس طرح کی باتیں کر کے وہ انہیں لاجواب کر دیتی۔

موی نے اپنی دوستوں کو نئے گھر میں ٹی پارٹی پر انوائٹ کیا تھا۔ کراچی آنے سے پہلے انہیں یعنی ثناء اور موی کو دوستوں کو گھر بلانے اور ان کے گھر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہاں آنے کے بعد یہ پابندی ختم ہو رہی تھی اسی لیے موی نے یہ دعوت کی تھی۔ ثناء نے اچھی خاصی مدد کی تھی۔ آخری آئٹم بننے تک وہ کچن میں ہی موجود رہی۔ موی کی دوستوں نے کھانے پینے کی چیزوں سے پورا پورا انصاف کیا۔ پھر وہ اوپر ٹیرس پر چڑھ گئیں۔ موی فواد حسن کا فون آنے پر نیچے چلی آئی اوپر سے وہ ساری چنڈال چوکڑی اسے مسلسل آوازیں دے رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اوپر چڑھ آئی۔

"کیا ہوا ہے، کیوں چلا رہی ہو؟"

"ہائے بڑی دیر کر دی ہے، سمجھو کہ قیامت آتے آتے رہ گئی۔" زارا نے بازو پھیلا کر بتایا۔

"ہائیں کونسی قیامت!" وہ حیران ہوئی تو زوشاف، مدیحہ، اقصیٰ اور سارہ یہ مسکرائیں۔

"ابھی ابھی ہم نے ایک بزنس چارمنگ دیکھا تھا۔ آنکھیں ذیشان سکندر سے بھی زیادہ تاثر انگیز اور نشیلی ہیں اور مونچھیں......"

"ہٹلر کی طرح تھیں۔" موی نے دخل اندازی کی تو زارا اسے گھورنے لگی۔

"تم نے دیکھا نہیں ہے ناں اسے ورنہ پٹ سے گر کر بے ہوش ہو جاتیں۔ اف ذیشان سکندر جیسی آنکھیں۔" زارا کے منہ سے ایک حسرت بھری آہ خارج ہوئی۔ وہ آج کل ذیشان سکندر پہ مر رہی تھی۔ ان سب دوستوں کو معلوم تھا اس کی یہ کیفیت چند روزہ ہے جونہی کوئی نئی شکل نظر آئی وہ ذیشان سکندر کی آنکھوں کو بھول جائے گی جس کا تازہ ترین ثبوت ابھی کچھ دیر پیشتر نظر آنے والے کوئی موصوف تھے جن کے دیدار سے موی محروم رہی۔

''کون تھا، کہاں دیکھا تم نے اسے۔'' وہ بھی جاننا چاہ رہی تھی۔

''تمہارے ساتھ والے بنگلے کے گیٹ سے اسے اندر آتے دیکھا ہے غالباً یہیں رہتا ہے تمہارے تو مزے آگئے ہیں۔ روز دیکھو گی ایک ہم ہیں۔'' اس نے پھر ٹھنڈی سانس لی تو اقصیٰ اور موی نے بیک وقت اسے دھپ لگائی۔

''سچ موی! تم ضرور ان کے گھر جانا۔ موصوف کا بائیو ڈیٹا معلوم کرنے کی کوشش کرو آخر تمہارے فرسٹ ڈور نیبر ہیں سو حقوق ہیں تمہارے۔'' وہ چالاکی سے بولی تو سب مسکرا دیں۔

نیچے راحت کچن میں مختلف اشیاء ٹرے میں لگا رہی تھیں۔ ''ثناء یہ ساتھ والے بنگلے میں دے آؤ پھر واپس آ کر تین چار اور گھروں میں بھی دے آؤ'' انہوں نے دستر خوان سے ڈھانپ کر ٹرے اسے پکڑائی۔

''امی پتہ نہیں یہاں کے لوگ ان روایتوں وخلوص کو پسند کرتے ہیں یا نہیں......'' وہ ہچکچائی۔

''بیٹا! ابھی تک ہم یہاں کسی کے گھر نہیں گئے ہیں، میل جول تو رکھنا پڑے گا۔ انسان معاشرتی حیوان ہے۔ دوسروں سے کٹ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم کہیں آئیں جائیں گے نہیں تو لوگوں کے اخلاق کے بارے میں ہمیں کیسے پتہ چلے گا۔ پھر پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے کا حکم ہے ہمارے مذہب میں۔ جاؤ شاباش ہم جائیں گے تو کوئی ہمارے گھر بھی آئے گا۔'' وہ نرمی سے بولیں تو اسے ماننا ہی پڑا۔ ایک ہاتھ سے ٹرے تھامے دوسرے ہاتھ سے اس نے بیل دی۔ ماربل کی تختی پر واضح الفاظ میں شیر دل ہاؤس کا نام چمک رہا تھا۔ وہ مرعوب سی ہو گئی۔

گیٹ اس کی ہم عمر ایک لڑکی نے کھولا۔ اسے دیکھتے ہی لڑکی نے خوشگوار مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی۔ ثناء نے مختصراً اسے اپنے بارے میں بتایا۔ اسی اثناء میں وہ اندر پہنچ چکی تھی۔ جہاں ایک بوڑھی مگر باوقار خاتون سفید ساڑھی میں ملبوس کوئی کتاب پڑھ رہی تھیں۔ ثناء نے دھیرے سے سلام کیا۔ اس کی آمد کی نوعیت سے آگاہ ہوتے ہی وہ شرمندہ ہو گئیں۔

''بیٹا! میں روز ارادہ ہی کرتی رہ گئی کہ نئے پڑوسیوں کے ہاں آج جاؤں گی کل جاؤں گی اور تم آ بھی گئیں۔''

''کوئی بات نہیں آنٹی کل آجائیں ہم آپ کا انتظار کریں گے۔ میری امی اور بہن آپ سے مل کر خوش ہوں گی۔'' وہ اخلاق سے بولی اس دوران ایک پینسٹھ ستر سال کی درمیانی عمر کا ایک آدمی بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

مسز شیر دل نے تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ میرے سسر سنگین خان ہیں۔ جواباً انہوں نے بڑی شفقت سے ثناء کے سر پر ہاتھ پھیر کر حال احوال دریافت کیا۔ پلوشہ کھانے سے بھری ٹرالی لیے آگئی تھی۔ ثناء نے معذرت کرتے ہوئے اٹھنا چاہا مگر ان تینوں نے کچھ کھائے پیئے بغیر اسے آنے نہیں دیا۔ ثناء ان لوگوں کے بارے میں اچھے خیالات لے کر لوٹی تھی۔

موی کی سہیلیاں جا چکی تھیں۔ راحت مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں موی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ آواز پورے گھر میں پھیلی تھی وہ فل آواز میں ٹی وی لگاتی تھی۔ سپورٹس چینل پر ریسلنگ لگی ہوئی تھی۔ موی کی دلچسپی قابل دید تھی۔ انڈر ٹیکر اس کا پسندیدہ ریسلر تھا اس وقت جو مقابلہ دکھایا جا رہا تھا وہ پرانا تھا۔ کئی بار پہلے بھی دکھایا جا چکا تھا مگر موی روز اول سے شوق وذوق سے دیکھ رہی تھی۔

ثناء اٹھ گئی۔ اسے ریسلنگ سے خاص دلچسپی نہیں تھی۔ یہ مومی کے شوق تھے۔ فارغ اوقات میں وہ جاسوسی رسالے پڑھتی یا پھر وی سی آر لگا کر ریسلنگ دیکھتی۔ ایکشن سے بھرپور مار دھاڑ والی فلمیں اس کا دوسرا شوق تھا۔ راحت دیکھ رہی تھیں کہ وہ پڑھائی کی طرف کم اور ان باتوں پر زیادہ توجہ دے رہی ہے جب دیکھو اس کے ہاتھ میں جاسوسی ناول دبا ہوتا یا پھر وہ ٹی وی سکرین کے آگے بیٹھی وان ڈیم، آرنلڈ شوازنیگر اور جیکی چن کی فلمیں دیکھتی ملتی۔ ان کی پریشانی فطری تھی۔ ثناء ہی انہیں تسلی دیتی۔

☆☆☆

مسز شیر دل اور پلوشہ دونوں وعدے کے مطابق اگلے روز ان کے گھر آئیں۔ انہی کی زبانی علم ہوا کہ مسٹر شیر دل فوت ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہے، پلوشہ انگریزی ادب میں ماسٹرز کر رہی تھی جبکہ بیٹا پولیس ڈیپارٹمنٹ میں تھا۔ وہ اپنے سُسر کو بھی شوہر کی وفات کے بعد ساتھ لے آئیں کیونکہ ان کا کوئی اور بیٹا نہیں تھا۔ بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ وہ ان کے ساتھ پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ مسز شیر دل نے سسر کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ وہ پوتے پوتی اور بہو سے خوش تھے۔ پلوشہ کی بات پھوپھی کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی۔ اس کے ایم اے کے بعد شادی ہونی تھی اس کا منگیتر ارباز ڈاکٹر تھا۔ بس اس کی خواہش تھی کہ بھائی بھی جلدی سے کوئی لڑکی پسند کر لیں تاکہ اس کے جانے کے بعد ماں اکیلی نہ رہے۔ مگر وہ صفائی سے اس موضوع کو ٹال جاتا۔ ثناء کو دیکھتے ہی بے اختیار دل کے نہاں خانوں سے آرزوئیں کروٹ لے کر بیدار ہو گئیں کہ کاش بھائی اس لڑکی کو پسند کر لیں جوان کے لمبے چوڑے سحر انگیز سراپے کے لیے بالکل ٹھیک تھی۔

ثناء نے سوئی ہوئی مومی کو جگا کر ڈرائنگ روم کی طرف روانہ کیا۔ وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر کچی نیند سے بیدار کئے جانے پر آنے والے مہمانوں کو کوس رہی تھی۔ آج کالج میں کوئی کلاس نہیں ہوئی تھی وہ زارا، اقصیٰ، زوشاف اور مدیحہ کے ساتھ طویل رقبے پر پھیلے کالج میں گھومتی رہی تھی اس لیے تھکن ہو رہی تھی۔ آتے ہی وہ کھانا کھائے بغیر پڑ کر سو گئی تھی۔ اب ثناء نے مہمانوں کے آنے کی اطلاع دے کر اسے اٹھا دیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے حتیٰ الامکان کوشش کی کہ ناگواری اس کے لہجے سے عیاں نہ ہونے پائے۔ راحت نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

''یہ میری چھوٹی بیٹی ہے مومنہ حسن۔ پیار سے ہم اسے مومی کہتے ہیں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہے۔'' انہوں نے تعارف کرایا۔

پلوشہ اور درو شے کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی۔ ''ماشاءاللہ بڑی خوبصورت ہے ہماری بیٹی۔ نام بھی مناسب ہے مومی، واقعی یہ تو مومی گڑیا لگتی ہے۔'' درو شے نے سراہا تھا اس کی ناگواری دور ہو گئی۔

تھوڑی دیر میں وہ ان سے بے تکلف ہو گئی۔ پلوشہ البتہ ثناء کی طرح کم گو تھی۔ دھیرے دھیرے مسکراتی رہی۔ اس نے نوٹ کیا کہ ثناء کی طرح مومی میں احتیاط پسندی اور ٹھہراؤ نہیں ہے۔ بچپنے کے تاثرات شاید ابھی تک اس پر سے زائل نہیں ہوئے تھے پھر بھی وہ اسے اچھی لگی۔ شیر دل کی وفات بلکہ شہادت کے بعد ان کے لب ہنسی سے نا آشنا ہی رہے تھے۔ پندرہ طویل برسوں کے بعد مسکراہٹ ان کے چہرے پر چمکی تھی۔ اس نے گھر آ کر شیر افگن کو یہ خوشخبری سنائی وہ بھی بہت خوش ہوا۔

''بھائی جان یہ خوشی یہ مسکراہٹ دائمی ہو سکتی ہے اگر آپ شادی کر لیں۔ آپ کے بچوں کو ہنستے کھیلتے دیکھنا ان کی آرزو ہے۔'' پلوشہ نے

موقع پا کر بھائی کو گھیر لیا۔

''ہر چیز کا وقت ہوتا ہے میری شادی کا بھی جب وقت آیا تو ہو جائے گی۔'' وہ پانی کا گلاس واپس رکھتے ہوئے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''آپ کو کوئی لڑکی تو پسند نہیں ہے۔'' اس نے اس کا چہرہ جانچا اور کچھ جاننے کی کوشش کی جس میں ہمیشہ کی طرح اسے ناکام ہوئی۔ شیر افگن کا وجیہ و دلکش بے تاثر ہی رہا۔

''پلوشہ! جس آگ میں، میں جل رہا ہوں وہاں کسی نرم و گرم جذبے کوئی گزر نہیں ہے۔ ویرانوں میں پھول کھل سکتے ہیں مگر میں نے کبھی اس طرح نہیں سوچا۔'' وہ بے پناہ سنجیدہ تھا پلوشہ شیر افگن کے پتھریلے سرد تاثرات دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ سب بیکار ہی تھا۔

☆☆☆

دسمبر کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ سردی معمول سے زیادہ ہی پڑ رہی تھی۔ موی چھ بجے کے قریب بیدار ہو گئی۔ وہ بڑی باقاعدگی سے قریبی پارک میں ٹہلنے جاتی تھی۔ اسے اب سائیکل چلانے کا شوق ہو گیا تھا۔ مزے سے سائیکل لے کر نکل جاتی اور ایک گھنٹے بعد ہی واپس آتی۔ موی نے پردہ سرکا کر باہر جھانکا، ہلکا ہلکا اندھیرا اور دھند ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ اسے سارا منظر کسی خوفناک فلم کا سین لگا جیسے ابھی کہیں سے کوئی بدروح نمودار ہو جائے گی۔ اسے اپنے خیالات پر ہنسی آ گئی۔ وہ دروازہ کھول کر جوگرز پہن کر آہستگی سے باہر نکلی۔ باہر آتے ہی اس کے دانت کپکپانے لگے۔ وہ سویٹر پہنے بغیر نکلی تھی۔ دوبارہ اندر جا کر اس نے بیڈ پر پڑا سویٹر پہنا، مفلر لپیٹا۔

اس کی سائیکل لان میں کھڑی تھی۔ موی اس پر سوار ہو کر گیٹ سے باہر آ گئی۔ چوکیدار نے روکنا چاہا کہ دھند ہے آگے نہ جائیں رات گرنے والی اوس سے سڑک پر پھسلن بھی ہو رہی تھی مگر موی لاپروا بھی تھی۔ راحت بیگم نے اسے منع بھی کیا تھا کہ صبح نہ جانا کیونکہ موسم کی خبروں میں بتایا گیا تھا کہ کل دھند ہو گی مگر وہ انہیں اور چوکیدار کو غچہ دے کر نکل آئی تھی۔ دھند کی وجہ سے چند فٹ آگے کی چیز بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ ابھی سورج بھی نہیں نکلا تھا۔ دھند کی بدولت ملگجا سا ماحول تھا۔ سٹریٹ لائٹس کی روشنی ناکافی ثابت ہو رہی تھی۔ موی کو اپنی حماقت کا احساس خاصی دیر میں ہوا جب اس کی سائیکل کسی انسانی وجود سے ٹکرائی اور وہ پوری قوت سے نیچے گری۔ دائیں ٹانگ سائیکل کے ٹائر میں گھس گئی۔ بے اختیار اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اس کا سر پختہ سڑک سے بری طرح ٹکرایا تھا۔

شیر افگن غصے میں اُبلتا مڑا نہ جانے کون احمق تھا جو اس دھند میں سائیکلنگ کا شوق پورا کرنے نکل آیا تھا۔ وہ خود گرتے گرتے بچا تھا۔ اگر سامنے الیکٹرک پول کو نہ تھام لیتا تو یقیناً گر پڑتا۔ وہ معمول کے مطابق جاگنگ اور ایکسرسائز کرنے نکلا تھا۔ برسوں سے اس کے معمولات میں تبدیلی نہیں آئی تھی آج یہ دھند بھی اس کی راہ میں مزاحم نہیں ہوئی۔ جسمانی طور پر وہ بے پناہ پھرتیلا اور طاقتور تھا۔ یہ اس کے پیشے کا تقاضا تھا کہ وہ خود کو فٹ رکھتا۔ افسران کا کہنا تھا کہ عرصے بعد پولیس ڈیپارٹمنٹ میں اس جیسا آفیسر آیا ہے۔ ادھوری چیخ سے وہ جان گیا کہ یہ کوئی نسوانی وجود ہے۔ وہ آگے ہوا تو منظر واضح ہو گیا۔ لڑکی سڑک پر منہ کے بل گری تھی اور اس کی ٹانگ چلتے ٹائر میں پھنسی ہوئی تھی۔ شیر افگن نے اس کی ٹانگ کو رہائی دلائی۔

''محترمہ! کس حکیم نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ سائیکل لے کر نکلیں۔'' وہ درشت لہجے میں بولا تو موی نے سر اٹھایا چونکہ وہ اس کے قریب

کھڑا تھا اس لیے اس نے پل بھر میں اس کا جائزہ لے ڈالا۔ بڑا سحر انگیز مرد تھا۔ اسے مرد ہی کہنا چاہیے تھا کیونکہ اس کی عمر کسی طرح بھی تیس سال سے کم نہیں لگتی تھی۔ شیر افگن کو یوں لگا جیسے وہ اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہے مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہاں دیکھا ہے اسے۔

موی نے اپنا گرا مفلر اٹھا کر کانوں کے گرد لپیٹا۔

''جسٹ اے منٹ۔ واپس اس پر سوار ہو کر مت جائیں۔'' شیر افگن نے بے اختیار آگے سے ہینڈل کو تھام کر جیسے اسے وارننگ دی۔

''نہیں جاؤں گی،'' وہ جیسے ناراضگی سے بولی۔

''آپ باہر ہی کیوں نکلیں؟'' اس نے اسے ڈانٹا تو موی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''آپ کیوں نکلے ہیں؟'' شیر افگن کا دل چاہا اس کا دماغ درست کر دے بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے اکڑ رہی تھی۔ وہ واپسی کے لیے مڑ گئی۔ دائیں ٹانگ درد تو کر رہی تھی مگر وہ اس کا اظہار نہیں کر رہی تھی۔

☆☆☆

اس کے ماتھے پر ابھرا گومڑ دیکھ کر راحت کو اس پر بیک وقت غصہ اور پیار آ گیا۔ اس روز اس نے کالج سے چھٹی کی۔ دوسرے روز گئی تو ہلکا ہلکا نشان تب بھی ماتھے پر موجود تھا۔ دوستوں کے پوچھنے پر اس نے صاف صاف بتا دیا بلکہ اس بدتمیز آدمی کو بھی کوسا جو اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''موی! تم نے اس کی آنکھیں دیکھی تھیں۔'' زارا بدتمیزی سے آگے ہوئی۔

''لو مجھے کیا پڑی ہے کہ اس کی آنکھیں دیکھوں۔ اتنے سخت لہجے میں اس نے مجھے ڈانٹا کہ میں فوراً بھاگ آئی۔'' اس نے اپنی کارگزاری بتائی۔

''اچھا پھر اپنے پڑوسیوں کے گھر گئیں تم؟'' زارا کے لہجے میں بے صبری تھی۔ ''نہیں میں نہیں گئی۔ ثنا گئی تھی اور وہ لوگ بھی آئے تھے۔''

''ہائے وہ کون؟'' زوشاف شوخ ہوئی۔

''وہی اس زارا کے ذیشان سکندر کی آنکھوں والے۔'' وہ غصے میں الٹا سیدھا بول گئی۔

''کیا وہ بھی آیا تھا؟'' زارا کا اشتیاق قابل دید تھا۔

''جی نہیں ابھی میں نے ان موصوف کا دیدار نہیں کیا ہے۔ تم کہتی ہو تو جاؤں گی کسی روز۔ ویسے اس کی بہن سے بات کروں۔'' اس نے شرارت سے آنکھیں نچائیں تو زارا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

ثناء نے موی کے کمرے میں جھانکا۔ آج اس نے نائٹ بلب بھی نہیں جلایا تھا حالانکہ وہ اسے جلا کر سونے کی عادی تھی۔ اس نے نائٹ بلب جلا دیا۔ سائیڈ ٹیبل پر موی کی ڈائری کھلی پڑی تھی درمیان میں پین رکھا ہوا تھا۔ اس نے غور سے سوئی موی کی طرف دیکھا جس کے گالوں پر آنسو چمک رہے تھے۔ وہ مدھم روشنی میں ڈائری کے کھلے صفحات پر نگاہ دوڑانے لگی۔

''پپا کے لئے''

پپا نے کہا تھا میں ضرور آؤں گا
تمہارے ساتھ مل کر
برتھ ڈے کا گیت گاؤں گا
مگر!
وہ نہیں آئے اس بار بھی
کیک پر لگی ساری شمعیں
بجھ بھی گئی ہیں
کسی نے سالگرہ کا گیت بھی نہیں گایا
نہ میرا ماتھا چوما
نہ گلے لگایا

ثناء سے بقیہ نظم پڑھی ہی نہیں گئی۔ یہ مومی نے اس وقت لکھی تھی جب وہ چوتھی کلاس میں زیر تعلیم تھی۔ اس وقت بھی فواد حسن کہیں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ آج مومی کی سترہویں سالگرہ تھی۔ وہی نظم پڑھتے پڑھتے وہ سوگئی تھی۔ اس کے کہنے پر راحت نے مسز شیر دل کو بھی نہیں بلوایا بس وہ تینوں ہی تھیں۔ کیک کٹتے ہی مومی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ ثناء کو پتہ تھا کہ آج وہ جی بھر کے روئی ہوگی فواد حسن کا فون بھی نہیں آیا تھا۔ شاید وہ اپنے بزنس میں مصروف تھے، مومی کو دھچکا لگا تھا۔ اس کا کتنا جی چاہا تھا وہ بھی یہاں ہوتے، اسے سینے سے لگا کر ماتھا چومتے، دعائیں دیتے، وہ پرانی والی چھ سات سالہ مومی بن کر ان کے سینے میں چھپ کر سینڈریلا کی کہانی سنتی۔ وہ اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیرتے تو وہ یونہی سو جاتی۔ ثناء اس کی ڈائری رکھ کر مڑی۔ اس کا ماتھا چوما اس کا کمبل درست کیا جو ہمیشہ کی طرح آدھا اس کے اوپر اور آدھا نیچے پڑا تھا۔ سونے کے انداز سے بھی اس کی لاپروائی کا پتہ چلتا تھا ہلکے سے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ باہر آ گئی راحت بھی جاگ رہی تھیں۔ ”روتے روتے سوئی ہے۔“ اس نے دھیرے سے ماں کو بتایا تو ان کا دل تڑپ اٹھا۔ ”امی سو جائیں آپ۔“ وہ نظریں چرا کر اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔

☆☆☆

”ہیلو سر میں سحرش بول رہی ہوں، ڈیفنس سے یہاں بلاک تھری اے ففٹی ٹو میں قتل ہو گیا ہے۔“ وہ پھولی پھولی سانسوں سمیت بتا رہی تھی۔

”کیا آپ نے خود قتل ہوتے دیکھا ہے؟“ دوسری جانب سے سوال کیا گیا۔

”جی ہاں! میرے سامنے قتل ہوا ہے۔ میں مسز شاہ رخ کی بھانجی ہوں کل ہی آئی ہوں۔ انکل نے آنٹی کو گولی مار کر لاش لان میں کیاریوں کے قریب دفن کر دی ہے۔ پلیز جلدی آئیں میں ان کے قتل کی عینی گواہ ہوں۔ ابھی تک انکل کو پتہ نہیں چلا ہے کہ میں نے ان کی یہ حرکت دیکھ لی ہے کیونکہ جب مجھے گولیوں کی آواز آئی تو میں سو رہی تھی گھبرا کر اٹھی تو دیکھا کہ بیڈ روم میں آنٹی کی لاش پڑی ہے اور......“ لڑکی بری طرح رو دی۔

شیر افگن مسز شاہ رخ اور ان کے شوہر کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ان کے سامنے والے بلاک میں رہتے تھے اولاد نہ ہونے کے باعث دونوں میں جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا کیونکہ شاہ رخ کا ایک لڑکی سے چکر بھی چل رہا تھا۔

''محترمہ! آپ جھوٹ تو نہیں بول رہی ہیں کیونکہ ایڈونچر اور تھرلنگ کے شوقین نوجوان لڑکے لڑکیاں ایسی غلط اطلاعات دے کر انجوائے کر رہے ہیں۔'' شیر افگن نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

''سر! میری آنٹی کا مرڈر ہو گیا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ جلدی آئیں ورنہ قاتل بھاگ جائے گا۔''

اس سے پہلے کہ وہ لڑکی کچھ اور کہتی دوسری طرف سے یوں لگا جیسے اس سے ریسیور چھین کر کریڈل پر پٹخ دیا گیا ہو۔ شیر افگن نے گھنٹی بجا کر کانسٹیبل کو بلایا اتفاق سے سمیر بھی آ گیا۔ شیر افگن نے اسے فوراً اس ایڈریس پر پہنچنے کی ہدایت کی۔ سمیر دو کانسٹیبلوں کو لے کر فوراً روانہ ہو گیا۔ شیر افگن سوچ رہا تھا کیا واقعی شاہ رخ نے اپنی بیوی کو مار ڈالا ہے۔ اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ ابھی گزشتہ ہفتے ہی پورے بلاک نے ان کی لڑائی دیکھی تھی۔ شاہ رخ نے بیوی کو مارنے کی دھمکی دی تھی۔

☆☆☆

راحت نے شرربار نگاہوں سے مومی کو گھورتے ہوئے ریسیور کریڈل پر غصے سے پٹخا۔ کافی دیر سے وہ اس کی جھوٹی داستان سن رہی تھیں۔

''مومی یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ پولیس ڈیپارٹمنٹ بچوں کا ادارہ نہیں ہے۔ تمہیں علم ہے جھوٹی اطلاع دینے پر کیا ہو سکتا ہے؟'' وہ ان کی ڈانٹ سنتی رہی تنگ آ کر وہ چلی گئیں۔

مومی چھت پر چڑھ گئی۔ پولیس جیپ شاہ رخ کے گیٹ کے آگے رکی۔ آفیسر چوکنا انداز میں اپنا پستول سنبھالے اترا۔ بے اختیار اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ آج اس نے ایک جاسوسی ناول میں اسی طرح کی کہانی پڑھی تھی جس میں ایک لڑکی پولیس کو گمنام کالز کر کے جھوٹی اطلاعات دیتی تھی۔ مومی نے جھٹ پولیس کا نمبر گھما ڈالا اور زبردست اداکاری کی جس کے صلے میں پولیس اب شاہ رخ کے گھر آئی ہوئی تھی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد سمیر واپس آ گیا۔ شیر افگن تھانے میں ہی تھا آتے ہی سمیر نے ٹیبل کو ٹھوکر ماری۔

''خیریت!'' وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''پتہ نہیں ہماری عوام کو کیا ہو گیا ہے۔ ایڈونچر اور تھرلنگ کے کتنے غلط معنی لیتی ہے۔ ہونہہ بگڑی نسل۔'' اس نے ہونٹ چبا کر اپنا غصہ نکالا۔ اسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ جھوٹی اطلاع تھی۔

''ٹیک اٹ ایزی۔ اپنے فرائض کی انجام دہی کی خاطر کبھی کبھی ہمیں اس طرح کی ناگوار باتوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔'' اس لمحے فون کی گھنٹی بجی، شیر افگن نے ہی اٹھایا۔

''ہیلو آفیسر! لاش مل گئی ہے ناں؟'' چہکتی آواز میں پوچھا گیا تو اس کا دل چاہا کہ کاش وہ سامنے ہوتی تو اس کا گلا دبا دیتا۔ شیر افگن نے زور سے ریسیور پٹخا۔ سمیر بتا رہا تھا۔

''جب ہم گئے تو مسٹر شاہ نے خود دروازہ کھولا میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر فوراً ملازموں کو بلانے لگے۔ مسز شاہ رخ بھی بھاگی بھاگی آئیں۔'' مارے خفت کے سمیر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ادھر موی ہنس ہنس کر فون پر دوستوں کو اپنی کارگزاری بتا رہی تھی۔ راحت قریب نہیں تھیں۔ ثناء پڑوسیوں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ پلوشہ سے اس کی گہری دوستی ہو گئی تھی۔ دونوں کی عادات یکساں تھیں اس لیے مل بیٹھ کر خوش ہوتیں۔ موی صرف ایک باران کے گھر گئی تھی۔ مسز شیر دل اوران کے سسر سے گپ شپ لگا کر آ گئی تھی۔ پلوشہ ویسے بھی اس کی ہم عمر نہیں تھی۔ بہت ہی کم بولتی تھی جبکہ اسے زیادہ باتیں کرنے والے لوگ پسند تھے بقول اس کے کہ باتونی لوگ کھلی کتاب کی طرح ہوتے ہیں، مکاری نہیں ہوتی ان میں۔ خیر اس کا اپنا نظریہ تھا۔ وہ خود بہت بولتی تھی۔ دوست بھی اس طرح کی بناتی تھیں شوخ وہنگامہ پرور روزنت نئے منصوبے بنتے جس کا مرکزی کردار موی خود ہی ہوتی۔ جاسوسی ناول پڑھ کر وہ خود کو بڑی عقلمند سمجھنے لگی تھی۔

''سمیر یہ تیسری کال ہے جس کے نتیجے میں ہم رسوا ہوتے ہوتے بچے ہیں۔ جس جگہ سے ہم ابھی ہو کر آ رہے ہیں وہ ایڈووکیٹ تھا۔ بڑی کھری کھری سنائی ہیں کہ جہاں قتل ہوتا ہے وہاں تو آپ پہنچتے ہی نہیں ہیں اور ایسی گمنام کالز پر دوڑے آتے ہیں۔'' سمیر واقعی غصے میں تھا۔

''چلو کرتے ہیں کچھ۔'' شیر افگن نے تسلی دی۔ یہ تو طے تھا کہ کالز ایک ہی لڑکی کرتی تھی دو تین روز کے وقفے سے فون آتا کہ ڈیفنس کے فلاں بلاک میں قتل ہو گیا ہے، چوری ہو گئی ہے، اغواء ہو گیا ہے۔

''یقیناً فون کرنے والی کہیں آس پاس ہی رہتی ہے۔'' شیر افگن پرسوچ انداز میں بولا سمیر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا وہ بڑا خجل ہوا تھا۔

☆☆☆

''ہیلو آفیسر! یہاں ڈیفنس میں دو قتل ہو گئے ہیں فوراً آئیں ورنہ قاتل بھاگ جائے گا۔'' شیر افگن نے آواز سے پہچان لیا تھا کہ وہی لڑکی ہے۔

''بی بی ہم کیسے آ سکتے ہیں۔ ایف آئی آر کے بغیر ہم قاتل کو گرفتار تو نہیں کر سکتے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''اچھا کاٹیں ایف آئی آر۔''

''سوری! فون پر تو ایف آئی آر نہیں کاٹی جا سکتی اس کے لیے آپ کو تھانے آنا پڑے گا۔''

''مگر میں کیسے تھانے آ سکتی ہوں؟''

''تو پھر قاتل کو خود ہی گرفتار کر لیں۔'' اس نے مشورہ دے کر فون بند کر دیا چند سیکنڈ بعد پھر گھنٹی بجی۔

''دیکھیں میں آ رہی ہوں مگر مجھے بہت ضروری کام ہے زیادہ دیر رکوں گی نہیں آپ ایف آئی آر کاٹتے ہی روانہ ہو جائیں ورنہ قاتل بھاگ جائے گا۔ اگر اسے علم ہو گیا کہ اس کے قتل کا عینی گواہ موجود ہے تو وہ مجھے بھی قتل کر سکتا ہے۔'' لہجے میں بڑا خوف بھر کر کہا گیا۔ اسے واقعی ڈرلگ رہا تھا اگر اس کا پول کھل جاتا تو...... ویسے سابقہ تجربات نے اسے بے خوف بنایا ہوا تھا۔ وہ تھانے جا کر ایف آئی آر تک کٹوانے پر راضی ہو گئی تھی۔ جاسوسی ناولز کی ہیروئن تو بڑے آرام سے ان مشکلات سے بچ نکلتی تھی، وہ بھی بچ جائے گی۔ اس نے ہر زاویے سے جائزہ لیا تھا۔

''امی! میں پارک میں جا رہی ہوں۔'' اس نے کچن میں مصروف ماں کو اطلاع دی ویسے بھی پولیس اسٹیشن زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ آدھے

گھنٹے میں فارغ ہو کر آسکتی تھی کسی کو پتہ ہی نہ چلتا۔ مرکزی گیٹ پر تعینات کانسٹیبل لڑکی کو سائیکل پر اسی طرف آتے دیکھ کر ذرا حیران ہوا۔ کیونکہ ادھر کم ہی عورتیں آتی تھیں کجا کہ یہ نوعمری لڑکی حلیے سے ہی سکول گرل لگ رہی تھی۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ لڑکی سائیکل سے گیٹ کے آگے اتری۔

''السلام علیکم! میری سائیکل کا دھیان رکھیے میں ابھی آتی ہوں۔'' مومی نے بڑی تمیز سے سلام کیا تو خادم حسین نے خوشدلی سے سر ہلایا۔

وہ اندر آگئی۔ تھانے کی عمارت بڑی وسیع اور جدید طرز تعمیر کی آئینہ دار تھی لمبے سے برآمدے میں دیواروں کے ساتھ خوش رنگ پھولوں والے گملے پڑے ہوئے تھے۔ ایک سپاہی نے مطلوبہ کمرے تک اس کی رہنمائی کی۔

اندر جاتے ہوئے پہلی بار اسے ڈر سا لگا۔ ساری بہادری بھاپ بن کر اڑتی محسوس ہوئی۔

''کیا میں اندر آسکتی ہوں؟'' بے اختیار سمیر چونکا۔ وہ دروازے کے سامنے ہی تھا۔ شیر افگن بھی متوجہ ہوا۔ یعنی شکار چارے پر منہ مارنے واقعی آگیا تھا۔

''آیئے آیئے۔'' سمیر اسے پہچان گیا تھا یوں لگا جیسے وہ اس سے گھر کے ڈرائنگ روم یا کلاس روم میں آنے کی اجازت مانگ رہی ہے۔ کالی فائل والی لاپرواسی لڑکی کو وہ بھولا نہیں تھا۔ شیر افگن نے سامنے کھلی فائل سے سر اٹھایا۔

''تو آپ ایف آئی آر کٹوانے آئی ہیں؟'' وہ اس کے چہرے کو نگاہوں کی گرفت میں لیتا ہوا بولا تو مومی کے ذہن میں کوندا لپکا۔ یہ وہی تھا جس نے سائیکل سے اس کی ٹانگ نکال کر ڈانٹا تھا اسے محسوس ہوا کہ جیسے وہ غلط شخص کے پاس چلی آئی ہے۔ شیر افگن بھی اسے پہچان چکا تھا۔

''سمیر انہیں بٹھاؤ، خاطر مدارت کرو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولتا اٹھ کھڑا ہوا۔ سمیر نے نگاہوں ہی نگاہوں میں رحم کی درخواست کی۔

''ہاں تو کچھ یاد ہے آپ کو کہ یہ کون سا واں قتل ہے جس کی اطلاع ہمیں دی جارہی ہے۔'' وہ بے پناہ سخت لہجے میں بولا تو مومی کو یوں لگا کہ جیسے ابھی شامت آئی۔

''شاباش بولیے، کیسے قتل ہوا ہے یہ؟'' وہ خاموش رہی۔ ''معلوم ہے آپ کو کہ اس طرح کی غلط اطلاعات سے ہمارا کتنا وقت ضائع ہوتا ہے۔ میں آپ کے والدین کو بتاؤں گا کم از کم اپنی اولاد کی سرگرمیوں پر تو نگاہ رکھیں۔ شاباش اپنا ایڈریس بتایئے۔''

وہ خاموش رہی تو وہ دوبارہ دھاڑا ''ہری اپ!''

وہ روبوٹ کی طرح بولتی گئی۔ شیر افگن حیران ہوا یہ تو عین ان کے ساتھ والا گھر تھا جس کے مکینوں کی تعریفیں اس کے تمام گھر والے کرتے تھے مگر ابھی تک اسے نئے پڑوسیوں سے ملنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔

''سمیر میں ابھی آرہا ہوں۔'' اس نے گاڑی کی چابی اٹھا کر مومی کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ ''دیکھیں ایم سوری...... میں آئندہ ایسے نہیں کروں گی۔ میری امی کو کچھ مت بتایئے وہ ہرٹ ہوں گی اور مجھے ڈانٹیں گی۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولی۔ شیر افگن سر جھٹک کر جیپ کا دروازہ کھولنے لگا۔

''میری سائیکل باہر کھڑی ہے میں اس پر آجاؤں گی۔'' اس نے انکار کیا۔ شیر افگن گھوما اس کا بازو پکڑ کر آگے کیا، اسے بے پناہ ذلت محسوس ہوئی کیونکہ اس کی گرفت بہت سخت تھی۔

"سائیکل آپ کو مل جائے گی۔" اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کی۔

موی خوفزدہ تھی نہ جانے امی نے اس کا کیا حال کرنا تھا۔ اس سے تو ذرا سی ڈانٹ بھی نہیں سہی جاتی تھی پھر یہ پولیس آفیسر تو واقعی پولیس آفیسر لگتا تھا۔ چہرے پر سختی، پتھریلے سے تاثرات۔ فولادی گرفت۔

"اتریے۔" اس نے گھر کے آگے گاڑی روکی۔ اندر پلوشہ اور مسز شیر دل بھی موجود تھیں۔ ایسی ذلت کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ راحت وردی میں ملبوس مرد کے ساتھ موی کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔ ثناء بھی نکل آئی۔ یقیناً سنگین معاملہ تھا۔ موی کا جھکا سر ہی ثبوت تھا۔

"السلام علیکم آنٹی! میں آپ کی صاحبزادی کو تھانے سے لایا ہوں۔"

"الٰہی خیر!" راحت نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ مسز شیر دل کو آواز شیر افگن کی لگی۔ دونوں ماں بیٹی باہر آ گئیں۔ شیر افگن نے سارا قصہ سنایا تو بعد میں تعارف ہوا کتنی بے عزتی ہوئی تھی اس کے سامنے کیا سوچتا ہو گا وہ۔ راحت نے اس کے سامنے ہی موی کو خوب ڈانٹا۔ سب کے سامنے ڈانٹے جانے پر بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے۔ شیر افگن پندرہ بیس منٹ بیٹھا راحت اور ثناء اس کے کردار کی پختگی کی قائل ہو گئیں بہرحال انہیں اس سے مل کر خوشی ہوئی تھی اور درو شے کے مقدر پر رشک سا آیا۔ ایسے مضبوط و ہونہار بیٹے تو قسمتوں والی ماؤں کا مقدر ہوتے ہیں۔ انہوں نے برملا اظہار کیا۔ ساتھ ہی موی کی بدتمیزیوں کا رونا رویا۔

"بچی ہے راحت بہن! ابھی عمر ہی کیا ہے۔ وقت کے ساتھ سنبھل جائے گی۔" انہوں نے آزردہ سی راحت کا ہاتھ دبایا۔

"بھلا یہ کیسے سنبھل جائے گی اتنی سی لڑکی اور ہمت دیکھو تھانے پہنچ گئی۔ اگر شیر افگن کے بجائے کوئی اور ہوتا تو...... تھانوں کے ماحول سے آپ بھی واقف ہیں محافظ ہی لٹیرے بن جاتے ہیں۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میں اس کے باپ کو کیا منہ دکھاتی۔" وہ رو پڑیں۔ "ثناء بھی تو ہے ناں۔ اس نے مجھے کبھی تنگ نہیں کیا۔ اپنی عمر سے زیادہ سمجھدار ہے۔ کاش تھوڑی سی عقل اللہ اسے بھی دے دے۔" درو شے ہولے ہولے راحت کا ہاتھ تھپکنے لگیں ان کی پریشانی بجا تھی۔

رات ثناء موی کو کھانے کے لیے بلانے گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ فل آواز میں ڈیک لگا کر دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔ صبح وہ بخار میں پھنک رہی تھی۔ راحت اور ثناء کے ہاتھ پیر پھول گئے، غصے میں اسے ڈانٹ تو دیا تھا اب اس کی حالت دیکھ کر رو رہی تھیں۔ ثناء نے پلوشہ کو فون کر دیا۔ اس نے پندرہ منٹ میں اپنی فیملی ڈاکٹر کو بلا لیا کیونکہ ثناء اور راحت کہیں بھی زیادہ آتی جاتی نہیں تھیں۔ ڈاکٹر کے کلینک کے بارے میں لاعلم ہی تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی خود بھی ان کے گھر پہنچ گئیں۔ راحت موی کے سرہانے بیٹھی رو رہی تھیں ثناء الگ پریشان تھی۔ کل ڈانٹ کھانے کے بعد اس نے پلٹ کر ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ دل ہی دل میں کھولتی رہی وہ بے پناہ حساس تھی سب کے سامنے اہانت کے تصور نے اسے مجروح سا کر دیا تھا۔

شیر افگن جلدی لوٹ آیا تھا۔ درو شے نے اسے بھی کہا کہ موی کو دیکھ آؤ۔ ماں کی ضد سے مجبور ہو کر وہ آ گیا تھا۔ ثناء نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد ماں کو اطلاع دی جو موی کے سرہانے بیٹھی سورتیں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ "ادھر ہی لے آؤ" انہوں نے اشارہ کیا۔ موی کی آنکھ سے آنسو ٹپکا اور گالوں سے لڑھکتا ٹھوڑی پر ٹھہر گیا۔ راحت نے بے اختیار اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔

"موی! آئندہ نہیں ڈانٹوں گی، آنکھیں کھولو میری جان۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔ شیر افگن یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوا اس نے

اشارے سے اس کی طبیعت کا پوچھا اسی وقت مومی نے آنکھیں کھول دیں۔ راحت نے شکر ادا کیا۔

''بیٹا! تم بیٹھو میں شکرانے کے نفل پڑھ کر ابھی آتی ہوں۔ جانا نہیں۔ اب مومی کو ہوش آ گیا ہے۔'' انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوما اور باہر چلی گئیں۔ مومی بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ اس کی موجودگی اسے ڈسٹرب کر رہی تھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' وہ..... بولا حالانکہ یہاں آنے کو اس کا دل ہرگز نہیں چاہ رہا تھا یعنی ایسی لاپروا لڑکی کی عیادت بھی کی جائے۔

''بالکل ٹھیک ہوں میں، کچھ نہیں ہونے والا ہمیں۔'' وہ تلخی سے بولی اور کمبل پھینک کر اتر آئی۔ ثناء چائے لے کر آ رہی تھی۔

''رکو مومی! آرام کرو۔'' وہ ٹرے ہاتھ میں تھامے کھڑی رہ گئی۔ مومی سائیڈ سے نکل گئی۔

''مس ثناء آپ مائنڈ مت کیجئے گا بے جا لاڈ پیار سے آپ نے اپنی بہن کو سر پر چڑھا لیا ہے تھوڑی سی سختی کریں ان کے اوپر۔'' وہ سنجیدہ سی ثناء کو دیکھتے ہوئے بولا۔ دونوں بہنوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس نے کتنے سلیقے سے دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا، نشست و برخاست میں بھی رکھ رکھاؤ تھا۔ ہر جملہ سوچ سمجھ کر بولتی تھی۔ شیر افگن چائے پیتے ہوئے ثناء کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا جب وہ واپسی کے لیے نکلا تو مومی لان میں ٹہل رہی تھی بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

''میری سائیکل پہنچ جانی چاہئے۔'' وہ تحکم سے بولی تو اسے بہت غصہ آیا۔

''وہ سامنے کھڑی ہے۔ کل رات کو چھوڑ گیا تھا میں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نکلتا چلا گیا۔ مومی کے دل میں خواہش ابھری کہ کاش سائیکل کے بجائے اس کے پاس ٹرک ہوتا تو وہ اس مغرور سے شخص کو کچل دیتی پھر وہ اسے کبھی نہ ڈانٹتا۔

وہ صبح پیدل پارک میں چلی گئی۔ اکا دکا لوگ تھے۔ سردی کے باعث رونق ماند پڑ گئی تھی۔ اس کے سوا پارک میں اور کوئی لڑکی نہیں تھی بس وہ اکیلی ہی تھی۔ وہ الگ ہو کر ٹہلنے لگی۔ ایکسرسائز کرتے شیر افگن کو دیکھ کر اسے حیرت نہیں ہوئی۔ وہ بے نیازی سے درختوں کے پیلے پتوں کو دیکھ رہی تھی اسے اکیلے پا کر دو لڑکے قریب چلے آئے۔ دونوں اس سے تعارف حاصل کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ انہیں گھور کر شیر افگن کے آس پاس ٹہلنے لگی۔ انہوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

''پلیز اپنا نام تو بتا دیں۔'' ایک نے فرمائش کر دی۔ وہ شیر افگن کے پاس چلی آئی۔

''دیکھیں یہ لڑکے مجھے تنگ کر رہے ہیں۔'' وہ گھوما تب تک وہ رفوچکر ہو گئے تھے۔ مومی بے اختیار کھلکھلائی وہ حیران ہوا مگر اس کی مسکراہٹ کا سبب نہیں پوچھا۔ وہ پھر دور ہٹ گئی اور کن انکھیوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''یقیناً بہت سی لڑکیوں کے ساتھ اس کے چکر ہوں گے اسی لیے تو ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔'' شیر افگن واپس مڑ کر دوڑنا شروع ہو گیا۔ وہ بھی ہڑبڑا کر اٹھی۔ سارا پارک خالی تھا۔

☆☆☆

پھر اسے پتہ بھی نہیں چلا اور وہ بند دروازے کھول کر دل کے نہاں خانے میں روپوش ہو گیا۔ وہ اس کو نکالنے کی کوششوں میں بے حال ہو گئی خود کو ڈانٹا ملامت کی وہ اتنا سنجیدہ باشعور سا مرد ہے کبھی بھی اسے لفٹ نہیں کرائے گا۔ مگر دل نے ساری دلیلیں رد کر دیں۔

اس کی کھوئی کھوئی کیفیت دوستوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ خود راحت اور ثناء اس میں تبدیلی محسوس کر رہی تھیں۔ کافی دنوں سے اس نے کسی جاسوسی ناول کو ہاتھ نہیں لگایا تھا نہ ٹی وی کو چھیڑا۔ اکثر وہ لان میں گھومتی نظر آتی۔ اس کا سبب انہوں نے باپ سے دوری کو قرار دیا۔ فواد نے بھی تو پلٹ کر ایک سال سے خبر نہیں لی تھی۔ مومی کا یہ رویہ فطری تھا۔

اب وہ پلوشہ کی طرف بھی جانے لگی تھی۔ اس کے فائنل ایگزامز قریب تھے جس کے بعد اس کی شادی ہو جانی تھی۔ ثناء درو شے کے ساتھ بازاروں کے چکر لگا رہی تھی۔ ان کی دوسری رشتے دار خواتین بھی آ گئی تھیں۔ گھر میں چھوٹے موٹے میلے کا سا سماں تھا۔ مومی کو یہ سب بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ آتے جاتے پلوشہ کی کزنز اسے چھیڑتیں تو پلوشہ کے چہرے پر کتنے رنگ بکھرتے تھے۔ مومی بس دیکھے جاتی جیسے ہی وہ آخری پیپر دے کر آئی ثناء بھی چلی گئی۔ وہ اسے مایوں پر اوڑھنے والا دوپٹہ دینے گئی تھی جس پر کرن لگانے کا کام اسے سونپا گیا تھا۔ مومی پہلے ہی وہاں موجود تھی۔ کل پلوشہ مایوں بیٹھ رہی تھی۔ ڈھیروں کام پڑے تھے۔ ثناء بھی شامل ہو گئی۔ مومی تو بس ہاؤ ہو کر رہی تھی۔

پھر مایوں والے روز خوب دل لگا کر تیار ہوئی۔ ثناء سے ہلکا ہلکا میک اپ بھی کروایا۔ دونوں بہنیں بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ مومی پیلے چوڑی دار پائجامے ہم رنگ قمیص اور بڑے سے دوپٹے میں اپنی عمر سے بڑی لگ رہی تھی۔ راحت نے اپنے سہارے والے جھمکے بھی اسے پہنائے تو سہانا روپ اور بھی کھل اٹھا۔ بالوں کو گھنگھروؤں والے پراندے میں جکڑے وہ بے پناہ خوش تھی۔ لڑکیاں دولہا والوں کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف تھیں اور پھولوں سے بھری طشتریاں ڈیکوریٹ کر رہی تھیں۔

مومی کی بے تاب نگاہوں نے شیر افگن کو گھر بھر میں تلاش کر ڈالا، وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ سمیر اور اپنے ایک کزن کے ساتھ بازار گیا ہوا تھا۔ پلوشہ کے لیے سجائی جانے والی چوکی کے لیے پھول خریدنے جو کم پڑ گئے تھے پھر خاصی دیر بعد اس کی واپسی ہوئی۔ پلوشہ نے مومی کو اس کے کپڑے استری کرنے کو کہا تھا۔ ہنگامے میں کسی کو یاد ہی نہیں رہا تھا۔ وہ آنٹی سے پوچھ کر اس کے کمرے میں آ گئی۔ جہاں بیڈ پر پیکٹ میں اس کے کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے استری لگائی۔ آئرن اسٹینڈ باہر تھا وہ کارپٹ کے اوپر چادر بچھا کر کپڑے استری کرنے بیٹھ گئی۔

کلف لگے کپڑوں کو استری کرنا بھی مسئلہ تھا۔ خود اس نے تو اپنے کپڑے کبھی استری نہیں کیے تھے۔ ثناء، راحت یا ملازم ہی کرتا تھا۔ کھلے دروازے سے شیر افگن نے پیلے کپڑوں کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کوئی کزن ہی ہو گی مگر اندر آ کر پتہ چلا کہ یہ تو مومی ہے۔ وہ شلوار استری کر چکی تھی۔

''رہنے دیں میں خود کر لوں گا۔'' اس نے روکنا چاہا مگر وہ نہیں مانی پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے قمیص ایک جگہ سے اچھی خاصی جل گئی۔ وہ ہراساں ہو گئی سمیر بھی آ گیا۔ خوفزدہ ہو کر وہ باہر نکل گئی۔ ہر قدم پہ چھن چھن کرتی وہ سیڑھیاں اتر گئی، سمیر ہنس رہا تھا۔

''یہ وہی ہیں ناں فون والی۔'' وہ تجاہل عارفانہ سے بولا۔

''جی ہاں، پتہ نہیں کس احمق نے میرے کپڑے اسے استرے کرنے کے لیے دے دیے۔'' وہ وارڈروب کھولے دوسرے سوٹ دیکھ رہا تھا۔

''شیر! اس بے چاری لڑکی سے تو تمہیں خدا واسطے کا بیر ہو گیا ہے۔ تم میں تو حسِ لطیف ہی نہیں ہے۔ بالکل عاری ہو اس چیز سے تم۔''

''ہاں تم درست کہہ رہے ہو، مجھے کیئر لیس لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں۔ ان محترمہ سے تو اللہ بچائے۔ اتنی چھوٹی بھی نہیں ہیں، بڑی بہن صرف تین برس بڑی ہے مگر اس میں میچورٹی ہے۔''

شیر افگن نے بالآخر ایک سوٹ منتخب کر ہی لیا۔ سمیر لاپروائی سے میگزین دیکھنے لگا۔ شیر افگن پرفیوم کا سپرے کرنے کے بعد گھوما تو سمیر نے بے اختیار اسے سراہا۔

''شیر! واقعی شیر لگ رہے ہو۔'' اس کے تعریف کرنے کا اپنا اسٹائل تھا۔ وہ اس کا پورا نام لینے کے بجائے شیر کہتا تھا۔ یہ مخلص سا سمیر اسے بہت عزیز تھا۔

''اٹھو چلیں۔'' شیر افگن اسے ساتھ لے کر نکل آیا۔ لڑکیاں ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ موی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ مرد اتنے دلکش سحر انگیز بھی ہو سکتے ہیں۔ باپ کے بعد وہ پہلا مرد تھا جس نے اس کے احساس کے تاروں کو چھیڑا تھا اس کا واسطہ زیادہ مردوں سے کبھی پڑا ہی نہیں۔ ہاں جب وہ ہائی کلاسز میں آئی تو اسے مرد ٹیچرز ہی پڑھاتے تھے مگر شیر افگن جیسا مکمل مرد اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد موی نے اسے مکمل مرد کا خطاب دے کر پاس کر دیا تھا۔ ہر طرف سے آنکھیں بند کیے وہ اسے ہی سوچ رہی تھی۔ عمر کا یہ دور کتنا خطرناک ہوتا ہے، مومنہ حسن کو اس کا قطعی احساس نہیں تھا۔

پلوشہ کی رخصتی کے بعد کا پھیلاوا سمیٹنے کے لیے ثناء راحت کے کہنے پر یہیں رک گئی تھی۔ مزے کی بات یہ تھی کہ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد موی بالکل نہیں اکتائی تھی۔ درو شے کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ ثناء انہیں چائے کے ساتھ ڈسپرین دے کر آئی۔ شیر افگن کے کمرے کی طرف جانے کی اسے ہمت نہیں ہوئی۔ اس نے موی کو بلا لیا۔ وہ خوشی خوشی تیار ہو گئی۔ ثناء نے محسوس ہی نہیں کیا۔ شیر افگن کمرے میں اندھیرا کیے ایزی چیئر پر نیم دراز تھا۔ یہ بہنیں بھی کیا چیز ہوتی ہیں، پاس ہوں تو موجودگی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ دور جا کر رگ و پے کو دھڑکا کر رکھ دیتی ہیں۔ پلوشہ اس کی چھوٹی لاڈلی اکلوتی بہن جو وقت سے پہلے ہی سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس نے بے دردی سے جلتی آنکھوں کو رگڑا۔ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور کوئی اندر آ گیا۔ موی کا گھنگھروؤں والا پراندہ اور پازیب چھن چھن کرتی اس کے بالکل قریب آ کر رکی۔ اس کی لاپروائی کا وہی عالم تھا دوپٹہ پھندے کی طرح گردن میں لپٹا ہوا تھا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ اسے دوپٹہ سنبھالنے کی عادت نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ زیادہ تر جینز کے اوپر رنگ برنگی قمیص زیب تن کرتی تھی اور اسکارف مارے بندھے شانوں پر لٹکا لیتی ہاں مگر پلوشہ کی شادی میں وہ مکمل شلوار قمیص اور دوپٹے میں نظر آئی تھی۔

''یہ لیں چائے۔'' اس نے نیم اندھیرے میں بیٹھے شیر افگن کی طرف گرم گرم چائے کا کپ بڑھایا۔ بے دھیانی میں کپ کے بجائے اس کے ہاتھ میں موی کی کلائی آ گئی اس کا پورا وجود آندھی کی زد میں آئے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپا اور سارا کپ الٹ کر شیر افگن پر گرا۔ وہ اچانک اٹھا، اچھی خاصی جلن ہو رہی تھی خاص طور پر ہاتھ تو جھلس ہی گیا تھا وہ جلن برداشت کر گیا موی شرمندہ سی تھی۔

''اب جائیں اور چائے لانے کی زحمت مت کیجئے گا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔

''دیکھیں ایم سوری میری غلطی نہیں تھی۔ اصل میں......'' شیر افگن شاید ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا وہ لڑکی تو سر سے پیر تک نئے رنگوں میں ڈوب چکی تھی۔

☆☆☆

راحت نے مسز شیر دل سے ثناء کی کہیں بات چلانے کے لیے کہا تھا۔ فواد خود بہت پریشان تھے۔ رات جب وہ دونوں بہنیں سوئی ہوئی تھیں تو ان کا فون آیا تھا۔ شیر افگن کو دیکھ کر ان کے دل میں خواہش ابھری تھی کہ کاش یہ ان کی ثناء کا مقدر بن جائے۔ مومی تو اس سے چھوٹی ہی تھی۔ ثناء اپنے قد کاٹھ اور بھرے بھرے جسم کے ساتھ اپنی عمر سے دو تین برس بڑی ہی لگتی تھی۔ اس کے مزاج میں سنجیدگی بھی تو بے انتہا تھی۔ ہاں اس کی خوبصورتی میں کوئی کلام نہیں تھا۔ پلوشہ کی شادی میں کئی عورتوں نے اسے خیالوں میں اپنے بیٹیوں کے ساتھ ملا کر دیکھا۔ بلکہ پلوشہ کی دو تین کزنز کو مومی بھی بے حد پسند آئی تھی۔ کتنی شرارتی، زندہ دل اور ہنس مکھ تھی۔ صبوحی نے تو مذاق مذاق میں پلوشہ کو مشورہ دے ڈالا تھا کہ اسے اپنے بھائی کے لیے مانگ لو کم از کم مسکرایا تو کریں گے۔

''صبوحی! بھائی کو امیچور لڑکیاں پسند نہیں ہیں۔ پھر یہ خاصی چھوٹی بھی ہے۔ کہاں سوٹ کرے گی ان کے ساتھ'' اس نے صاف گوئی سے کہا۔

''ہائے یہ تو نہ کہو اتنی پیاری لڑکی ہے۔ کیوٹ سی گڑیا جیسی۔'' رومانہ سے برداشت نہیں ہوا تو بول پڑی۔

صد شکر کہ مومی نے یہ تبصرے نہیں سنے وہ حسب معمول اپنے آپ میں مگن رہتی اسے امی کی پریشانی کا کوئی احساس نہیں تھا۔ بس کلائی سے ایک خوشبو لپٹی رہتی جسے محسوس کرتے کرتے وہ نیند کی وادیوں میں اتر جاتی جہاں پھولوں سے بھرے سبزہ زاروں میں مست موسم میں شیر افگن اس کے ہمراہ ہوتا۔ وہ اس کے ساتھ دوڑتی چلی جاتی۔ بادلوں میں ڈولتی اسے کتنا شوق تھا کہ پہاڑوں پر دکھائی جانے والی روئی کے گالے چھوئے، پکڑے اور بالآخر اپنے آنچل میں گرہ لگا کر باندھ لے۔ خوابوں میں وہ دیکھتی کہ وہ بہت بلند جگہ کھڑی ہے۔ ایک ڈھلوان سی پہاڑی ہے اور وہ اس پر چڑھ کر بادلوں کو چھونے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس کے قدموں میں دھنک بکھری ہے۔ ان خوبصورت خوابوں کا عکس اس کے چہرے پر جھلک آتا۔ آنکھوں میں ستارے دمکتے، جگنو سے چمکتے۔ وہ پہلے بھی بہت ہنستی تھی مگر اب تو مسکان اس کے ہونٹوں سے جدا ہی نہیں ہوتی تھی۔

اقصیٰ نے ایک روز اس سے اگلوا ہی لیا اور پھر سب دوستوں کو بتا دیا۔ ''دیکھا میں نہ کہتی تھی اس کی آنکھیں بہت تاثر انگیز ہیں اور اپنی مومی ڈوب ہی گئی۔'' زارا نے گردن اکڑائی سب بے فکرے گھروں کی کھاتی پیتی لڑکیاں تھی جنہیں غم کا مطلب تک نہیں پتہ تھا۔ مومی بھی تو اس کیفیت سے آشنا نہیں ہوئی تھی بس مسکراتی رہتی۔

☆☆☆

شیر دل خان کی سولہویں برسی تھی۔ پلوشہ کو ار باز اور شیر افگن نے بمشکل چپ کرایا۔ یہی حال مما کا تھا جبکہ دادا ابو الگ اداس تھے۔ سولہ برس گزرنے کے باوجود بیٹے کی جدائی کا صدمہ کم نہیں ہوا تھا جبکہ شیر افگن نے خود کو خاصا کمپوز کیا ہوا تھا۔ آنکھیں ضبط کی شدت سے انگارہ بنی ہوئی تھیں۔

''بھائی جان وہ زندہ ہے آپ اسے کسی طرح ڈھونڈیں اور پھانسی کے تختے تک پہنچائیں تاکہ ہمارے سینوں میں سلگتی آگ ٹھنڈی ہو۔''

پلوشہ نے روتے روتے نڈھال انداز میں اپنا سر بھائی کی آغوش میں رکھ دیا۔

''دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ اس کے پورے خاندان کو گولیوں سے چھلنی کر دوں۔ موت کی نیند سلا دوں تاکہ اس کی اولاد اور بیوہ ہمارے غم کو محسوس کرے۔ سولہ برس ہم نے جلتے ہوئے انگاروں پر جلتے گزارے ہیں جس روز بھی مجھے کلیو ملا میں دن رات کا فرق بھلا کر کام کروں گا اپنے باپ کے قاتل کو پھانسی کے تختے پر دیکھنا میری بھی آرزو ہے۔'' پھر اس رات شیر افگن ساری رات جاگتا رہا بلکہ اس گھر کے باقی تینوں فرد بھی ایک پل کے لیے نہ سو سکے۔

''آج سے سولہ برس پہلے گھر میں شیر دل کی گولیوں سے چھلنی لاش آئی تھی۔ اس وقت وہ کوئٹہ میں رہتے تھے۔ دادی جان تو جوان جہان بیٹے کو مردہ دیکھ کر خود بھی حوصلہ چھوڑ گئیں۔ صبح دو جنازے اٹھے ایک شیر دل اور دوسرا اس کی ماں کا۔ شیر افگن میٹرک کا طالب علم تھا۔ باپ کی شہادت نے دونوں بہن بھائیوں کو بے پناہ سنجیدہ اور محتاط بنا دیا تھا۔ سات آٹھ سالہ پلوشہ تو اونچی آواز میں ہنستی تک نہ تھی خود درِ وشے کو ہر وقت فکر رہتی جیسے یہ بچے بھی شیر دل کی طرح ان سے چھن جائیں گے۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے پھرتی رہتیں۔ سنگین خان کو چپ لگ گئی تھی کچھ عرصہ بعد وہ کراچی چلے آئے۔ سنگین خان نے بڑے چاؤ سے شیر دل کے بیوی بچوں کے لیے ''شیر دل ہاؤس'' بنوایا اب ان کا جینا مرنا ان کے ساتھ تھا۔ شیر افگن باپ کی طرح پولیس ڈیپارٹمنٹ میں ہی گیا۔ پلوشہ بھی اپنے گھر کی ہو گئی تھی۔ اب شیر افگن کا مسئلہ تھا۔ اس حادثے نے اسے توڑ پھوڑ دیا تھا۔ وہ سرد مزاج سا ہو گیا تھا۔ اس کے ہم عمر دوسرے کزنز دو دو بچوں کے باپ بھی بن گئے تھے۔ اس نے ابھی تک لڑکی پسند نہیں کی تھی۔ درِ وشے کو یقین تھا کہ اس گھر میں شیر افگن کے حوالے سے آنے والی لڑکی اسے بدل ڈالے گی۔

انہوں نے ثناء کے حوالے سے اس سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ کیا۔

''مما یہ آپ کیا کر رہی ہیں، میں فی الحال اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔''

''تو میں کونسا ابھی کہہ رہی ہوں۔ وہ بھی پڑھ رہی ہے۔ ایک سال کے بعد شادی کریں گے تب تک تم بھی خود کو تیار کر لو۔''

''آپ نے ان لوگوں سے کوئی بات تو نہیں کی ہے۔'' وہ متفکر نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' انہوں نے مختصراً جواب دیا۔

''تو پلیز ابھی کوئی بات مت کریں۔ کم از کم چار چھ ماہ تک بالکل نہیں۔''

''افگن کیا خوشیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں۔ کب تک سچی خوشیوں کے لیے ہمیں ترساتے رہو گے۔ میں بہت اکیلی ہوں۔ پلوشہ کے بعد ان در و دیوار کی تنہائی اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اپنا نہیں تو میرا خیال کر لو۔'' وہ اچانک ہی بکھر گئیں۔ شیر افگن گھبرا گیا۔

''ٹھیک ہے مما! آپ جو چاہیں کریں۔'' اس نے بلا مشروط ہتھیار ڈال دیئے۔ جانتا تھا اس کی ماں ضبط کی انتہا پر ہی بکھرا کرتی ہے۔

☆☆☆

''راحت بہن! فواد صاحب کب تک آئیں گے؟'' وہ اس سوال پر چونک گئیں۔

''کچھ پتہ نہیں انہوں نے کمپنی کی ایک برانچ بینکاک میں کھولی ہے۔ نیا نیا معاملہ ہے وہ اتنی جلدی نہیں آئیں گے۔''

''ٹھیک ہے ان کے آنے پر سارے معاملات طے ہو جائیں گے میں آپ سے اپنے بیٹے کے لیے ثناء بیٹی کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں۔''

راحت کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ بے شک اوپر والا بڑا بے نیاز تھا۔ انہوں نے جو سوچا وہی ہو گیا۔ درو شے بات ان کے کان میں ڈال گئی تھیں۔ راحت نے اسی روز فواد کو فون کیا۔ فواد نے درو شے کو فون کیا وہ بے پناہ خوش تھے۔ بہت بڑا بوجھ جیسے سر سے ہٹ گیا تھا۔ مومی کے لیے بھی اب انہوں نے سوچنا تھا فواد کے آنے پر منگنی اور پھر شادی کا پروگرام تھا۔ درو شے کے تمام خاندان کو خبر ہو گئی تھی۔ شیر افگن کی خالائیں بہت خوش تھیں۔ پلوشہ ثناء کو چھیڑتی تو اس کے مسکراہٹ سے نا آشنا لب مسکرا اٹھتے۔ ان سارے ہنگاموں میں ایک وجود ایسا بھی تھا جو چپ چاپ اپنی کھودی قبر میں دفن ہو گیا۔ کالج سے آتے ہی مومی اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیتی اور پھر شام کو نکلتی پھر سات بجے سے بھی پہلے وہ دوبارہ کمرہ نشین ہو جاتی۔

چلو تم کو بتاتے ہیں

کہ تم کو دیکھ کر دل نے

کہا تم رشتہ جاں سے بھی بڑھ کر ہو

دعا کی سرحدوں پر

جو ادھوری ہے ایسی تمنا ہو

میرے دل کا مقدر ہو

کہ تم اک روشنی بن کر/ شفا لے کر

کسی دست مسیحا کی طرح

اترے ہوئے ہر زخم جاں پر ہو

چلو تم کو بتاتے ہیں

کہ تم ایماں ہمارا ہو

سرائے دہر میں اندیشہ زندگانی میں

تمہی دل کا سہارا ہو

جو روح کے آسماں پہ جگمگایا ہے محبت سے

سہانی شام کی چاہتوں کا پہلا تارا ہو

وفا کا استعارہ ہو

تمہارے قرب کی خوشبو سے پتھر کی طرح ہم نے
سلگتی دھوپ میں پھیلاؤ پایا ہے
تمہارے پیار کے رنگین کنول ٹھنڈی ہوا سے سرسراتے ہیں
کہ ہم ساون میں بھیگے پیڑوں کو چھو لیں تو
تمہارے لمس کی خوشبو کے لمحے جگمگاتے ہیں
چلو تم کو بتاتے ہیں
کہ ہم نے زندگی کے سب ورق لے کر
سبھی سطروں میں لکھ لی ہے تمنا تم کو پانے کی
زمانے بھر میں شاید کاتب تقدیر کے ہاتھوں
مرے دل نے لکھ لی ہے تمہاری چاہ کی خواہش
تمہاری آرزوؤں کا جو اک ادراک ہے مجھ میں
کسی میں ہو نہیں سکتا
تمہاری مسکراہٹ کا جو اک ارمان ہے مجھ میں
کسی میں ہو نہیں سکتا
چلو تم کو بتاتے ہیں
چلو تم کو بتاتے ہیں

مگر اسے کچھ بتانے سے قبل ہی خوابوں کے تمام سلسلے جھٹکے سے ٹوٹ گئے تھے۔ بھلا اس کا اس سے کیا رشتہ تھا جو اس نے کچی سوچوں میں اسے بھر لیا تھا۔ وہ اس کے لیے تھا ہی نہیں تو وہ اس کے لیے کیوں سوچتی رہی تھی۔ ثناء کی آنکھوں میں جگنو دمکنے لگے تھے۔ پلوشہ کی چھیڑ چھاڑ سے اکثر اس نے اس کے رخسار سرخ ہو کر دہکتے دیکھے تھے۔ ثناء نے اب ان کی طرف جانا کم کر دیا تھا جب پلوشہ رہنے کے ارادے سے آتی تو وہ تب جاتی۔ وہ اسے گھنٹوں بٹھائے رکھتی۔

☆☆☆

مجھ کو اک دن
اجنبی آنکھوں کی خاموشی نے
سمجھایا کہ

منہدم ہوتے ہوئے

خوابوں کی دلداری کبھی اچھی نہیں ہوتی

''موی بڑی چپ چپ ہو، کالج میں کسی سے لڑائی تو نہیں ہوئی ہے؟''

''نہیں۔'' اس نے کروٹ بدلی۔ راحت کو آج اس پر بہت پیار آ رہا تھا۔ وہ اس کے پاس ہی لیٹی ہوئی تھیں۔

''امی میں پپا کے پاس بنکاک چلی جاؤں۔ ان سے کہیں ناں وہ مجھے بلوالیں۔'' یہ نیا کیڑا اس کے دماغ میں کلبلایا۔

''جانو ثناء کی شادی کے بعد ہم جائیں گے۔'' امی نے کہا اف اس کا دل سکڑ گیا تب تک اذیت برداشت کرنی ہے۔

☆☆☆

دروشے آج زبردستی موی کو لے آئی تھیں۔ سنگین خان اسے بہت دنوں سے یاد کر رہے تھے وہ چہرہ ہی نہیں دکھاتی تھی۔

''آتی جاتی رہا کرو تمہیں دیکھ کر زندگی سے پیار ہونے لگتا ہے۔'' وہ محبت سے اسے پاس بٹھاتے ہوئے مسکرائے۔

وہ دعا کر رہی تھی کہ شیر افگن ابھی نہ آئے۔ اس کے آنے سے پہلے پہلے وہ جانا چاہتی تھی۔ مگر دروشے اسے شیر افگن کے والد کے بارے میں بتانے لگیں۔ پہلی بار اسے یہ حقیقت معلوم ہوئی تھی۔ اسے واقعی بہت دکھ محسوس ہوا۔ شیر افگن بھی آ گیا۔ اس نے کئی بار اجازت لینی چاہی مگر دادا ابا نے اسے روک لیا۔ وہ بہت بیزار لگ رہی تھی۔ سنگین خان واش روم میں وضو کرنے گئے تو شیر افگن نے واضح طور پر اس کی بیزاری نوٹ کی۔ اس کی آنکھیں اور پیشانی دیکھ کر بار بار ایک خیال ذہن کے دریچوں پہ دستک دیتا وہ اسے وہم سمجھ کر جھٹک دیتا۔

آج کل وہ بڑی سنجیدگی سے پرانے کیس کو دیکھ رہا تھا جو سولہ سال پہلے فائلوں میں بند ہو گیا تھا۔ اس تمام عمل کے دوران وہ اپنے ہر ممکن وسائل کو بروئے کار لایا تھا۔ سمیر اور رحمٰن مرزا اس کی بھرپور مدد کر رہے تھے۔ وہ انہی کی طرف سے ہو کر آ رہا تھا۔ رحمٰن مرزا تمیں پینتیس سال سے صحافت سے وابستہ تھے۔ اپنے کام کے دھنی اور پورا پورا انصاف کرنے والے۔ انہوں نے اسے گزشتہ سولہ سال کا تمام قابل ذکر اخباری مواد فراہم کیا تھا۔ سولہ برس پہلے اس واقعے کی بڑی دھوم مچی تھی۔ اخبارات نے خصوصی فیچر چھاپے تھے۔ آہستہ آہستہ گرد بیٹھ گئی تھی۔ شیر افگن نے احتیاط سے متعلقہ تصاویر اور ریکارڈ ایک فائل میں محفوظ کر لیا تقریباً سارا دن آج اس نے اخبار کے دفتر میں گزارا تھا۔ بڑی عرق ریزی اور باریک بینی سے اس وقت کے اخبارات کو پڑھا اسے چونکا دینے والی خبر معلوم ہوئی کہ جلیل عرف جیلا کی ایک بیٹی ہے اس کی ایک دھندلی سی تصویر بھی شائع ہوئی تھی جو تقریباً ایک ڈیڑھ سال کی بچی کی تھی۔ کافی حد تک اس کے نقش و نگار اپنے باپ سے ملتے تھے۔ اس نے جلیل اور بچی کی تصویر سامنے رکھ کر کافی دیر موازنہ کیا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ اب وہ ساڑھے سترہ سال کی ہو گی۔ اس عرصے میں اس میں کافی تبدیلی آئی ہو گی۔ وہ مل بھی جاتی تو اسے کیسے پہچان پاتا۔ تازہ اطلاعات کے مطابق جلیل زندہ تھا اور روپوشی کی زندگی گزار رہا تھا۔ شاید اس نے نام بھی بدل لیا ہو اور حلیئے میں بھی تبدیلیاں کر لی ہوں۔ سولہ سال ویسے بھی کسی انسان کو بدلنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔

شیر افگن نے احتیاط سے اس بچی کی تصویر کاٹ لی تھی اب واپس آ کر جونہی اس کی نظر موی پر پڑی جھٹ اس کا ذہن اس تصویر کی طرف

گیا۔اس کی آنکھیں اور پیشانی ہوبہو جلیل عرف جیلا کی طرح تھیں۔ایک رنگین میگزین میں اس کا کلوز اپ شائع ہوا تھا وہ بھی اس کے پاس محفوظ تھا۔

''مومنہ! آپ کے پپا کب سے بنکاک میں ہیں۔''اس نے پوچھا۔

''تقریباً ڈیڑھ سال سے۔''وہ حیران ہوئی آج سے پہلے تو اس نے ایسا کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔

''ثناء آپ کی سگی بہن ہے؟''

''بالکل سو فیصد۔''نہ جانے کیوں اس بے تکے سوال پر اسے غصہ آ گیا۔

شیر افگن نے سمیر سے بھی اس کا ذکر کیا۔

''یار! یہ محض اتفاق ہو سکتا ہے میں اسے نہیں مانتا۔سولہ برس پہلے کی ایک تصویر کو تم جوان لڑکی سے کیسے ملا سکتے ہو۔ویسے بھی یہ دو بہنیں ہیں۔اخبارات اور دوسرے ریکارڈز کے مطابق جلیل کی صرف ایک بیٹی تھی جبکہ یہاں تو موی کی ایک بڑی بہن بھی ہے۔ریکارڈ کے مطابق تو جلیل کے گھر بچی کی پیدائش دس جون سن اکیاسی میں ہوئی تھی جبکہ میرے خیال کے مطابق ثناء کم از کم مومنہ سے پانچ برس بڑی ہے۔تمہارے مفروضات غلط ہیں۔''سمیر نے بے رحمانہ تجزیہ کیا۔

''سمیر! ہو سکتا ہے ثناء ان کے کسی رشتے دار کی بیٹی ہو۔''

''مگر میرے بھائی آنٹی راحت اور فواد صاحب کا اس بھری دنیا میں ایک دوسرے کے سوا کوئی نہیں ہے۔''

''دیکھو میری جگہ رکھ کر خود کو سوچو بیٹی کی بات پکی ہونے والی ہے۔باپ ہے کہ بینکاک سے آ ہی نہیں رہا ہے۔آخر اسے کیا مجبوری ہے اکیلی بیوی اور بیٹیوں کو چھوڑ کر پردیس میں پڑا ہوا ہے یہاں کرائے پر سپر لگژری بنگلہ دلوایا ہوا ہے جب سے وہ لوگ یہاں آئے ہیں میں نے فواد صاحب کی شکل نہیں دیکھی ہے۔''

''اس کا ایک حل ہے تم ان کے گھر جاؤ اور کہو کہ میں اپنے ہونے والے سسر کی تصویر دیکھنا چاہتا ہوں۔''سمیر نے چھیڑا۔

شیر افگن نے اس کی شرارت سے قطع نظر سنجیدگی سے اس پوائنٹ پر سوچنا شروع کر دیا۔دوسرے روز وہ آنٹی راحت کے گھر پہنچ گیا۔ثناء اور وہ بازار گئی ہوئی تھیں موی البتہ گھر میں تھی۔وہ آج تیسری بار ان کے گھر آیا تھا۔موی نے اسے ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔باتوں باتوں میں شیر افگن نے ان کی فیملی کی تصویریں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔وہ پس و پیش کیے بغیر البم اٹھا کر لے آئی۔

شیر افگن نے شروع سے آخر تک تمام البم دیکھ لیا فواد کی تصویر کہیں نہیں تھی۔

''انکل کی تصویریں بھی دکھائیں ناں۔''وہ سرسری لہجے میں بولا۔

''اصل میں پپا نے اپنی ساری تصویریں پھاڑ دی ہیں۔انہیں شوق نہیں ہے۔''اس نے سادگی سے بتایا اس کے کمرے سے نکلتے ہی شیر افگن نے البم میں سے موی کی دو تین تصویریں نکال کر چھپا لیں گھر آ کر اس نے اخباری تصویر سے تین، سات اور نو سال کی تصویروں کو ملایا۔پیشانی اور آنکھیں چاروں تصویروں میں مشترک تھیں۔اس نے چاروں تصویریں سمیر کے سامنے رکھ دیں۔وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔دونوں رحمان

مرزا کے دفتر چلے آئے۔

''انکل! مجھے اس تصویر کی اوریجنل کاپی چاہیے۔'' اس نے اخبار سے کاٹی تصویر ان کے سامنے رکھی۔

''بیٹا! یہ فیچر ظفر عاصم نے لکھا تھا۔ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے جان پر کھیلتے ہوئے یہ تصویر حاصل کی تھی۔ اسی تصویر کی وجہ سے اس کی جان گئی اسے قتل کرنے سے پہلے جلیل سے متعلقہ ایک ایک چیز کو جلا دیا گیا تھا اس لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ قتل کے بعد جلیل اندرون پشاور روپوش ہو گیا تھا۔ تم وہاں سے مدد حاصل کر سکتے ہو قصہ خوانی بازار میں نصر قریشی ہے تم اس سے میرا نام لے دینا، وہ جو کچھ ہو سکے گا کرے گا۔'' انہوں نے اسے نئی راہ دکھائی۔

شیر افگن دو دن کی چھٹی لے کر فوراً پشاور چلا گیا۔ نصر قریشی اسے ایک دھیڑ عمر پٹھان کے پاس لے آئے تھے جو صدر روڈ کے پاس رہتے تھے۔

''پندرہ ساڑھے پندرہ سال پہلے اس شکل کا ایک آدمی ہمارے مکان میں بطور کرائے دار آیا تھا۔ اس کی ایک بچی بھی تھی کوئی ڈیڑھ دو سال کی مگر ایک ماہ کے اندر اندر وہ مکان چھوڑ کر چلا گیا حالانکہ اس نے چھ ماہ کا ایڈوانس بھی جمع کرایا تھا، لیے بغیر چلا گیا عجیب آدمی تھا۔''

''آپ کو پتہ ہے پھر وہ کہاں گیا؟''

''نہیں بھئی، وہ راتوں رات چلا گیا تھا سامان بھی چھوڑ گیا تھا۔''

خان صاحب نے جو کچھ بتایا اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا تھا وہ بے نیل و مرام لوٹ آیا اب اس کے پاس ایک واحد راستہ رہ گیا تھا۔

''مما میں دو ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' رات اس نے دروشے سے کہا۔

''کہاں تو تم دامن بچا رہے تھے اور اب دو ماہ کے اندر...... '' انہوں نے بیٹے کو چھیڑا۔ ''ٹھیک ہے میں کل راحت سے تذکرہ کرتی ہوں۔''

رات اسے بڑی پرسکون نیند آئی تھی۔

☆☆☆

ٹائیں ٹائیں فش

کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا، گل نوخیز اختر کا مقبول ترین ناول، جسے پاک و ہند کے قارئین نے سند قبولیت بخشی۔ اُردو کا پہلا مکمل مزاحیہ ناول، ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو ایک بار شروع کر کے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ ٹائیں ٹائیں فش کہانی ہے ایک غریب گھر کے سادہ لوح نوجوان کی جسے حالات ایک ارب پتی لڑکی کا کرائے کا شوہر بنا دیتے ہیں۔ اس کاغذی شادی سے پہلے اور بعد میں کمال عرف کمالے کی سادہ لوحی اور حماقتیں کیا گل کھلاتی ہیں، جاننے کیلئے پڑھیے ٹائیں ٹائیں فش۔ اسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''فواد میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ فوراً آئیں کہ لوگ دو ماہ کے اندر اندر شادی کرنا چاہتے ہیں اس موقع پر آپ کا موجود ہونا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ انہیں کسی قسم کا شک ہو جائے۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے میں زبیر سے مشورہ کرنے کے بعد آنے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''آپ کو کوشش نہیں کرنی ہے ہر حال میں آنا ہے بلکہ اسے بھی لے آئیں تاکہ دیکھ لے ہم نے پل پل جیتے مرتے کتنی سزائیں کاٹی ہیں۔'' راحت کا لہجہ بھیگ گیا۔ فواد نے انہیں تسلی دے کر فون بند کر دیا۔

اسی ہفتے فواد آ رہے تھے۔ شیر افگن بے چینی سے منتظر تھا۔ وہ خود ائیر پورٹ پر انہیں ریسیو کرنے والوں میں شامل تھا۔ انہیں دیکھتے ہی وہ چونکا اور گہری نگاہ سے فواد حسین کا جائزہ لیا۔ ان سے ملتے ہی وہ فوراً واپس پہنچا ان کی تصویر نکال کر مار کر سے قلمیں موٹی کیں، آنکھوں پر گلاسز کا اضافہ کیا، رخساروں کی ہڈیاں چوڑی کیں، اب جو تصویر بنی وہ ہو بہو ائیر پورٹ سے باہر آنے والے فواد حسن کی تھی شک کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اس نے آئی جی کو فون کر کے آگاہ کیا انہوں نے اسے اپنے آفس آنے کی ہدایت کی۔

''تم نے کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ اپنے باپ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پورا پورا بندوبست کیا ہے۔ کامیابی کی صورت میں پروموشن ڈن سمجھو۔''

''سر کوشش کریں کہ اخبار والوں کو اس معاملے کی بھنک نہ پڑے ورنہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''ایسا کچھ نہیں ہو گا تم فکر مت کرو اب تم آرام سے اپنا کام کر سکتے ہو میں تمہیں اس کام میں مکمل اختیار دے رہا ہوں۔'' انہوں نے اسے یقین دلایا۔ اسے معلوم تھا کہ اب منزل دور نہیں ہے۔

☆☆☆

''زبیر بہت بری خبر ہے مجھے شک ہے کہ شیر افگن شیر دل کا بیٹا ہے۔''

''تمہیں کیسے علم ہوا کہ ایسا ہے۔''

''ذرا یاد کرو جب شیر دل کا قتل ہوا تھا تو اس کے بیٹے کی تصویر اخبار میں چھپی تھی۔ اس نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آئے گا۔ زبیر، تمہارا ہونے والا داماد ڈی ایس پی ہے اور اتفاق سے اس کا نام بھی شیر افگن ہے۔''

''تم نے ائیر پورٹ سے اپنا تعاقب تو ہوتے نہیں دیکھا۔''

''سچ تو یہ ہے کہ میرا دھیان کہیں اور تھا۔''

''اچھا شیر افگن کے انداز میں تم نے کوئی غیر معمولی بات تو نوٹ نہیں کی ہے۔''

فواد نے سوچ کر جواب دیا جو کافی پریشان کن تھا۔

''بیٹا! یہ تم کس انداز میں آئے ہو اور یہ باقی لوگ ان کا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟'' راحت شیر افگن کے ساتھ پانچ چھ وردی میں ملبوس

سپاہیوں کو دیکھ کر لڑکھڑا گئیں۔

''مسز جلیل کھیل ختم ہو چکا ہے۔ہم جلیل عرف جیلا کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔آپ کا تو خیال یہی ہو گا ناں کہ سولہ سال پرانا کیس دوبارہ کیسے کھل سکتا ہے۔میں شیر دل کا بیٹا ہوں ڈی آئی جی شیر دل کا بیٹا''اس کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

موی وہیں پتھرا گئی۔''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرے پپا تو فواد حسین ہیں۔''

''نام بدلنا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔زاہد تم گیٹ پر اندر کی طرف کھڑے ہو جاؤ دو لوگ برآمدے میں چلے جائیں۔ایک اوپر جائے، میں ادھر ہی ہوں۔''اس نے ماتحتوں کو ہدایت کی۔

''مسز جلیل شرافت سے بتادیں کہ ثناء کس کی بیٹی ہے؟''وہ درشتی سے بولا اس کے لہجے سے گزشتہ ادب واحترام غائب ہو چکا تھا۔

''میری بیٹی ہے اور کس کی بیٹی ہے۔''

''مت جھوٹ بولیں۔''وہ دھاڑا۔موی بری طرح سہم گئی تھی۔اس نے راحت کو دونوں بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا۔ثناء کونے میں کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔

''ثناء ٹیک اٹ ایزی آپ کو کچھ نہیں ہو گا میں تو اپنے باپ کے قاتل کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔آپ محفوظ ہیں، ڈونٹ وری۔''اس نے بھاری ہاتھ اس کے شانے پر رکھتے ہوئے اسے تسلی دی۔وہ بے یقینی سے راحت اور موی کو دیکھ رہی تھی۔فواد حسن تھوڑی دیر پہلے ہی بازار گئے تھے جانے سے پہلے ان کا کوئی فون آیا تھا جسے سن کر وہ خاصے پریشان ہو گئے تھے۔معلوم نہیں کہ یہ فون کس کا تھا۔

''ثناء آپ مجھے بتادیں کہ آپ کا باپ کون ہے؟''وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

''فواد حسن میرا باپ ہے۔''وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے بولی۔

''خیر نہ بتائیں میں پتہ چلا لوں گا۔''گزرنے والا ہر سیکنڈ موی اور راحت کو کچلے جا رہا تھا۔نہ جانے کیا ہونے والا تھا کاش یہ منحوس دن ان کی زندگی میں نہ آتا۔شیر افگن کی نفرت ان دونوں سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔فون کی گھنٹی دوبارہ بجی اس نے جلدی سے ریسیور اٹھایا۔

''اوہ نو۔''شیر افگن کے منہ سے نکلا۔وہ بھاگتا ہوا باہر نکلا اس نے سپاہیوں کو بھی روانگی کا حکم دیا۔آناً فاناً وہ جیپ اسٹارٹ کر کے نکل آیا۔

اک بار پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔راحت نے تھکے تھکے انداز میں ریسیو کیا اور بولے بغیر سنتی رہیں۔

''ثناء تم فوراً پچھلے گیٹ سے نکل جاؤ''انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

''نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ابھی شیر افگن آتا ہو گا نہ جانے وہ کیوں چلا گیا ہے۔موقع سے فائدہ اٹھاؤ اگر حقیقت کھل گئی تو پتہ نہیں کیا ہو۔''

''آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔''

''نہیں میں نہیں جاتی۔یہاں رہ کر فواد کا بلکہ جلیل کا انتظار کروں گی۔خدا کے لیے چلی جاؤ۔''

ثناء نے الوداعی نگاہ راحت اور موی پر ڈالی اور بھاگتی ہوئی عقبی گیٹ پر پہنچی جہاں گاڑی میں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔ اسی لمحے اگلے گیٹ سے ایک گاڑی اندر داخل ہوئی۔ شیر افگن اسٹریچر اتار رہا تھا۔

اس نے لاش پر سے چادر اتار دی۔ راحت تیورا کر گریں۔ فواد کا جسم اپنے ہی خون میں نہایا ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ان کا سارا بنگلہ لوگوں سے بھر گیا۔ فوٹو گرافر دھڑا دھڑ تصویریں اتار رہے تھے۔ موی کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔

''سنا ہے کہ دہشت گردوں نے یہ حشر کیا ہے۔''

کوئی دوسرا بولا۔ ''نہیں اسے اس کے پارٹنر نے گولی ماردی ہے تاکہ سارا مال اکیلے ہضم کر لے۔''

موی پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ رات کو باپ کا جنازہ اٹھایا گیا۔ صبح ماں کا تیار تھا وہ بے ہوشی کے عالم میں ہی بے جان ہو گئی تھیں۔ شیر افگن کو تیسرے روز ثناء کی غیر موجودگی کا احساس ہوا وہ دندناتا موی کے پاس آیا۔

''ثناء کہاں ہے؟'' وہ چپ رہی۔

بنگلے کے مالک نے تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے موی کو فوراً گھر چھوڑنے کا نوٹس دے دیا تھا۔ اس عالم میں دروشے سنگین خان سے مشورہ کر کے موی کو اپنے گھر لے آئیں حالانکہ پلوشہ اور شیر افگن نے شدید مخالفت کی تھی۔

''مما یہ ہمارے باپ کے قاتل کی بیٹی ہے۔ یاد کریں ہم ان کے بغیر کیسے تڑپے ہیں۔''

''ابھی تو اس کے والدین کی لاشیں اٹھی ہیں۔ چالیسویں تک مجھے کچھ سوچنے کا موقع تو دو، ویسے بھی قدرت کی طرف سے انصاف ہو چکا ہے ہمیں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ رسان سے بولیں۔

موی کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ وہ ایک قاتل، فراڈ اور ڈکیت شخص کی بیٹی تھی باپ بھی ایسا جس کی موت عبرت کا نشان بن گئی تھی۔ ماں شاید بہت کمزور دل تھیں یہ صدمہ سہار ہی نہیں سکی۔ ہاں ایک وہ رہ گئی تھی۔ قدرت نہ جانے اسے کیا کیا دکھانے والی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ثناء کو گھر سے کیوں زبردستی بھیجا گیا۔

''میں گھر سے اسے کیسے نکال دوں باہر بھوکے بھیڑیے تاک میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ادھیڑ ڈالیں گے اسے، اتنی معصوم ہے یہ، پھر اس کا تو قصور بھی نہیں ہے۔'' دروشے بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھیں۔

''پھر کس حیثیت سے آپ اسے گھر میں رکھیں گی؟'' پلوشہ زہر آلود لہجے میں بولی۔

''بہو کی حیثیت سے۔'' ان کی آواز سے ایک دم سناٹا چھا گیا۔

''ہاں یہ ٹھیک کہہ رہی ہے ہم دونوں نے بہت سوچنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ شیر افگن ہماری بات ٹالے گا نہیں۔'' سنگین خان مضبوط لہجے میں بول رہے تھے۔

''دادا ابو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بھائی جان کی شادی ثناء سے ہو گی۔'' پلوشہ انہی کی پوتی تھی۔

''ثناء یہاں نہیں ہے۔ مجھے شک ہے کہ جن لوگوں نے جلیل کو مروایا ہے ثناء کا تعلق ان کے ساتھ نہ ہو اگر ایسی بات ہے تو وہ اسے لے گئے ہوں گے۔اس کی واپسی کی امید مت رکھنا۔''

''دادا ابو اگر ان لوگوں نے جلیل کو مروانا ہی تھا تو اپنی امانت اتنے برسوں اس کے پاس کیوں چھوڑی۔ اگر آپ کو یاد ہو تو جلیل پہلے پہل اغوا برائے تاوان کی وارداتوں میں بھی ملوث تھا۔اس کے اوپر ایک آدھ کیس بھی بنا تھا جو اس کی اسٹرونگ بیک کی وجہ سے ختم ہو گیا۔ ہو سکتا ہے کہ جلیل نے ثناء کو اغوا کیا ہو اور مطلوبہ تاوان حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد اسے پاس ہی رکھ لیا ہو۔''

''نہیں میں اس دلیل کو نہیں مانتا۔ اغواء برائے تاوان کے مجرم ناکامی کے بعد مغوی کو اکثر صورتوں میں ہلاک کر دیتے ہیں تاکہ ان کے جرم کا ثبوت ختم ہو جائے۔جلیل اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ زندہ جیتا جاگتا ثبوت ساتھ لے کر گھومتا پھرے۔ ہو سکتا ہے کہ ثناء اس کے کسی رشتہ دار کی بچی ہو۔''

''میں نے جلیل کی فائل کا گہرا مطالعہ کیا ہے بلکہ اس پر ذاتی کام کیا ہے۔ وہ چودہ سال کی عمر میں یتیم خانے سے بھاگ نکلا تھا۔یتیم خانے کے ریکارڈ میں اس کے باپ کا نام نہیں ہے بلکہ اس شخص کا نام ہے جو اسے یتیم خانے میں لایا تھا یوں اس کے کسی رشتے دار کی موجودگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔اگر اس کے والدین یا رشتے دار ہوتے تو وہ یتیم خانے میں کیوں ہوتا؟ مجھے یقین ہے کہ ثناء مغوی لڑکی ہے۔''

''اگر مغوی لڑکی ہے تو اتنے برس اس نے اسے زندہ کیوں رکھا؟''

دادا ابو آپ مجرم آدمی کی نفسیات سے واقف نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے کوئی اہم کام لینا چاہتا ہو شاید میرے ساتھ ثناء کی شادی بھی کسی پلان کا حصہ ہو۔ آپ نے نوٹ کیا کہ وہ کتنی سہمی سہمی اور چپ چپ رہتی تھی جبکہ یہ محترمہ زندگی کے ایک ایک پل سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔'' اس نے دروازے کے پاس کھڑی مومی کی طرف اشارہ کیا ایک ایسا اشارہ جس میں بے پناہ نفرت اور تحقیر تھی۔

اپنے باپ کے بارے میں اس نے ان چالیس دنوں میں اتنے انکشافات سنے تھے کہ اس کی روح تک بے جان ہو گئی تھی۔اب تو کوئی بات بھی اسے نئی نہیں لگتی تھی۔ شیر افگن کی زبانی وہ تمام ہسٹری سے واقف ہو گئی تھی۔اس کے کہنے کے مطابق ثناء ایک مظلوم لڑکی تھی کیا واقعی ثناء مظلوم لڑکی تھی اسے تو اس گھر میں ہر آسائش حاصل تھی۔ راحت اور فواد کا رویہ تو اس کے ساتھ بے پناہ اچھا تھا۔مومی کو تو اکثر ڈانٹ پڑتی تھی مگر ثناء کو کبھی کسی نے ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔راحت ہمیشہ اسے ایک سمجھدار بیٹی قرار دیتی تھیں جیب خرچ بھی اس کا زیادہ تھا۔مومی کے مقابلے میں اسے کچھ اضافی مراعات بھی حاصل تھیں۔فواد یا جلیل جب بھی فون کرتے پہلے ثناء کا پوچھتے اس کی پسند کو اولیت دیتے۔ پھر یہ لوگ کیوں کہتے ہیں کہ وہ اس کی بہن نہیں ہے۔اس نے تو چھوٹی سی عمر سے ہی اسے اپنے ساتھ دیکھا تھا ہاں وہ کبھی کبھار کچھ دنوں کے لیے گھر سے غائب ہو جاتی تھی۔ راحت کہتیں کہ وہ بیمار ہے ہاسپٹل میں ہے ٹھیک ہو کر آجائے گی اور واقعی پھر وہ آجاتی ٹھیک ہو کر۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی ثناء کم کم ہی غائب ہوتی ایک یا دو دن کے لیے۔اس نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ پھر پپا بھی غائب ہونے لگے تھے۔ وہ ان کے ساتھ بہت کم رہتے تھے کہتے تھے کہ میں بزنس کی وجہ سے دوسرے شہروں میں آتا جاتا ہوں۔

''بہر حال شیر افگن ثناء تو نہیں ہے تمہیں مومی سے شادی کرنی پڑے گی۔ جو ہوا بھول جاؤ اب تو جلیل اس دنیا میں نہیں ہے۔ تمہیں چین

آ جانا چاہیے۔''سنگین خان نے نرمی سے سمجھایا۔

''میں ثناء کی گمشدگی کا مسئلہ حل کر کے رہوں گا اسے ضرور علم ہوگا کہ وہ کہاں ہے؟''اس نے موی کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا۔

''بیٹا! اگر تمہیں ثناء کے بارے میں علم ہو تو بتا دو۔''درو شے التجائیہ انداز میں بولیں۔موی خاموش رہی، اسے پتہ ہوتا تو بتاتی۔

☆☆☆

''سمیر آخر ثناء کہاں جا سکتی ہے جب مجھے جلیل کے قتل کی اطلاع ملی تو اس وقت وہ گھر پر ہی تھی۔جب اس کی ڈیڈ باڈی گھر آئی تو وہ غائب تھی اس وقت میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔تیسرے روز مجھے خدشہ ہوا کہ شاید ان ماں بیٹی نے اسے کہیں چھپا دیا ہو۔''شیر افگن نے پھر اس مسئلے کو چھیڑا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی ہو۔''سمیر نے نیا نقطہ اٹھایا۔

''اس وقت ان کا تمام گھر ایک کرائسس سے گزر رہا تھا جس کو وہ باپ کہتی تھی میں اسے گرفتار کرنے ان کے گھر میں تھا ایسے میں وہ کہاں جا سکتی ہے۔مجھے شک ہے کہ وہ جلیل کے سیکرٹ سے واقف ہوگی اسی لیے اسے غائب کر دیا گیا ہے شاید ان ماں بیٹی کا ہی یہ کارنامہ ہو۔''وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''نہیں مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔میں بھی تمہارے حوالے سے آنٹی اور مومنہ سے ملا ہوں وہ ایسی نہیں ہو سکتیں اور مومنہ تو بہت معصوم ہے۔''

''ہونہہ! معصوم، اسے معصوم مت کہو۔یہ جو جرائم پیشہ لوگ ہوتے ہیں ناں ان کے کنبے میں بھی برائی کے جراثیم ضرور ہوتے ہیں۔اگر وہ معصوم ہوتی ناں تو پولیس کو گمنام کالز نہ کرتی نہ ایف آئی آر کٹوانے آتی۔''

''شیر! یہ اصول غلط ہے۔اگر ایسا ہوتا تو مولوی کے گھر مولوی ہی پیدا ہوتا نیک ماں باپ کا بیٹا بھی نیک پیدا ہوتا۔مجرموں کے گھر مجرم پیدا ہوتے۔نوح کے گھر کنعان اور فرعون کے محل میں موسیٰ پرورش نہ پاتا۔میں ایسے بہت سارے لوگوں سے واقف ہوں جو خود تو بہت نیک و شریف تھے مگر اولاد گمراہی میں ڈوب گئی یا والدین غلط راہوں کے مسافر تھے مگر اولاد نے اپنی نیکی، سچائی اور کردار کی پختگی سے اپنے آپ کو منوایا۔میں نہیں مانتا، اگر جلیل قاتل تھا، ڈاکو تھا تو اس کی بیوی اور بیٹی بھی ایسی ہی ہوگی۔''

''سمیر نہ مانو مگر کچھ کیسز میں ایسا ہوتا ہے۔وہ بشیر علوی یاد ہے جسے اکتوبر میں پھانسی ہوگئی ہے اس کے چاروں بیٹے اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باپ کی گدی سنبھالے بیٹھے ہیں۔''اس نے مشہور سمگلر اور قاتل کا حوالہ دیا۔''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ مومنہ اس بارے میں ضرور جانتی ہو گی۔''وہ مزید گویا ہوا۔

''شیر! ہم نے ان آدمیوں کے بارے میں زیادہ غور نہیں کیا ہے جو جلیل کے ساتھ اس واردات میں شریک تھے۔''

''وہ سب وعدہ معاف گواہ بن گئے تھے، سوائے زبیر کے۔''

''مجھے کسی پر بھی شک نہیں ہے۔یہ تو سامنے کی بات ہے کہ قاتل تو جلیل ہی تھا جو کیفر کردار تک پہنچ گیا ہے مجھے کسی اور سے غرض نہیں ہے۔''وہ دوٹوک بولا۔

''یہ بھی تو سوچو کہ قتل کے بعد زبیر کسی کو بھی نظر نہیں آیا۔''

''مر کھپ گیا ہوگا کہیں۔'' وہ بے زاری سے بولا۔

''اگر میں یہ کہوں کہ ثناء زبیر کی بیٹی ہے تو پھر......''

''سوری! میں اس مفروضے پر یقین نہیں کرتا۔ اگر کروں بھی تو کیسے؟''

سمیر لاجواب ہو گیا اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

''ویسے پتہ ہے۔ مما کہہ رہی ہیں کہ مومی سے شادی کر لو۔'' وہ پیپر ویٹ گھماتے ہوئے سرسری لہجے میں بولا تو سمیر چوکنا ہو گیا۔

''پھر کیا سوچا ہے تم نے؟'' اس نے حتیٰ الامکان کوشش کی کہ اس کے لہجے سے اضطراب نہ چھلکنے پائے۔

''سمیر باپ تو مر گیا ہے مگر اپنی جیتی جاگتی نشانی چھوڑ گیا ہے۔ وہی آنکھیں اور پیشانی ہے، جی چاہتا ہے گرم گرم سلاخوں سے اس کا پورا وجود ہی داغ دوں مگر یہ تو بہت آسان سزا ہوگی۔ سوچ رہا ہوں کہ مما کی بات مان ہی لوں، میرے گھر کے علاوہ اس کے لیے کہیں کوئی ٹھکانہ جو نہیں ہے۔'' اس کا سنگدلی کی انتہا کو چھوتا لہجہ سمیر کے بدن میں سرد سی لہر دوڑا گیا۔

''یہ کہاں کا انصاف ہے کہ باپ کا بدلہ بیٹی سے لیا جائے۔ ویسے بھی میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتا۔'' سمیر نے اسے ملامت سے دیکھا جس کا شیر افگن پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''تم جیسا بھی مجھے سمجھو اس سے کوئی غرض نہیں مجھے، میں تو بس اپنے انداز میں چلنے کا عادی ہوں۔''

''ہاں اس کے لیے بے شک تم اسفل السافلین کے درجے تک گر جاؤ۔'' سمیر نہ جانے کیوں اتنا سخت جملہ بول گیا۔ اس کا خیال تھا کہ شیر افگن کا ری ایکشن بھی سخت ہوگا مگر وہ مسکراتا رہا جو اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ جو ٹھانے ہوئے ہے، کر کے رہے گا۔ اسے کوئی روک نہیں سکے گا۔ اسے تاسف سا ہوا، مومی کتنی معصوم تھی اس نے جب اسے پہلی بار سڑک کے کنارے ہنستے دیکھا تھا تو اس لڑکی کی مسکراہٹ کے دائمی ہونے کی دعا کی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دوبارہ پھر اسے بھی دیکھ سکے گا۔ بالکل غیر متوقع حالات میں سمیر نے اسے تھانے میں دیکھا پھر پلوشہ کی شادی میں یہ جان کر اسے خوشی ہوئی تھی کہ اس کی بہن شیر افگن کی دلہن بنے گی۔ اس نے بھی بہت کچھ سوچ لیا تھا کہ گھر والوں سے بات کرے گا۔ اب لگ رہا تھا کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ اسے دیر ہو گئی تھی۔ مومی اس کے جذبوں سے بے خبر تھی، اس نے تو غور سے سمیر کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔

''شیر! وہ لڑکی واقعی معصوم ہے پھر ماں باپ سے دائمی جدائی کا صدمہ سہنے کی پوزیشن سے گزر رہی ہے۔ کوئی ایسی حرکت مت کرنا جو بعد میں پچھتاوا بن جائے۔''

''تم کیوں اس کی اتنی سائیڈ لے رہے ہو۔'' وہ خاموش ہوا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اسے پسند نہیں کرتے، پھر شادی کا فائدہ؟''

''فائدہ تو آہستہ آہستہ ہی سامنے آئے گا۔'' وہ مسکرایا۔

''اچھا! کیا واقعی ثناء تمہیں پسند تھی؟''

''اس کا جواب وقت آنے پر دوں گا۔''اس نے کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر ٹانگیں پھیلا لیں۔

''شیر! ثناء کی گمشدگی اتنا اہم معاملہ نہیں ہے، پولیس والوں کے بارے میں مشہور ہے کہ پتا بھی کھڑک جائے تو وہ توجیہہ تلاش کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا ہے مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جلیل کے قتل اور ثناء کی گمشدگی کے مابین کوئی نہ کوئی ربط ضرور ہے۔ ٹھیک ہے اگر تمہیں ثناء پسند ہے تو میں ڈھونڈنے میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا، تم مومی کا باب بند کر دو۔''شیر افگن ایک دم ٹانگیں سمیٹ کر سیدھا ہو گیا۔

''سمیر! تم دوست ہی رہو آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے کیا پسند ہے اور کیا ناپسند تمہیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ مومنہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔''سمیر اس انکشاف پر اچھل پڑا۔ شیر افگن کے لہجے کی تلخی بھی فراموش کر گیا تھا۔

''تت......تت......تمہیں کیسے پتہ چلا؟''

''ابھی تم نے خود کہا تھا کہ پتہ بھی کھڑکے تو پولیس والے چونک جاتے ہیں اس کی حرکتیں اور توجہ ایسی تھی کہ میں خاموشی سے آبزرو کرتا رہا، بے وقوف لڑکی......'' آخر میں وہ تلخی سے بولا۔

سمیر کیپ سر پر رکھتا باہر آ گیا۔

''واقعی مومی تم بہت بے وقوف لڑکی ہو۔'' گاڑی ڈرائیو کرتا سمیر بہت آزردہ ہو رہا تھا۔ ''تمہیں معلوم تک نہ ہو سکے گا کہ کسی نے تمہیں دیکھتے ہی دل میں بسا لیا تھا۔ تمہارے سنگ زندگی گزارنے کے خواب دیکھنے شروع کر دیے تھے، تمہاری معصوم سی سرکشی نے کسی کو بری طرح جکڑ لیا تھا۔ تمہیں کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا۔''سمیر نے پوری قوت سے نچلا لب دانتوں میں دبایا تھا۔

دل کی لگی کچھ اور بھی دل کو دیوانہ کرے

☆☆☆

حُسنہ اور حُسن آراء

حُسنہ اور حُسن آراء اردو حاضر کی مقبول ترین مصنفہ **عمیرہ احمد** کی 4 تحریروں کا مجموعہ ہے جس میں ایک کہانی حسنہ اور حُسن آراء پہلی بار آپ کے سامنے آ رہی ہے۔ عمیرہ احمد کا TV کے لئے یہ پہلا منی سیریل بھی تھا اور یہ TV کی تاریخ کے مہنگے ترین منی سیریلز میں سے ایک تھا......اپنی تھیم کے لحاظ سے یہ آپ کو بہت متنازعہ لگے گا۔ مگر انسانی فطرت اس سے زیادہ حیران کن اور متنازعہ ہے۔ **حُسنہ اور حُسن آراء** کتاب گھر پر دستیاب ہے جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سنگین خان رات کو ٹھیک ٹھاک سوئے تھے۔ صبح معمول کے مطابق ملازم انہیں ناشتے کے لیے بلانے گیا تو وہ بیدار نہیں ہوئے۔ فجر کی نماز سے پہلے وہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے پھر قرآن شریف اور نماز فجر پڑھ کر وہ سو جاتے تھے۔ آٹھ بجے ناشتے کے لیے انہیں اٹھایا جاتا تھا۔ رحیم بخش کو اس حقیقت کا ادراک ہو گیا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ اس نے روتے ہوئے ان کی کھلی ہوئی بے نور آنکھیں بند کیں اور گھر والوں کو اس اندوہناک سانحے کی اطلاع دینے کی ہمت کرنے لگا۔

درو شے تو ڈھے سی گئیں۔ شیر دل کی شہادت کے بعد وہ ان کے لیے سایہ دار گھنا درخت بن گئے تھے۔ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے پاس چلے آئے حالانکہ ان کی بیٹیاں کتنا شکوہ کرتیں کہ کبھی ایک ایک ہفتہ ہمارے پاس بھی آ کر رہیں، وہ مسکرا کر کہتے کہ میری بہو اکیلی ہو جائے گی۔ آج اسی اکیلی عورت کو وہ چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

پھر جس دن ان کا جنازہ اٹھایا گیا دوپہر کو اچانک درو شے کا بلڈ پریشر خطرناک حد تک لو ہو گیا۔ وہ بالکل بے ہوش ہو گئی تھیں۔ پلوشہ نے اپنے فیملی ڈاکٹر کو فون کیا، شیر افگن خود انہیں ہاسپٹل لے جانے کے انتظام کر رہا تھا مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی وہ طبی امداد سے بے نیاز ہو چکی تھیں۔ پلوشہ روتے روتے بیہوش ہو گئی۔ ارباز کو بہت فکر تھی کیونکہ اس کے وجود میں نئی زندگی پل رہی تھی۔ شیر افگن نے بے پناہ حوصلے کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہیں بھی کم ہمتی نہیں دکھائی تھی۔ وہ جانتا تھا اس کی بزدلی سے بہن بھی بکھر جائے گی۔

موی کو یقین ہو چلا تھا کہ اب اسے یہاں سے دھکے دے کر نکالا جائے گا۔ آنٹی کی وفات کو تقریباً ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا۔ وہ بالکل تیار تھی مگر شیر افگن یا پلوشہ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ رات کو پلوشہ ارباز کے ساتھ چلی آئی۔ ساتھ اس کی ساس بھی تھیں وہ سب شیر افگن سے ملنے آئے تھے۔ نہ جانے کیا بات تھی وہ بھی ان کے آنے کے پندرہ منٹ بعد لوٹ آیا، شاید اسے ان کے آنے کی خبر تھی جو وہ آ گیا تھا۔ وہ ایسے ہی ڈرائنگ روم کے آگے سے گزرتے گزرتے رک گئی تھی۔ زور زور سے باتیں ہو رہی تھیں، آواز باہر تک آ رہی تھی۔

''اس کھڑاک کی ضرورت ہی کیا ہے بس دونوں خالائیں اور قریبی گھروں سے ایک ایک فرد کو بلایا جائے، میں ہنگامہ کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔'' شیر افگن کی اکھڑی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''یوں کہوں ناں تم کسی کو بلانا نہیں چاہتے۔'' پلوشہ کی ساس کی ناراض سی آواز ابھری۔

''ہاں افگن اگر رشتے داروں کو نہ بلایا تو ناراضگی ہو جائے گی۔'' ارباز بولا۔

''شادی میری ہو رہی ہے یا رشتے داروں کی۔'' شیر افگن ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

''ہائیں اس کی شادی کس سے ہو رہی ہے۔'' موی حیران ہوئی۔

''اور ہاں پلوشہ! جیولری اور کپڑے خریدنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے یہ ڈھکوسلے پسند نہیں ہیں۔'' وہ قطعی انداز میں بولتا جھٹکے سے دروازہ کھول کر نکلا۔ موی دیوار سے چپک گئی۔ شکر تھا کہ وہ آگے چلا گیا تھا ورنہ اسے یہاں چوروں کی طرح کھڑے دیکھ کر کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔ یہ راز بھی کھل گیا کہ اس کی شادی کسی اور سے نہیں بلکہ اسی سے ہو رہی ہے۔ پلوشہ کھڑے کھڑے یہ اطلاع دے کر پلٹ گئی تھی، یہ کہتے ہوئے کہ ''ہمیں مما

کی آخری خواہش کو ہر صورت پورا تو کرنا ہی ہے۔''

موی نے اپنا دل ٹٹولا، وہاں خوف کالے ناگ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جی چاہا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے کہیں نہ کہیں ٹھکانہ مل ہی جائے گا۔ آخر دارالامان کس لیے ہیں وہ اس سے اتنی نفرت جو کرتا ہے پھر شادی کیوں کرر ہا ہے۔ وہ تو ثناء کو ڈھونڈنے کی بات کر رہا تھا۔ موی تو ایک طرح سے اس پر صبر کر ہی چکی تھی۔ آج اپنے اندر جھانکا تو احساس ہوا کہ وہ صبر نہیں جبر تھا۔ معلوم ہونے پر کہ آنٹی ثناء کے لیے شیر افگن کا پروپوزل لائی ہیں وہ کمرہ بند کر کے گھٹ گھٹ کر کتنی روئی تھی۔ اسے کتنا دکھ ہوا تھا پھر ایک دم سارے منظر ہی بدل گئے۔ اس کے پپا کا قتل، امی کی موت، ثناء کا جانا سب کتنے دلخراش سے حادثے تھے اور جب مالک مکان نے فوراً اسے مکان چھوڑنے کا نوٹس دیا تو اسے یوں لگا تھا کہ زندگی ختم ہوگئی ہے۔ آنٹی درِ وشے نہ جانے کس بہادری سے اسے شیر دل ہاؤس لائی تھیں اور اسے اپنی بہو بنانے کی بات کی تھی۔ پلوشہ اور شیر افگن کی مخالفت پہ اسے اپنا آپ بہت کمتر لگا تھا پھر وہ کیسے مان گیا یہ بھی ایک راز تھا۔ اس نے خود کو حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دیا۔

پلوشہ، ارباز صبح پھر چلے آئے۔ چند منٹ کے وقفے سے شیر افگن کے تین چار اور رشتے دار آئے۔ موی خود کو کسی ڈرامے کا کردار محسوس کر رہی تھی جس کے ہاتھ میں ابھی سکرپٹ اور مکالمے نہیں تھمائے گئے تھے۔ شیر افگن تین بجے کے قریب لوٹا ساتھ سمیر بھی تھا۔ مومنہ سوئی ہوئی تھی جب پلوشہ استری شدہ سوٹ لیے اس کے کمرے میں آئی۔

''موی اٹھو شاور لے کر یہ کپڑے پہن لو ایک آدھ گھنٹے میں مولوی صاحب آنے والے ہیں۔'' پلوشہ نے اسے زور زور سے ہلایا۔ وہ آنکھیں ملتی اٹھ بیٹھی۔ پلوشہ کی بات سوئے سوئے ذہن کے ساتھ اسے سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''نکاح ہے تمہارا شام کو شیر افگن بھائی کے ساتھ۔'' پلوشہ نے زور سے بتایا۔ یہ سب غیر متوقع تو نہیں تھا پھر بھی وہ پوری جان سے لرز گئی اور پلوشہ کے لائے ہوئے سوٹ کی طرف دیکھا۔ انگوری کلر کا کاٹن کا پرنٹڈ سوٹ تھا۔ دوپٹے پر کیش لگی ہوئی تھی۔ شیر افگن کی ہدایت پر پلوشہ ہی کلف لگا یہ سوٹ لائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ سمپل اور ڈل سا کلر ہو پر وہ اپنے نفیس ذوق کے ہاتھوں مجبور تھی۔ خاصے مہنگے بوتیک سے یہ سوٹ لیا تھا۔ تراش خراش بھی بے حد عمدہ تھی۔ اس نے کہا کہ میں اپنی جیولری مومنہ کو پہنا دوں جواباً شیر افگن نے اسے بری طرح جھاڑا تھا۔

''مما کا انتقال ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے جو ہم خوشیاں منائیں۔ ہر کام سادگی سے ہوگا، شرع میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ سرخ جوڑے اور منوں زیوروں کی غیر موجودگی کے باعث نکاح ہی نہیں ہوتا۔'' وہ چپ ہوگئی تھی البتہ اس کی ساس بہت غصے میں تھیں۔

''تمہارے افسران، کولیگ اور دوست کیا کہیں گے، کم از کم انہیں تو انوائٹ کرلو'' انہوں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر مشورہ دے ڈالا۔

''یہ میرا درد سر ہے۔ اگر انہوں نے کچھ کہا تو بڑا مناسب جواب ہے میرے پاس۔'' اس نے اہمیت ہی نہیں دی پھر انہوں نے بھی نہ بولنے کی قسم کھالی۔

موی نہا کر پلوشہ کے لائے کپڑے پہن کر نکلی اور بال خشک کر کے سادہ سی چوٹی گوندھ لی۔ شیر افگن کی خالہ نے اسی وقت اپنی نند کو ساتھ لیا اور بازار سے چوڑیاں، مہندی اور میک اپ کے لوازمات خرید لائیں۔ موی کے نہ نہ کرنے کے باوجود انہوں نے اس کا ہلکا ہلکا میک اپ کیا،

چوڑیاں پہنائیں اور مہندی سے گل بوٹے بنائے۔ دلہن کے بجائے وہ فنکشن میں جانے والی ایک سادہ سی لڑکی لگ رہی تھی جس نے زندگی میں پہلی بار میک اپ کیا ہو۔ انہوں نے اپنی سونے کی رنگ اور لاکٹ اتار کر اسے پہنانا چاہا تو اس نے شدت سے انکار کر دیا۔ شیر افگن کی خالہ کو اس پر بہت ترس آیا، مومی کے کانوں میں سونے کی ننھی منی بالیاں تھیں جو میٹرک کرنے پر راحت نے اسے گفٹ کی تھیں۔ وہ ہمیشہ ان کو پہنے رہتی تھی۔ سونے کے نام پر اس کے کانوں میں یہی زیور تھا یا پھر کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں جو وہ بازار سے ابھی ابھی لائی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ شیر افگن انتقاماً یہ ڈھونگ رچا رہا ہے۔ دستک پہ مومی سنبھل کر بیٹھ گئی۔ باریش آدمی رجسٹر اٹھائے اندر آ رہا تھا۔ شدت ضبط سے اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ اپنی کمزوری اور خوف کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی، اس نے بڑے حوصلے سے سائن کیے۔

ڈرائنگ روم میں سمیر شیر افگن کو مبارکباد دے رہا تھا۔ سمیر واحد دوست تھا جسے اس نے شادی میں شرکت کا اعزاز بخشا تھا وہ مومنہ کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا مگر آثار بتا رہے تھے کہ اسے ڈرائنگ روم میں نہیں لایا جائے گا۔ وہ گفٹ دینے کا بہانہ کر کے مومی کے کمرے میں آ گیا جو کشن پر بیٹھی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنے عام سے حلیے میں نظر آئے گی کیونکہ اس نے عورتوں کے باہر نکلتے ہی منہ دھو لیا تھا اور چوڑیاں اتار کر پھینک دی تھیں جن کے ٹکڑے اس کے آس پاس بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اسے تنہا کسی مزار پر بیٹھی نامرادی کے دکھ سے تھکی لڑکی لگی۔ سمیر نے گفٹ پیک نیک خواہشات کے دعا دیتے اس کی طرف بڑھایا جو اس کے میکانکی انداز میں لے کر رکھ لیا۔

''مومنہ! آپ کی فیلنگز کو میں سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے بات کا آغاز کیا تو مومی نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ بھلا وہ اس کے احساسات کو کیسے سمجھ سکتا تھا، کیا وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ کس عظیم دکھ سے گزر رہی ہے، وہ رونا چاہتی تھی مگر رو نہیں پا رہی تھی۔

''آپ بہت کم عمر ہیں اور دنیا بہت چالاک۔ لوگ چہروں پر نقاب لگائے پھر رہے ہیں آپ کو انسانوں کی پہچان ہی نہیں ہے، پرکھ ہی نہیں ہے۔ اتنی عجلت میں یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکائے یوں سنتی رہی جیسے اس کے بجائے وہ دیواروں سے مخاطب ہے۔

گنے چنے مہمان ڈنر کے بعد چلے گئے۔ صرف سمیر رہ گیا تھا۔ وہ نوٹ کر رہا تھا کہ شیر افگن معمول سے ہٹ کر بہت خوش لگ رہا ہے، مومنہ کے برعکس وہ نک سک سے تیار ہوا تھا اور ہمیشہ کی طرح شاندار اور فریش لگ رہا تھا۔ قیمتی مردانہ پرفیوم کی خوشبو اس کے باذوق ہونے کی دلیل تھی جو اس نے لگائی ہوئی تھی۔ مومنہ کی خیریت کی دعائیں کرتا وہ بھی اٹھ آیا۔

مومنہ کو ذرہ بھر خوش فہمی نہیں تھی پھر بھی دروازہ پر ہوتی دستک سن کر وہ چونک گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ دروازے کو لاک لگا کر بستر پر دراز ہوئی تھی۔ وہ اٹھی اور جوتے پہنے بغیر دروازہ کھولا، دوپٹہ مسہری پر پڑا ہوا تھا جو اس کی ازلی لاپروائی کی دلیل تھی۔

''فوراً میرے کمرے میں آؤ۔'' وہ حکم دے کر پلٹ گیا۔ اس نے دوپٹہ کندھوں پر ڈالا۔ نہ جانے اس میں کہاں سے بہادری آ گئی تھی کہ وہ تیز تیز چلتی ایک بھی سیکنڈ ضائع کیے بغیر اس کے کمرے میں گھسی۔ شیر افگن واش روم میں تھا۔ وہ بیڈ سے خاصے فاصلے پر پڑی کرسی پر بیٹھ گئی اندر سے فی الحال اس نے خود کو مضبوط کیا ہوا تھا۔ شیر افگن پندرہ بیس منٹ بعد کپڑے تبدیل کر کے نکلا اسے دیکھتے ہی مومی نے نگاہوں کا رخ موڑ لیا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے ٹھہرا اور ہیئر برش بالوں میں پھیرا پھر پلٹا اس کے جھکے سر کو گھورتا رہا۔ اسے یوں لگا کہ اگر اس نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو بھسم ہو

جائے گی۔ ہاتھوں کو باہم پیوست کیے وہ بااعتماد نظر آنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ شیر افگن نے دیکھا کہ اس کی ہتھیلیاں مہندی سے سجی ہوئی ہیں اس کی آنکھوں میں کچھ دیر قبل طاری ہونے والی شدید نیند گویا ٹھہر گئی تھی۔

''مجھ سے محبت کرتی ہو؟'' عجیب سوال اور شخص تھا بجائے اسے محبتوں کا یقین دلانے کے پوچھ رہا تھا مجھ سے محبت کرتی ہو۔ وہ جیسے اپنے یقین پر مہر ثبت کرنا چاہتا تھا، وہ کچھ نہیں بولی۔

''مجھے بس ہاں یا نہ میں جواب چاہئے۔'' وہ اب کے سخت لہجے میں بولا، موی آہستہ سے پیچھے ہوئی وہ اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا لپک کر اس کے گداز ہاتھ تھام کر اسے جانے سے روکا جن کی حرارت اور نرماہٹ شیر افگن کے لیے کم از کم نئی ہی تھی۔

''شاباش مومنہ! مت شرماؤ مجھے جواب دو۔'' نہ جانے کیوں وہ اتنے نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

موی کی خاموشی اس کے لیے ناقابل برداشت ہو رہی تھی وہ جیسے چپ کا روزہ رکھے ہوئی تھی، کچھ بول کر نہیں دے رہی تھی۔

''مومنہ میں آخری بار پوچھ رہا ہوں تمہیں مجھ سے محبت ہے یا نہیں؟'' شیر افگن کی گرفت غیر ارادی طور پر اس کے ہاتھوں پر سخت ہوگئی تھی۔

''نہیں نہیں نہیں، قیامت تک نہیں۔'' مومنہ کا جواب انتہائی غیر متوقع تھا۔ ساتھ ہی شیر افگن کا ہاتھ حرکت میں آیا اور اس کے گال پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

''جھوٹ بولتی ہو۔'' وہ دانت پیستے ہوئے غرایا۔

موی کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ ایک ایک اشک اس کی جنونی محبت کا گواہ تھا۔

☆☆☆

''ہیلو پلوشہ، مومنہ گھر سے غائب ہے۔'' شیر افگن نے ایک جملہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

''ہیلو ہیلو۔'' پلوشہ نے کریڈل دبایا دوسری طرف سے آتی ٹوں ٹوں کی آواز سن کر اسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ایسے کر رہی ہے اس نے ریسیور رکھا اور اٹھا کر گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ چار گھنٹیاں بجنے پر بھی کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ وہ ریسیور رکھ کر ارباز کو جگانے لگی۔ وہ ساڑھے نو بجے ہاسپٹل جاتا تھا۔ اتنی جلدی بیدار کیے جانے پر جھنجھلایا کیونکہ ابھی ساڑھے سات ہی بجے تھے اور پلوشہ صور اسرافیل پھونکنے پر تلی ہوئی تھی۔

''ارباز، مومنہ گھر سے غائب ہے۔''

''کیا؟'' وہ بستر پر لیٹے لیٹے اچھلا۔

''ابھی ابھی بھائی جان کو فون آیا کہ مومنہ غائب ہے۔ اتنا کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔'' ارباز نے بستر چھوڑ دیا ماں کو بتا کر اس نے گاڑی نکالی۔ وہ خود حیران تھیں کل اسے اچھا بھلا چھوڑ کر آئی تھیں راتوں رات وہ کہاں غائب ہوگئی۔ ارباز کو روک کر وہ بھی بیٹھ گئیں۔ پلوشہ آنے والے وقت کے تصور سے سہم گئی تھی کل ہی تو بھائی کی شادی ہوئی تھی اس بات کو چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے اور یہ ہوگیا تھا۔ اسے جلدی سے سب کچھ جان لینے کی جستجو تھی۔ شیر افگن ڈائننگ ٹیبل پر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ پلوشہ کے خیال میں اسے بہت پریشان لگنا چاہئے تھا مگر اس کے خاص آثار نظر

نہیں آ رہے تھے۔

''بھائی جان یہ کیسے ہوا؟'' اس سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''رات کو اپنے بیڈ روم میں اچھی خاصی سوئی ہوئی تھی۔ میں نے باقاعدہ دستک دے کر چیک کیا تھا، رو رہی تھی کہ پپا اور امی یاد آ رہے ہیں، میں نے اسے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اپنے بیڈ روم میں آ کر سو گیا۔'' شیر افگن نے نہ جانے نگاہیں کیوں چرائیں...... ''صبح ناشتے کے لیے ملازم اٹھانے گیا تو وہ نہیں تھی۔ میں نے پورے گھر میں تلاش کیا اور پھر تمہیں فون کر دیا۔'' اس نے مزید بتایا۔

''بھاگ گئی ہو گی۔ خون کا اثر ہو کر رہتا ہے۔'' پلوشہ زہر خند ہو کر بولی۔ شیر افگن کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

''بیٹا اس کی دوستوں کو فون کرو شاید وہاں چلی گئی ہو۔'' پلوشہ کی ساس بولیں۔

''مجھے اس کی دوستوں کی خبر نہیں ہے نہ کسی کا فون نمبر میرے پاس ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا تو پلوشہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

''ہاں بھلا ہمیں کیا علم تھا کہ وہ ایسی حرکت کرے گی ورنہ اس کی دوستوں کے ایڈریس بھی نوٹ کر لیتے۔'' سب سے زیادہ حیرت سمیر کو ہوئی تھی۔ پلوشہ کو خاص دکھ نہیں ہوا تھا وہ بھائی کی دور اندیشی کی قائل ہو گئی تھی۔ اچھا ہوا جو انہوں نے شادی پر کسی کو نہیں بلایا۔

''شیر! مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ مومنہ کہیں جا سکتی ہے۔ وہ بھی شادی شدہ زندگی کے محض چند گھنٹے گزار کر۔'' سمیر سے یہ خبر ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''وہ جا چکی ہے تم مان لو۔''

''تو بابا اسے تلاش کرو تمہاری بے حسی دیکھ کر مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم اس کے شوہر ہو۔'' سمیر نے اس کے لتے لیے۔

''کیا کروں گا تلاش کر کے۔ اب وہ پہلے والے حال میں تو ہو گی نہیں، دوسرے یہ کہ وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔''

''تو تم کہاں تھے؟''

''اپنے بیڈ روم میں۔''

''پھر تمہیں، یعنی ایک ذہین آفیسر کو وہ غچہ دے کر کیسے نکل گئی؟''

''سمیر وہ رو رہی تھی۔ میں اسے چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ کر سو گیا تھا۔ اس کی نگرانی تو نہیں کر رہا تھا جو مجھے اس کے بولڈ اسٹیپ کی خبر ہو جاتی۔'' اس نے سمیر کا شک رفع کیا۔

''شاید اسے یہ فیصلہ منظور نہیں تھا۔''

''اگر اسے یہ فیصلہ منظور نہ ہوتا تو وہ کل بھی یہ قدم اٹھا سکتی تھی۔ اس کے ساتھ کسی رشتے کسی زنجیر کا بوجھ تو نہ ہوتا۔ کیا نکاح کے بعد ہی اس نے یہ سب کرنا تھا۔''

''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے کل موقعہ ہی نہ ملا ہو۔ ویسے میں خود بھی پریشان ہوں وہ کہاں جا سکتی ہے پہلے ثناء اور اب یہ مومنہ، میں اپنی

طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔'' اس نے عہد کیا پھر اس ایک ہفتے میں اس نے اپنے ممکنہ دستیاب وسائل سے موی کا پتہ لگانے کی کوشش کی جس کا خاص فائدہ نہیں ہوا۔ اسے نہ ملنا تھا نہ ملی۔ اتنے بڑے انسانوں کے جنگل میں وہ جانے کہاں چھپ گئی تھی جو شیر افگن جیسا ذہین آفیسر بھی اسے ڈھونڈنے میں ناکام ہو گیا تھا۔

http://kitaabghar.com

☆☆☆

http://kitaabghar.com

عبدالرشید عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی طرف ہو لیے۔ روزانہ کی طرح وہ جونہی روڈ کراس کر کے پرے میدان کی طرف بڑھے تو ہلکے ہلکے رونے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ آواز فاصلے سے آ رہی تھی وہ سمت کا تعین کر کے معاملہ جاننے کے لیے آگے ہوئے۔ ڈیڑھ دو ماہ کا بچہ گھاس کے فرش پر کمبل میں لپٹا بے یار و مددگار پڑا رو رہا تھا جانے کتنی دیر سے وہ یہاں پڑا ہوا تھا' لگ رہا تھا کہ وہ روتے روتے تھک گیا ہے تبھی اب اس کی گھٹی گھٹی آواز نکل رہی تھی۔ عبدالرشید پوتے پوتیوں والے تھے بچے کو یونہی پڑے دیکھ کر ازلی محبت نے جوش مارا نہ جانے کون شقی القلب تھا جو اس ننھے سے پھول کو یہاں پھینک گیا تھا۔ نومبر کا آخری عشرہ چل رہا تھا۔ کافی سردی تھی۔ لوگ گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔ پھر یہ میدان جہاں یہ بچہ پڑا ہوا تھا مغرب کے بعد سنسان ہو جاتا تھا۔ اس لیے کسی کے کان میں بچے کی آواز نہیں پڑی تھی۔ اس بے چارے کی خوش قسمتی تھی کہ عبدالرشید ادھر سے گزرے تھے۔ انہوں نے کمبل سمیت بچے کو اٹھا لیا اور گھر لے آئے۔ ان کی دونوں شادی شدہ بیٹیاں بھی آئی ہوئی تھیں ساتھ داماد بھی تھے۔ انہیں بچے سمیت دیکھ کر سب حیران ہوئے۔

کتاب گھر کی پیشکش

''ابا جی! یہ کس کا بچہ ہے؟'' ان کا بڑا بیٹا کریم اشتیاق سے آگے ہوا۔ انہوں نے تمام قصہ بتا دیا۔ ان کی بیوی کے چہرے پر فکر مندی چھا گئی۔ پاکستان بنے پانچ چھ سال ہوئے تھے۔ وہ ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور کلیم داخل کر کے یہ گزارنے لائق گھر حاصل کیا تھا۔ محلے میں ان کی بڑی عزت تھی۔ پوری گلی انہیں حاجی صاحب کے نام سے پکارتی تھی حالانکہ انہوں نے حج نہیں کیا تھا بس ان کی نیکی و شرافت کے باعث محلے والوں نے یہ اعزاز بخشا تھا۔ بختاں کو یہ بچہ حاجی صاحب کے خلاف سازش لگ رہا تھا جس کا اس نے اظہار کیا تو تمام بچوں نے تائید کی۔

''آپ محلے میں مسجد میں اعلان کروا دیں اور جان چھڑائیں۔'' وہ بڑی روکھی عورت تھی۔

''اماں آپ کیسی بات کرتی ہیں۔ یہ گم تو نہیں ہوا ہے بلکہ مجھے یقین ہے کسی نے اپنی جان چھڑائی ہے۔'' بڑا داماد بولا تو وہ سہم گئیں۔ اتنے میں بچہ زور زور سے رونے لگا۔ شاید وہ بھوکا تھا کلثوم نے ماں کے اشارے پر اس کے لیے دودھ گرم کیا اسے اٹھانے پر گیلے پن کا احساس ہوا۔ اس نے کمبل اتارا تو ایک تہ شدہ پرچہ نکل کر گرا جسے عبدالرشید نے فوراً اٹھا لیا۔ گھر میں صرف کریم ہی چار جماعتیں پڑھا ہوا تھا۔ انہوں نے وہ کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ وہ با آواز بلند پڑھنے لگا۔

کتاب گھر کی پیشکش

''میں غربت کے باعث اپنے بچے کی پرورش نہیں کر سکتی اس لیے اسے چھوڑ کر جا رہی ہوں جس کسی کو بھی ملے وہ اسے اپنا بچہ سمجھ کر پال لے۔

http://kitaabghar.com

ایک دکھی ماں۔''

بس یہ چند جملے تحریر تھے۔ سب اپنی اپنی رائے دینے لگے۔

"دیکھو تو کیا غریب کا بچہ لگتا ہے کپڑے کتنے اچھے ہیں۔ یہ کوئی اور چکر ہے۔ ابا جی صبح اسے جا کر یتیم خانے چھوڑ آتے ہیں کسی سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہ ہو ہم کسی مشکل میں پھنس جائیں اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

کریم کی بات وزن دار لگی تھی چنانچہ دوسرے روز عبدالرشید کریم کے ساتھ جا کر بچے کو یتیم خانے چھوڑ آئے۔ ان کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر بختاں کے آگے وہ مجبور ہو گئے تھے۔ انہوں نے بچے کے پاس سے ملنے والا پرچہ بھی یتیم خانے کے نگران کے سپرد کر دیا تھا۔

انچارج نے بچے کی پہچان کی خاطر اس کا نام جلیل رکھا۔ وہ بھی باقی بچوں کے ساتھ پلنے لگا۔ پانچ سال ہونے پر اس کی پڑھائی لکھائی شروع ہو گئی۔ سکول یتیم خانے کی چار دیواری میں ہی تھا۔ یہیں پر ایک جھگڑالو لڑکا زبیر بھی تھا جو جلیل سے تین چار برس بڑا تھا۔ بچوں کو مارنا، پیٹنا، ان کی چیزیں چھیننا اس کا معمول تھا۔ کہیں سے اسے پتہ چل گیا تھا کہ جلیل میدان سے ملا تھا اور اسے ایک بڑے میاں چھوڑ کر گئے تھے۔ اس کے ماں باپ کا بھی کچھ پتہ نہیں تھا اس روز سے وہ اسے جلانے ستانے لگا۔ جلیل خون کے گھونٹ بھر کر رہ جاتا کیونکہ زبیر نہ صرف اس سے عمر میں بڑا بلکہ قد کاٹھ اور طاقت میں بھی بے مثال تھا۔ جلیل نے اس کی برتری ذہنی طور پر تسلیم کر لی تھی پھر آہستہ آہستہ زبیر کا رویہ بدلنے لگا۔ وہ اس سے اچھی طرح پیش آنے لگا۔ اصل میں وہ یہاں سے فرار ہونا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اسے ساتھیوں کی ضرورت تھی۔ جلیل کی فرمانبرداری کی بدولت وہ اسے پسند کرتا تھا بالآخر ایک دن وہ اپنے ساتھیوں سمیت بھاگ گیا۔ جلیل بہت خوفزدہ تھا جبکہ زبیر کو پرواہ ہی نہیں تھی لگتا تھا کہ اس نے پہلے سے ہی ہر پہلو پر غور کر رکھا تھا۔ ایک طرح سے وہ ان کا لیڈر بن گیا تھا۔ پہلی رات تو ان کی ایک دُکان کے تھڑے پر گزری دوسرے روز زبیر ایک ہٹے کٹے فقیر کے ساتھ کہیں چلا گیا۔ واپس آیا تو انہیں اپنے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ وہ چاروں کوئی سوال کئے بغیر اس کے ساتھ ہو لیے وہ انہیں فقیروں کے ڈیرے پر لے آیا تھا۔ پھٹے پرانے بدبودار لباس پہنے ہر سائز اور ہر عمر کے فقیر یہاں موجود تھے۔ ان چاروں کو بھی وہاں جگہ مل گئی۔

عجیب وحشت بھرا غلیظ سا ماحول تھا۔ کمرے میں گنجائش سے زیادہ لوگ تھے۔ چرس اور سگریٹ کی بدبو فضا میں چکراتی پھر رہی تھی۔ جلیل کو ابکائیاں آنے لگیں۔ اس کے مزاج میں بے انتہا نفاست تھی جس کے باعث زبیر اسے شہزادہ کہتا تھا۔ بہر حال وہ مارے بندھے اسی کمرے میں سویا۔ صبح انہیں ان کی ڈیوٹی سے آگاہ کیا گیا جو کہ بھیک مانگنے کی تھی۔ جلیل کو تذبذب ہوا تو زبیر نے اسے گھما کر لات ماری۔

"ذلیل کی اولاد اپنی اہمیت دیکھ، خواہ مخواہ زیادہ شریف نہ بن۔ تیری ماں تجھے پھینک کر گئی تھی۔ ہم سے لڑنے کی کوشش نہ کر۔" زبیر نے اس کی زبان بند کر دی وہ روز بھیک مانگ کر واپس آ کر حساب دیتے۔ زبیر سردار کا پسندیدہ شاگرد بنتا جا رہا تھا کیونکہ وہ ہاتھ کی صفائی بھی دکھانے لگا تھا۔ چھوٹی موٹی چوریاں اضافی صفت تھی جلیل بھی اس کے رنگ میں رنگ گیا۔

زبیر نے بڑی ترقی کی۔ چار سال کے بعد اپنا الگ ڈیرہ بنا لیا۔ دوسرے فقیر سردار کو چھوڑ کر اس سے آ ملے۔ زبیر نے شراب کشید کرنے کی بھٹی بھی لگا لی اور جواء کرانے لگا اب اس کی جیب میں بڑا مال تھا۔ پھر ایک لڑکی پہ اس کا دل بری طرح آ گیا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کیونکہ لڑکی کے گھر والے کسی طرح بھی اس کے ساتھ اس کی شادی نہ کرتے وہ جرائم کی دنیا کا جانا پہچانا نام بن چکا تھا۔ چنانچہ اس نے صادقہ کو بھی اٹھوا لیا اور جبری نکاح کر لیا۔ ادھر جلیل کو بھی ایک لڑکی راحت اچھی لگنے لگی۔ سفید اجلا لباس اور کتابیں ظاہر کرتی تھیں کہ وہ طالبہ ہے۔ راحت کو بھی جلیل کی نگاہوں کا احساس

ہو گیا مگر وہ اظہار محبت کرنے سے گھبرا رہا تھا۔ پچھلے روز ہی تو اس پر اغواء برائے تاوان کا کیس بنا تھا۔ سارا کام زبیر کا تھا مگر نام اس کا آ گیا تھا۔ بعد میں زبیر نے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر معاملہ ختم کروا دیا مگر جلیل بہت خوفزدہ تھا۔ زبیر کی سنگ دلی کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مطلوبہ رقم نہ ملنے پر دو بچوں کو قتل بھی کر چکا تھا بہرحال اس نے جلیل کی پریشانی بھانپ لی اور کہا۔

''راحت کو اغواء کروا دوں۔ جب دل بھر جائے تو چھوڑ دینا۔'' وہ خود بھی تو یہی کرتا تھا۔ بچی پیدا ہونے کے باوجود اس کے معمولات و احساسات میں فرق نہیں آیا تھا۔ صادقہ اب ناکارہ شے بن گئی تھی۔

جلیل کو یہ مشورہ بالکل پسند نہیں آیا۔ اس نے کہا۔ ''میں شریفانہ طریقے سے راحت کو اپنانا چاہتا ہوں۔''

حیرت انگیز طور پر زبیر نے اس کی بات مان لی اور راحت کے محلے میں اسے مکان دلوا دیا۔ اب آگے کا کام جلیل کو خود ہی کرنا تھا۔ محلے میں اپنے اخلاق و شرافت کے باعث اس نے جلد ہی شہرت حاصل کر لی۔ راحت کا رشتہ مانگنے کا بہترین موقع تھا۔ صادقہ اور زبیر جلیل کے بھابی بھائی بن کر آئے۔ اپنی لمبی چوڑی جائیداد کی تفصیل بتائی۔ ان کی توقع کے عین مطابق راحت کے گھر والے متاثر ہو گئے اور یوں جلیل کی شادی راحت سے ہو گئی۔ وہ بہت خوش تھا، فطری طور پر زندگی کو گزارنا چاہتا تھا مگر زبیر اس کی کوششیں ناکام بنانے پر تلا ہوا تھا اب اس نے اسمگلنگ کے میدان میں بھی قدم جما لیے تھے۔ ایک رات وہ اس کے گھر آیا اور اپنے نئے منصوبے کے بارے میں بتایا۔ بینک میں ڈاکہ ڈالنا تھا اور سونا سرحد پر اسمگل کرنا تھا۔ ''باقی زندگی عیش سے گزرے گی شہزادے بس آخری بار ہے اپنا نہیں تو بھابی اور بچی کا خیال کر لو۔'' اس نے نیا پتا پھینکا، جلیل ہار گیا۔

زبیر نے جھول سے پاک پلان بنایا تھا اور چیدہ چیدہ ساتھیوں کے سوا کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی مگر اس کے ساتھیوں میں کچھ مخالف بھی تھے جنھوں نے کسی نہ کسی طرح اس منصوبے کا پتہ چلا لیا اور مخبری کر دی۔ یہ پلان بہت بڑا اور خطرناک تھا اس لیے ڈی آئی جی بذات خود اس کیس کو ہینڈل کر رہے تھے، وہ بھی تیار تھے۔ زبیر اور اس کے ساتھی اطمینان سے اپنا کام مکمل کر کے بینک سے نکلے۔ یہ اب تک کی جانے والی سب سے بڑی بینک ڈکیتی تھی جس میں کروڑوں روپیہ اور منوں سونا لوٹ لیا گیا تھا۔ شیر دل مرزا اور ان کے سپاہی باہر موجود تھے جیسے ہی وہ لوگ باہر نکلے تیز روشنیوں میں نہا گئے۔ زبیر نے فوراً اپنے ساتھیوں کو پوزیشن لے کر فائر کرنے کا اشارہ کیا۔ دونوں طرف سے تڑاتڑ فائرنگ کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ جلیل کے ہاتھ میں پستول تھا مگر اس میں چلانے کی ہمت نہیں تھی۔ زبیر مسلسل چیخ رہا تھا۔ شیر دل کا گھیرا تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ صحافیوں کو بھی معاملے کی بھنک پڑ گئی تھی وہ اپنے کیمروں سمیت موجود تھے ایک موقعہ پر اچانک زبیر شیر دل کی بندوق کی زد میں آ گیا۔ ''جلیل فائر'' وہ چیخا مگر جلیل کا پستول خاموش رہا اس نے لرزتے ہاتھوں سمیت اعشاریہ دو پانچ کا ریوالور اونچا کیا۔ ٹھائیں ٹھائیں دو پستولوں نے ایک ساتھ گولیاں اگلیں۔ زبیر کا نشانہ خطا نہیں گیا، شیر دل زمین پر گر پڑا تھا جلیل ابھی تک بنا سوچے سمجھے بے سمت گولیاں چلا رہا تھا۔ فلیش لائٹ اس کے چہرے پر چمکی زبیر پوزیشن بدل چکا تھا اس نے بھاگتے بھاگتے جلیل کو اپنی طرف گھسیٹا اس کا ریوالور وہیں گر گیا زبیر نے تقریباً اسے اٹھا کر پک اپ میں پٹخا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''تم نے مروانے میں کسر نہیں چھوڑی تھی ذلیل! دل چاہ رہا ہے تجھے بھی شوٹ کر دوں تیری کوئی گولی کام نہیں آئی۔ اگر میں ہمت نہ کرتا تو شیر دل پکڑ لیتا ہم سب کو اور اس وقت ہم سب حوالات میں ہوتے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے جلیل کو گھور رہا تھا پھر انہوں نے پک اپ راستے میں ہی

چھوڑ دی اور باقی رستہ پیدل طے کیا۔ زبیر کے لیے بری خبر تھی، صادقہ اچانک مرگئی تھی اس کے ساتھی نے فون کر کے اطلاع دی تھی۔

''مرگئی ہے تو میں کیا کروں؟'' اس نے زیرلب فون کرنے والے کو موٹی سی گالی دی۔

''دادا بچی رو رہی ہے۔'' زبیر فکرمند ہوگیا۔

''جلیل! ایسا کر بھابی کو لے آ۔ ہمارے لیے ویسے بھی کچھ روز خطرہ ہے۔ یہ نہ ہو کہ پولیس اس کے ذریعے ہم تک پہنچ جائے۔'' یوں جلیل راحت اور مومنہ کو لے آیا جہاں زبیر کی بیٹی ثناء گلا پھاڑ پھاڑ کر رو رہی تھی۔ راحت جلیل کے کاروبار سے اچھی طرح واقف ہوگئی تھی مگر یہ وقت طعنے دینے کا نہیں تھا۔ اسے بینک ڈکیتی کا بھی علم ہوگیا تھا۔ صبح کے اخبارات نے اس کا رہا سہا سکون زائل کر دیا۔ اخبارات کے مطابق ڈی آئی جی شیر دل خان اور ان کے چار سپاہی ہلاک ہوگئے تھے۔ زبیر کا صرف ایک ساتھی مارا گیا تھا۔ جلیل کی ہاتھ میں ریوالور پکڑے تصویر چھپی تھی جس کے نیچے لکھا ہوا تھا ڈی آئی جی شیر دل خان کا قاتل، موقع واردات سے اس کا ریوالور بھی ملا تھا جس پر اس کے فنگر پرنٹ...... تھے۔

''زبیر یہ جھوٹ ہے۔ تم تو جانتے ہو یہ قتل میں نے نہیں کیا ہے۔'' جلیل متوحش ہوگیا تھا۔

''تم پولیس کو بے شک کہتے رہو کہ میں نے نہیں کیا ہے وہ نہیں مانیں گے۔ یہ تصویر تمہارے جرم کا ثبوت ہے۔'' زبیر نے صاف آنکھیں پھیرلیں۔ درحقیقت اس کا عیار ذہن نیا منصوبہ بنا رہا تھا۔ ڈی آئی جی کا قتل کوئی عام واقعہ نہیں تھا ملک بھر کے اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن چیخ پڑے تھے۔ قاتل کی گرفتاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ادھر جلیل سخت پریشان تھا۔ زبیر کے ساتھ وہ چھوٹے موٹے جرائم میں ملوث تو رہا تھا مگر اس کے ہاتھ سے کوئی قتل نہیں ہوا تھا۔ زبیر خود بھی ایسے کام اس کے سپرد نہیں کرتا تھا، جانتا تھا وہ بڑا بزدل آدمی ہے مگر بینک ڈکیتی میں اسے اس لیے شامل کیا گیا تھا کہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل اور بے داغ تھا۔ پولیس کی آمد نے سارا کام بگاڑ دیا تھا۔ یہ ضرور کسی گھر کے بھیدی کی کارستانی تھی۔ زبیر نے اس بھیدی کو سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر یہاں اور بھی سنگین چکر شروع ہوگیا تھا۔ زبیر نے بڑی رازداری سے جلیل کی بیٹی مومنہ کی تصویر بنائی اور جلیل کی یتیم خانے میں گزاری زندگی سے لے کر اب تک کے واقعات قلمبند کیے۔ زبیر اگرچہ صرف میٹرک پاس تھا مگر اس میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دنیا بھر کے حالات سے باخبر رہتا تھا اسے پتہ تھا اب کونسی چال چلنی ہے، قریبی فون بوتھ جا کر اس نے ملک کے کثیر الاشاعت اخبار کے دفتر فون کیا اس نے اپنا نام نہیں بتایا اور کہا۔

''میں فری لانسر صحافی ہوں۔ جلیل کے بارے میں ایک چونکا دینے والی رپورٹ ہے میرے پاس اگر دام میری مرضی کے ہوں تو میں یہ معلومات فروخت کرنے کو تیار ہوں۔'' ایڈیٹر صاحب مان گئے یوں بھی جلیل ان دنوں ہارٹ کیک بنا ہوا تھا۔ زبیر نے وہ رپورٹ بائی ڈاک روانہ کر دی۔ جلیل اخبار میں اپنے بارے میں نئے انکشافات پڑھ کر بے دم ہوگیا۔ ساتھ رہی سہی کسر مومنہ کی تصویر نے پوری کر دی۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں مفقود ہوگئیں۔ پھانسی کا پھندا ہر دم نگاہوں کے سامنے جھولتا، دو ہفتے گزر گئے تھے مگر پولیس اسی سرگرمی سے اسے تلاش کر رہی تھی ادھر زبیر کے تین ساتھی گرفتار ہوگئے۔ سزا کے خوف سے بچنے کے لیے وہ وعدہ معاف گواہ بننے پر تیار ہوگئے۔ زبیر جلیل کے پاس آگیا۔

''جلیل یہاں سے نکلنے کی تیاری کرو۔''

"میں کہاں جاؤں، پولیس کتے کی طرح میری بو سونگھتی پھر رہی ہے۔"

"پولیس سے ہی تو بچانا چاہتا ہوں تمہیں۔ تیرے دل میں اگر وعدہ معاف گواہ بننے کا خیال ہے بھی تو نکال دے۔ پولیس حلیہ بگاڑ دے گی تیری بیوی اور بچی رل جائے گی۔ میں نے تمہاری نمک خواری کو بھلایا نہیں ہے ایسے کرو نکلنے کی تیاری کرو، یہ داڑھی مونچھیں یونہی رہنے دو بلکہ ایسا کرو کہ برقعہ اوڑھ لو کوئی نہیں پہچانے گا۔ بھابی مومنہ کو کمبل میں لپیٹ لیں، ثناء کو بھی ساتھ لے جاؤ بن ماں کی بچی کیسے رہے گی۔ یہ رقم احتیاط سے رکھنا۔" اس نے ہدایات کے ساتھ نوٹوں کی موٹی موٹی گڈیاں اس کی طرف بڑھائیں۔ یہ تقریباً تین لاکھ روپیہ تھا جو اس زمانے میں بڑی رقم سمجھی جاتی تھی۔

زبیر کے نفسیاتی تجربے کامیاب رہے، ساتھ ہی اس نے ثناء سے بھی جان چھڑا لی جو اس کے عیش کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ جلیل کی پہلی منزل پشاور تھی۔ بہت جلد زبیر کے ساتھی نے انہیں یہ جگہ چھوڑ دینے کو کہا وہ پھر پنڈی آ گئے۔ زبیر بہت چالاک، موقعہ پرست اور خود غرض انسان تھا۔ اسے معلوم تھا اگر جلیل ایک بار پولیس کے قبضے میں چلا گیا تو زبیر کو پھانسی کے پھندے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ اس نے جلیل کے بارے میں جو رپورٹ ظفر عالم کو بھیجی تھی وہ اسے اپنے کھاتے میں ڈالنے کی فکر میں لگ گیا تھا۔ اس نے بڑی بڑھکیں ماریں کہ جلیل عرف جیلا کی بچی کی تصویر میں نے بڑی مشکل سے حاصل کی ہے۔ زبیر نے جلیل پر احسان عظیم کرتے ہوئے ظفر عالم کو مروا دیا۔ اس نے لازمی طور پر شکر گزار ہونا تھا پھر اس نے جلیل کو نام بدلنے کا مشورہ دیا اور فواد حسن کے نام سے نیا شناختی کارڈ بنوایا۔ وہ اسے پوری طرح اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا تھا تاکہ جلیل کہیں راز نہ اُگل دے۔ جلیل بلکہ فواد حسن ساری زندگی بھاگتا رہا، دوڑتا رہا، ڈر ڈر کے زندگی بسر کرتا رہا۔

ثناء کو بھی باپ کی حقیقت کا پتہ چل گیا تھا۔ اس نے خاص ردِعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ زبیر نے بالآخر فواد کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ وہ ہمہ وقت نفسیاتی دباؤ میں رہے۔ فواد ایک ہفتہ گھر اور ایک ہفتہ زبیر کے پاس گزارتا۔ اس نے مکمل طور پر اپنا حلیہ بدل لیا تھا پھر زبیر اسے بنکاک لے گیا۔ ثناء سے جب اس کا ملنے کو جی چاہتا تو وہ اسے بلوا لیتا۔ بیٹی کے دل میں کیا ہے وہ کبھی نہ جان سکا۔ وہ مستقل اسے اپنی ذمہ داری نہیں بنا سکتا تھا۔ ثناء نے ایسا خود غرض اور بے حس باپ نہیں دیکھا تھا جو گھٹیا درجے کی عورتوں کی قربت کے باعث اسے پاس نہیں رکھ سکتا تھا۔ ایسی صورت میں اسے مکمل باپ بننا پڑتا جو اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

فواد نے جب اسے بتایا کہ ثناء کی بات پکی ہو گئی ہے تو وہ کندھے جھٹک کر رہ گیا جیسے بھاری بوجھ سر سے اترا ہو۔ فواد ہمیشہ کے لیے راحت اور مومی کے پاس رہنا چاہتا تھا۔ راحت جب اسے مومی کی ناراضگی کا بتاتی تو وہ تڑپ اٹھتا۔ اس کا بس چلتا تو وہ دونوں کو لے کر غائب ہو جاتا۔ مومی شکایت کرتی کہ آپ ہمارے پاس زیادہ دن کے لیے کیوں نہیں رہتے جوں جوں وہ بڑی ہو رہی تھی یہ سوال اسے تنگ کرنے لگا تھا۔ فواد کے پرس میں ہمہ وقت اس کی تصویر موجود رہتی تھی۔ راحت جب فون یا خط کے ذریعے بتاتی کہ اس نے فلاں گریڈ حاصل کیا ہے اور فلاں کلاس میں آ گئی ہے تو وہ کتنا خوش ہوتا تھا۔

زبیر نے اس سے کہا تھا کہ ثناء کی شادی کے بعد تم راحت اور مومنہ کو لیکر دنیا کے جس حصے میں مرضی چاہے نکل جاؤ۔ اسے زنجیریں ٹوٹنے کا احساس ہوا تھا اسے کیا خبر تھی کہ زبیر کیا سوچ رہا ہے جیسے ہی اس کا طیارہ فضا میں بلند ہوا زبیر کو کسی نے اطلاع دی کہ شیر دل خان کی فائل پھر کھل چکی

ہے۔ پاکستان پہنچتے ہی فواد نے ہوش اڑا دینے والی اطلاع دی کہ اس کا ہونے والا داماد ڈی آئی جی شیر دل کا بیٹا ہے اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ شیر افگن پر جلیل کا راز کھل چکا ہے اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے گھیر کر مار دو اور ثناء کو نکال لاؤ۔

ایسا ہی کیا گیا۔ فواد قریبی مارکیٹ میں زبیر کو فون کرنے آیا تھا اچانک کہیں سے پک اپ نمودار ہوئی اور فواد کو خون میں نہلا کر چلی گئی۔ زبیر کے کارندوں نے وقت ضائع کیے بغیر راحت کو فون کیا اور کہا کہ ثناء کی زندگی کو خطرہ ہے آپ اسے پچھلے دروازے سے نکال دیں۔ راحت نے نہ چاہتے ہوئے دل پر پتھر رکھ کر ثناء کو نکل جانے کو کہا۔ وہ ان کی بیٹی تو نہیں تھی مگر انہوں نے بیٹی کی طرح ہی اسے پالا تھا مومنہ کے فرشتوں کو بھی اس راز کی خبر نہیں تھی۔ راحت نے قیمتی خزانے کی طرح اسے بینت بینت کر رکھا تھا۔ فواد کا حکم تھا کہ موی کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہئے اور واقعی اسے پتہ نہیں چلا تھا سوائے اس کے کہ اس کا باپ قاتل ہے، فراڈ ہے، جواری ہے، اسمگلر ہے۔

ثناء بخیر وخوبی بنکاک پہنچ گئی۔ زبیر خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ فواد کو اس نے اپنے مطلب کے لیے زندہ رکھا ہوا تھا وہ جب اس کے مفادات کا تحفظ کرنے کے قابل نہیں رہا تو اس کی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے گئے۔ جرائم کی دنیا میں کوئی کسی کا نہیں ہوتا زبیر اور فواد کا یتیم خانے سے جو سفر شروع ہوا تھا ختم ہو گیا۔ فواد کے قتل کو روزمرہ کی دہشت گردی کی کارروائی قرار دیا گیا پولیس خود بھی سست ہو رہی تھی یوں بھی کونسا وہ محب وطن بے گناہ شہری تھا جو کوئی توجہ دیتا۔

ایک چھوٹی سی غلطی نے اتنے بڑے سانحے کو جنم دیا تھا۔ آگے نہ جانے پردہ غیب سے کیا کیا ظہور میں آنے والا تھا۔ ایک داستان ختم ہو گئی تھی اور دوسری شروع ہونے والی تھی۔

☆☆☆

یتی

اس طویل وعریض دنیا میں ابھی بے شمار حقائق ایسے بھی ہیں جن سے انسان پوری طرح باخبر نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کی تجسس پسند فطرت ہر روز کسی نئے چونکا دینے والے انکشاف کے لئے اسے بے قرار رکھتی ہے۔ ایسے ہی چند تحقیق کے میدان کے کھلاڑیوں کی مہم جوئی کا قصہ۔ وہ ایک ان دیکھی مخلوق کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھے۔ ان کی مہم جو طبیعت انہیں خطرناک راستوں پر لے آئی تھی۔ ایک **یتی (برفانی انسان)** کی انہیں تلاش تھی۔ اس کتاب کا قصہ جس کا آخری باب تحریر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ انگریزی ادب سے یہ انتخاب، کتاب گھر کے **ایکشن ایڈونچر ناول** سیکشن میں دستیاب ہے۔

کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے کے ارائیول لاؤنج سے نکلنے والی وہ لڑکی غم کا مرقع نظر آ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس پر پے در پے صدمات کے پہاڑ ٹوٹے تھے۔ کالی شلوار، ہم رنگ قمیص اور کالے ہی دوپٹے نے اس کے حزن وملال میں ڈوبے چہرے کو عجیب سا وقار بخش دیا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک ٹریول بیگ تھا جو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ اس کے بیگ پر لگا ٹیگ بتا رہا تھا کہ وہ بنکاک سے یہاں پہنچی ہے۔ ایئرپورٹ سے باہر نکل کر وہ سڑک کے کنارے کھڑی ہوگئی اور گزرتی ٹیکسی کو ہاتھ دے کر روکا۔ ڈرائیور کو ڈیفنس کے ایک بنگلے کا پتہ بتا کر وہ تھکے تھکے انداز میں پچھلی سیٹ پر ڈھے گئی...... ڈرائیور شوقین لگ رہا تھا اس کے بیٹھتے ہی کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

گھر واپس آؤ گے کیا دیکھو کیا پاؤ گے

کون کہے گا کون کہے گا تم بن ساجن

یہ نگری ویران یہ نگری ویران

مسافتوں کی تھکن جیسے اس کے روم روم میں اتر گئی تھی۔ کسی سے ملنے کی خوشی اور غم کے احساسات بیک وقت حملہ آور ہوئے تھے۔ آنسو چپکے سے پلکوں کی باڑھ پھلانگ گئے۔ ڈرائیور کو کرایہ دے کر اس نے دھڑکتے دل سے سیاہ گیٹ کی بیل بجائی۔ اس کی آنکھوں میں بہت ساری دلچسپیاں، وارفتگیاں سمٹ آئی تھیں جیسے بس کھل جا سم سم کہنے کی دیر ہو اور خفیہ خزانوں کے ڈھیر اس کے سامنے لگ جائیں گے۔ واقعی یہ دروازہ اس کے لیے طلسمی اہمیت کا ہی حامل تھا۔ ابھی ایک سال اور چند ماہ ہی تو گزرے تھے مگر اس کے لیے تو صدیاں ہوگئی تھیں۔ قدموں کی آواز دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی اور پھر دروازہ کھل گیا۔ ایک اجنبی صورت سامنے تھی۔

"جی فرمایئے۔ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔" نو وارد ایک انجان لڑکی کو دیکھ کر مہذب انداز میں بولا۔

"یہاں مسز فواد ہوتی تھیں، کہاں ہیں وہ؟" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"ہم نے یہ گھر ایک سال پہلے خریدا ہے معذرت چاہتا ہوں کہ مسز فواد کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔" اس نے کھٹاک سے گیٹ بند کرلیا تو اسے یوں لگا کہ جیسے ہر روزن بند ہوگیا ہو مگر نہیں، امید کی ایک کرن باقی تھی۔ وہ نئی توانائی سے ساتھ والے گیٹ کی بیل بجانے لگی۔ ملازم ٹائپ سا لڑکا باہر نکلا۔

"جی بی بی جی۔" وہ اس کی قیمتی لباس سے مرعوب ہوگیا۔ لگ رہا تھا کہ نیا ملازم ہے خدا بخش کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

"شیر افگن ہیں۔"

"نہیں بیگم صاحب وہ حیدر آباد گیا ہوا ہے۔"

"اچھا باقی گھر والے تو ہیں ناں؟"

"باقی کون گھر والے، صاب اکیلا رہتا ہے۔"

"ان کی ممی، دادا اور بہن۔" وہ جھلا گئی۔

''بیگم صاب مجھے نہیں پتہ صاب حیدر آباد گیا ہوا ہے واپس آئے گا تو آنا۔''

دوسرا دروازہ بھی بند ہو گیا تو اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔''سمیر ملک'' جگنو کی طرح یہ نام ذہن میں جگمگایا۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ وہ تھانے میں مل جائے ورنہ اسے بڑی پرابلم ہوتی۔ سمیر ملک کو پوچھنے پر سپاہی ایک دم مؤدب ہو گیا اور اسے احترام سے کرسی پیش کی۔ وہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سمیر کو اسے دیکھتے ہی شاک سا لگا مگر اس نے سیکنڈوں میں اپنی حیرت پر قابو پا لیا۔

''مس ثناء! کیسی ہیں آپ؟'' وہ کیپ اتار کر اس کے سامنے ٹک گیا۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' رسمی طور پر خیریت دریافت کی گئی۔

''شیر افگن صاحب کیسے ہیں؟''

''مزے کر رہے ہیں، ضروری کام کے سلسلے میں حیدر آباد میں ہیں۔''

ثناء کو سمیر کا لہجہ اس کے ذکر پر کڑوا سا لگا یا پھر شاید یہ اس کا وہم تھا اس نے سر جھٹکا۔

''اچھا آنٹی، دادا جان اور پلوشہ کیسی ہیں۔ ادھر ہمارے گھر نہیں گئے کبھی آپ؟ میرا مطلب ہے امی اور مومی سے تو آپ کی ملاقات ہوتی رہتی ہوگی؟'' سمیر نے غور سے اسے دیکھا۔ یہ لڑکی اداکاری تو نہیں کر رہی تھی کہیں اس کی نگاہیں دھوکہ تو نہیں کھا رہی تھیں۔

''آپ کہاں ٹھہری ہیں؟''

''کیا مطلب ہے آپ کا۔ میں گھر سے ہو کر آ رہی ہوں وہاں نئے لوگ آ گئے ہیں۔ میں اسی جستجو میں یہاں آئی ہوں۔'' واقعی اس کے لہجے اور آنکھوں میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔

''ثناء میں جو خبر آپ کو سنانے جا رہا ہوں حوصلے سے سنیئے گا۔'' اس نے بات کا آغاز کرنے کی لیے مناسب لفظ تلاش کیے۔

''ثناء جس روز جلیل یا فواد کا قتل ہوا اسی روز آپ کی امی بھی......'' اس نے جملہ پورا نہیں کیا۔

''ہوش میں ہیں آپ یا مذاق کر رہے ہیں۔ اگر یہ مذاق ہے تو بہت گھٹیا، میں سب کشتیاں جلا کر یہاں پہنچی ہوں۔'' شدت ضبط سے ثناء نے دونوں ہاتھوں سے سامنے پڑے ٹیبل کو پوری قوت سے تھاما۔

''ثناء آپ کی امی اس دنیا میں نہیں ہیں اور مومی بھی تقریباً ایک سال سے غائب ہے۔ اصل میں شیر افگن نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ آنٹی درو شے اور دادا جان بھی زندہ نہیں ہیں۔'' تکلیف دہ حقیقت نے اس کی آنکھوں کو پانیوں سے بھر دیا۔ اس نے حلق سے نکلنے والی چیخوں کو آزاد کر دیا۔

''پلیز ثناء چپ ہو جائیں۔'' سمیر گھوما اور اس کی پشت پر پہنچا اور اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

اس نے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا سمیر کا بازو پکڑے اس کے کندھے سے لگے ثناء نے دل کی بھڑاس نکالی۔ آہستہ آہستہ وہ نارمل ہو گئی۔

''یہ شادی کیسے ہوئی؟ آئی مین مومی اور شیر افگن کی شادی؟''

"آنٹی نے اسے زبردستی مجبور کیا تھا مگر اس وقت اس نے انکار کر دیا بعد میں نہ جانے کیسے وہ راضی ہو گیا۔ میں بھی شادی کے نام پر کھیلے جانے والے ڈرامے میں شریک ہوا تھا۔ صبح صبح موصوف نے فرمایا کہ موی گھر سے غائب ہے۔" سمیر جلے بھنے انداز میں تفصیل بتانے لگا۔ وہ غور سے سن رہی تھی۔ "شیر نے انتقاماً یہ شادی رچائی۔ وہ آپ کی گمشدگی کا قصوروار بھی اسے ٹھہرا رہا تھا اور کہتا تھا کہ میں موی سے ثناء کا پتہ اگلوا کر رہوں گا۔ ایک مزے کی بات بتاؤں اسے موی کی گمشدگی کی بالکل پروا نہیں ہے میں اس کی بے فکری دیکھ کر حیران ہوتا ہوں شاید کندھے پر لگنے والے نئے نئے اسٹارز نے اسے کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ میں اس صورتِ حال سے چکرا کر رہ گیا ہوں۔"

ثناء کے چہرے سے فکرمندی مترشح تھی۔

"گویا میرے حصے کی سزا دوسرے بھگتتے رہے ہیں مگر اب اور نہیں میں آگئی ہوں۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"ثناء آپ کہاں رہیں؟ کیوں گئیں؟ بتائیں ناں۔" ثناء نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ یقیناً وہ اس پر اعتماد کر سکتی تھی۔

"سمیر میں جو کچھ کہوں گی اسے مذاق مت سمجھئے گا یہ میری زندگی کا کڑوا سچ ہے۔ مجھے دکھ ہو رہا ہے کہ میں امی اور موی کو چھوڑ کر کیوں گئی۔ کاش میں نہ جاتی۔" پھر اس نے بولنا شروع کر دیا۔ سمیر حیرت کے عالم میں آنکھیں پھاڑے سنتا رہا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ ثناء پھر رونے لگی تھی۔ سمیر نے اس کے ٹریول بیگ سے نکالا گیا بھاری اور موٹا خاکی لفافہ آہنی سیف میں رکھا اور ثناء کو اٹھنے کا اشارہ کر کے باہر آگیا۔

"ثناء میرے گھر میں ایک بیوہ بہن اور اس کی بیٹی ہے۔ امی ابو گاؤں میں ہوتے ہیں نہ جانے میرے گھر میں آپ ایزی فیل کریں بھی یا نہیں۔"

ثناء نے تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ سمیر کی بہن اس سے تپاک سے ملیں۔ اس نے الگ لے جا کر مختصراً اس کے بارے میں بتایا پھر دوبارہ انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"سمیر! موی کو میں کہاں تلاش کروں؟" ثناء بہت پریشان تھی وہ خود اس سوال سے الجھ گیا تھا اس ایک سال میں اس نے اپنے طور پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ معاملہ وہیں رکا ہوا تھا۔

"ثناء جلیل صاحب میرا مطلب ہے کہ فواد صاحب نے آپ سے کبھی اپنے کسی رشتے دار کا ذکر نہیں کیا کبھی۔"

"وہ یتیم خانے سے بھاگے تھے اس کا علم مجھے اخبارات سے ہوا یا پھر زبیر صاحب سے۔ مگر اس بات کا موی سے کیا تعلق ہے؟"

"نہیں تعلق تو نہیں ہے میں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔" اس نے اسے ٹالا۔ جس یتیم خانے سے جلیل بھاگا تھا وہ لاہور میں تھا اس کا ایڈریس سمیر نے نوٹ کیا اور چھٹی لے کر لاہور فلائی کر گیا۔ اس کا آئی ڈی کارڈ دیکھتے ہی نگران نے تمام پرانا ریکارڈ اس کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ سمیر کو مطلوبہ نام مل گیا۔ اسے یہاں لانے والے کا نام اور ایڈریس بھی لکھا ہوا تھا۔

"جلیل نامی بچے کے ساتھ جو چیزیں لائی گئی تھیں کیا وہ تمہارے ریکارڈ میں محفوظ ہیں؟" نگران نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ ایک بنڈل سا ڈھونڈ کر لایا جس میں بچے کے کپڑے، اس وقت کی ایک عدد کھینچی گئی تصویر اور ایک پرچہ تھا۔ سمیر پرجوش ہو گیا۔ پہلی فلائٹ ملتے ہی وہ واپس آیا۔ اسے بات بنتی نظر آ رہی تھی ثناء موی کی گمشدگی سے بے حد پریشان تھی۔

''دیکھیں ثناء شیر افگن کی بے فکری یہ بتاتی ہے کہ موی جہاں کہیں بھی ہے وہ اس جگہ سے واقف ہے۔''

''پھر وہ بتاتا کیوں نہیں ہے، وہ کہاں ہو سکتی ہے؟''

''ایسی جگہ جو شیر افگن کے خیال میں محفوظ ترین ہو۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

''ہو سکتا ہے اس نے کوئی الگ گھر لے کر موی کو وہاں رکھا ہو۔''

''نہیں میں اس مفروضے کو نہیں مانتا بہر حال جلد ہی کچھ کرنا پڑیگا فی الحال میں مارکیٹ جا رہا ہوں آپ نے کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں۔'' وہ سامان کی لسٹ جیب میں ٹھونس کر بولا۔

''نہیں کچھ نہیں منگوانا مجھے۔'' وہ اندر چلی گئی۔ آپا نے سمیر کو مشورہ دیا تھا کہ اس لڑکی سے شادی کر لو۔ اسے بہت ہنسی آئی تھی بھلا کہاں وہ چند ہزار کمانے والا سرکاری نوکر اور کہاں وہ اربوں کی جائیداد کی مالک زمین اور آسمان کا سنگم ناممکن ہی تھا۔ یوٹیلیٹی سٹور سے اس نے سارا سامان خرید کر ٹرالی میں رکھا اور کاؤنٹر پر ادائیگی کرنے آیا۔

''سمیر بیٹے! کیسے ہو بڑے عرصے بعد نظر آئے ہو'' جانی پہچانی آواز سن کر وہ گھوما۔ وہ بابا خدا بخش تھے شیر افگن کے پرانے نوکر۔ اس نے سرسری سا بتایا تھا کہ وہ نوکری چھوڑ کر چلے گئے ہیں آج بہت روز بعد روبرو ان سے ملاقات ہو رہی تھی وہ سگے باپ کی طرح ان کا احترام کرتا تھا اس لیے وہ بھی اسے بڑی محبت دیتے تھے۔

''بابا چلیے چھوڑ آؤں آپ کو۔'' خدا بخش اب اپنے بیٹے کے پاس چلے گئے تھے۔ وہ تو مالکوں کی محبت میں شیر دل ہاؤس چھوڑنے پر تیار ہی نہیں ہوتے تھے یہی سوال سمیر نے اس وقت ان سے کیا۔ چند منٹ وہ خاموش رہے جیسے الفاظ ترتیب دے رہے ہوں۔

''بیٹا میں نے عمر کا زیادہ حصہ بڑے صاحب شیر دل خان کے گھر گزارا، کبھی کوئی اونچ نیچ نہیں ہوئی نہ کسی نے ہمیں نوکر سمجھا بس بیگم صاحبہ کے مرتے ہی عجیب غریب واقعات رونما ہونے لگے۔''

''کون سے واقعات بابا۔'' سمیر نے مہارت سے موڑ کاٹا اور ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں ایک روز گیراج میں گھاس کاٹنے والی مشین لینے گیا تو چیخوں کی آواز سنائی دی۔ بہت مدھم مدھم گھٹی گھٹی سی چیخیں تھیں۔ تہ خانے سے آ رہی تھیں میں نے چھوٹے صاحب سے ذکر کیا تو وہ ناراض ہو گئے کہ بابا آپ سٹھیا گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہو نہ ہو کوئی بدروح بھوتوں کا چکر ہے۔ میں ایک پیر بابا کو جانتا ہوں اسے لے کر آؤں تا کہ وہ گھر کو بدروحوں سے پاک کر دے۔ صاحب نے میری ایک نہ سنی۔ مجھے تو رات سوتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں کوئی جن میرا گلا نہ دبا دے میں نے حضور بخش سے ذکر کیا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ ابھی تم چلے آؤ کوئی بدروح چمٹ گئی تو خیر نہیں ہے۔ میں چھوٹے صاحب سے معافی مانگ کر آ گیا۔ آج کل حضور بخش کے ساتھ رہ رہا ہوں بڑے آرام سے گزر بسر ہو رہی ہے۔ چھوٹے صاحب نے اتنا کچھ دیا ہے کہ میں ان کا احسان ہی نہیں اتار سکوں گا۔'' خدا بخش کی منزل آ گئی وہ اسے دعائیں دیتے اتر گئے۔ سمیر چند منٹ اسٹیئرنگ پر سر ٹکائے کچھ سوچتا رہا۔ قدرت اس کی مدد پر تلی ہوئی تھی۔ آپا رات جلدی سو گئیں۔ سمیر نے ان کے سونے کا اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد ثناء کے کمرے کے دروازے پر آہستگی سے دستک دی۔

''آ جائیں آپا۔'' وہ بے تکلفی سے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ ان کی جگہ سمیر کو دیکھا تو بے طرح شرمندہ ہوئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ثناء، مومنہ کا پتہ چل گیا ہے۔''

''کیا!'' ثناء کی چیخ بے ساختہ تھی۔ سمیر نے فوراً اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''یہ کیا کر رہی ہیں قبر کے مردوں کو جگانے کا پروگرام ہے۔'' وہ ناراضگی سے بولا اور اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ ثناء ایک بار پھر شرمندہ ہوگئی۔

''اچھا کہاں وہ؟'' وہ بے تابی سے پوچھنے لگی۔ وہ سرگوشیوں میں اسے اپنا لائحہ عمل بتانے لگا وہ سر ہلاتی گئی۔

''اگر شیر افگن صاحب لوٹ آئے تو......'' اس نے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی۔

''دیکھا جائے گا۔ ہمیں ایک بے گناہ لڑکی کی ہر حال میں مدد کرنی ہے۔ وہ مظلوم بھی ہے اوپر سے شیر افگن جیسے برتری و انتقام کے زعم میں چور مرد کے قبضے میں ہے۔''

''آپ نے خدا بخش سے پوچھا نہیں کہ اس نے وہ چیخیں کب سنی تھیں؟''

''ہاں بتا رہا تھا وہ بیگم صاحب کے مرنے کے کچھ سات ماہ بعد اس نے نوکری چھوڑی۔''

''گویا اس نے نو دس ماہ پہلے چیخیں سنیں اور موی کی شادی کو تقریباً ایک سال ہونے والا ہے ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ زندہ بھی ہوگی۔'' ثناء کا سوال بہت کڑا تھا۔

''مجھے یقین ہے کہ وہ زندہ ہوگی۔ شیر اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتا ہوں گا اتنی جلدی نہیں جان چھڑائے گا۔'' سمیر کا لہجہ دکھ سے بوجھل تھا۔ ثناء دھیرے دھیرے رونے لگی۔

''اس نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ اس کی قمیص کا گریبان تھام گئی۔

''بتایا تو ہے کہ وہ اسے اپنے باپ کے قاتل کی نشانی سمجھتا ہے۔ کہتا تھا کہ اس کی آنکھیں اور پیشانی دیکھ کر میرا خون کھول اٹھتا ہے۔'' ثناء آنسو بہانے لگی۔

''سمیر جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ شیر افگن کا پروپوزل میرے لیے آیا ہے تو میں سب کچھ بھول کر خوش ہوگئی تھی کہ میرے دکھ کے دن ختم ہوگئے ہیں۔ میں اب شکر کرتی ہوں کہ میری شادی اس سے نہیں ہوئی حقیقت کھلنے پر وہ مجھے جان سے مار دیتا جب میرے باپ کے اتنے کارناموں کا اسے پتہ لگتا تو میرا کیا حشر ہوتا۔ میرے دل میں اس کے لیے نفرت بھری ہے اس نے میری معصوم سی بہن کو کس اذیت میں رکھا ہوگا۔ آپ بہت اچھے ہیں اس سے بہت مختلف اور الگ کسی فرشتے جیسے۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''مجھے انسان ہی رہنے دیں، فرشتوں کو آسمان پر ہی چھوڑیں۔'' وہ اسے ہلکا پھلکا کرنے کی خاطر مسکرایا۔

''اچھا ثناء سویٹ اب کل ہمارا معرکہ ہوگا گڈ نائٹ۔'' وہ دروازے پر پہنچ کر مڑا۔ ثناء اسے ہی دیکھ رہی تھی نگاہیں ملنے پر رخ موڑ گئی وہ اس احتیاط بھری ادا پر مسکرا دیا۔

☆☆☆

گل بادشاہ سمیر ملک کو پہچانتا تھا۔کئی بار وہ اس کے صاحب کے ساتھ گھر آچکا تھا چنانچہ جب اس نے اس کی گاڑی کو دیکھا تو بلا تامل گیٹ کھول دیا۔ثناء سمیر کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔گل بادشاہ کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں وہ اسے پہچان چکا تھا۔

''بھئی گل بادشاہ ہم نے اس کے ساتھ نیا نیا شادی بنایا ہے کہتی ہے کہ میں بھی گل بادشاہ سے ملوں گی۔میں نے بتایا کہ تم پشاوری قہوہ بہت زبردست بناتے ہو، ہم وہی پینے آئے ہیں۔'' گل بادشاہ اس پذیرائی پر آسمان پر اڑنے لگا تھا جبکہ ثناء جھینپ گئی تھی۔سمیر اب اس راز سے آگاہ ہوا کہ شیر افگن نے چوکیدار کے سوا تمام نوکروں کو چھٹی کیوں دے دی تھی بلکہ چوکیدار بھی نیا تھا۔ایک بار اس کی آمد پر گل بادشاہ نے سمیر کو قہوہ پلایا تو اس نے بڑی تعریفیں کیں جس سے گل بادشاہ کا مان بڑھ گیا تھا۔

وہ گیٹ بند کر کے اپنے کوارٹر میں آیا۔سمیر نے ریوالور کا دستہ اس کے گھومتے ہی اس کی کھوپڑی میں مارا اور اوغ کی آواز نکالتے ہوئے فرش پر گرنے لگا تھا۔سمیر نے سنبھال کر بستر پر لٹا دیا۔احتیاطاً اس نے چوکیدار کے منہ پر ٹیپ لگا کر ہاتھ پیر باندھ دیے۔اب وہ ہوش میں آکر شور نہیں مچا سکتا تھا۔''سوری گل بادشاہ اس حرکت کے لئے۔'' وہ اس کی بے ہوش وجود کو دیکھتا باہر نکل آیا۔گیراج کا دروازہ بند تھا۔موٹا سا وزنی تالا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔سمیر اس کا انتظام کر کے آیا تھا۔اس نے جیب سے مختلف چابیوں کا گچھا سا نکالا اور تالے کے سوراخ میں گھما کر چیک کرنے لگا۔چوتھی چابی پر کلک کی آواز آئی۔اس کا چہرہ چمک اٹھا تالا کھل چکا تھا۔

اس نے ثناء کو ٹارچ بجھانے کا اشارہ کیا پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔ثناء کا پیر کس چیز پر سے پھسلا اور وہ گرتے گرتے بچی۔سمیر نے اسے سنبھالا دیا۔اس افراتفری میں ٹارچ ثناء کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔سمیر موم بتیاں بھی لایا تھا وہ جلا کر اس نے ٹارچ ڈھونڈی۔ٹیوب لائٹ جلا کر وہ خطرہ مول لینا نہیں چاہتا تھا۔

وہ تہ خانے کے دروازے پر بھاری کاٹھ کباڑ پڑے دیکھ کر حیران ہوا......موم کی آواز باہر نہ آجائے۔اس خیال سے اس نے یہ فالتو سامان گیراج میں پھینکا تھا۔شیر دل ہاؤس تعمیر کراتے وقت تہ خانے کی تعمیر کہیں بھی شامل نہیں تھی۔ایک جگہ سے زمین بہت نیچی تھی نقشہ نویس نے کہا کہ اس قطعہ زمین کی بھرائی کروا کر تعمیر کرانے کے بجائے تہ خانہ بنوا لیں جو گرمیوں میں ٹھنڈا ہوتا ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔سنگین خان نے سوچا تھا کہ گرمی کے موسم میں کبھی کبھار وہاں ڈیرہ لگایا کریں گے مگر ایک بار جانے کے بعد وہ تائب ہو گئے۔ان کا دم گھٹ رہا تھا شاید اس لیے کہ وہاں روشنی کا انتظام نہیں تھا حالانکہ سوئچ بورڈ اور بلب ہولڈر کی جگہ بنی ہوئی تھی وہ خود ہی سست پڑ گئے تھے چنانچہ تہ خانہ بند کر دیا گیا۔اس کا راستہ گیراج سے ہو کر گزرتا تھا۔گزرگاہ پر گول ڈھکن لگا ہوا تھا جو لوہے کا بنا ہوا تھا اور خاصا مضبوط تھا ایک وقت میں ایک ہی آدمی نیچے اتر سکتا تھا ہاں اسمارٹ قسم کے دو آدمی بیک وقت داخل ہو سکتے تھے۔سمیر نے ثناء کو ٹارچ پکڑائی اور ڈھکن کے اوپر سے سامان ہٹانے لگا۔اس کام میں پینتالیس منٹ لگے کیونکہ وہ کوشش کر رہا تھا آواز پیدا نہ ہو اس لیے اتنی دیر لگی۔

بالآخر سمیر نے آہنی ڈھکن اٹھایا۔ثناء اس کے پیچھے تھی اس نے سیڑھی پر مضبوطی سے قدم جمایا اور اترا ثناء ڈر گئی یہ سب اسے خوفناک خواب کا حصہ لگ رہا تھا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کاش سمیر کے مفروضات جھوٹے ہوں۔چوتھی سیڑھی پر اچانک اس کا پاؤں رپٹا اس کی وجہ سے وہ بھی گرتے

گرتے بچا اس نے ثناء کا سہارا لے کر خود کو متوازن کیا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ رک گئی۔

''پلیز آیئے، منزل پر پہنچ کر یہ کیسی مایوسی ہے، ہمت کریں کچھ نہیں ہوگا پلیز۔'' سمیر نے جرأت سے کام لیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ثناء نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں التجا لکھی ہوئی تھی۔ سیڑھیاں ختم ہوگئیں سمیر کے ہاتھ میں پکڑی پینسل ٹارچ کا دائرہ گھومنے لگا۔ نیچے زمین پر خالی گلاس اور چند پلیٹیں پڑی ہوئی تھیں۔ دیوار کے ساتھ نل بھی لگا ہوا تھا جو پوری طرح بند نہ ہونے کے باعث ٹپک رہا تھا۔ اس سکوت میں ٹپ ٹپ کی آواز موت کا سا بھیانک تاثر پیدا کر رہی تھی۔ روشنی کا دائرہ ذرا اور آگے ہوا۔ انہیں بہت سارے ڈبے پڑے دکھائی دیے ذرا اور آگے ایک جوتا پڑا ہوا تھا۔ ''الٰہی خیر۔'' ثناء نے دہل کر سمیر کا بازو پکڑ لیا۔ اچانک اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا۔ بے اختیار اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ وہ موم بتیوں کا پیکٹ تھا جس سے اس کا پاؤں ٹکرایا تھا اپنی بزدلی پر اس نے دل میں خود کو ملامت کی سمیر اور آگے ہوا اب روشنی کا دائرہ ساکت ہوگیا تھا۔

''ثناء موم بتی بھی جلالیں۔'' اس نے اندرونی ہیجان کو دباتے ہوئے کہا۔ موم بتی جلنے سے تاریکی قدرے چھٹ گئی۔ نیچے زمین پر بچھی دری پر ایک بے ترتیب و بے جان جسم پڑا تھا جس کا چہرہ دیوار کی سمت تھا۔ سمیر نے ٹارچ ثناء کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اپنی طرف اس کا چہرہ گھمایا۔ ہفت آسمان اس پر آ پڑے وہ موی کا ڈھانچہ تھا بشرطیکہ اسے موی کہا جاسکے۔ ثناء تاب نہ لاتے ہوئے مارے خوف کے سمیر سے آلپٹی ٹارچ اور موم بتی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔

''ثناء پلیز! کمپوز یور سیلف۔'' وہ غرایا اور جھٹکے سے اسے الگ کیا۔ ''پکڑیں یہ موم بتی اور ٹارچ، وقت نہیں ہے۔'' موی کے پر حرارت جسم سے اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ ابھی اس میں زندگی کی رمق باقی ہے۔ ثناء اس کے درشت لہجے سے خائف ہو کر جلدی جلدی اس کی ہدایات پر عمل کرنے لگی۔ سمیر نے موی کو اٹھالیا اور ثناء کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ خدا خدا کر کے وہ اس اندھیری قبر سے نکلے۔ گیراج کا دروازہ کسی کو بھی بند کرنے کا ہوش نہیں رہا نہ ہی گل بہادر کو کھولنے کا۔ موی کو اس وقت کسی ہاسپٹل میں نہیں لے جایا جاسکتا تھا سمیر نے اللہ کا نام لے کر ارباز کا نمبر ڈائل کیا۔ وہ اس سے کئی بار ملا تھا اب تو ان میں اچھی خاصی دوستی ہوگئی تھی۔

''ہیلو ارباز بھائی میں سمیر بول رہا ہوں۔ آپ ابھی اور اسی وقت جس حال میں بھی ہیں فوراً اپنے کلینک آجائیں میں بھی اپنی گاڑی آپ کے کلینک کی طرف موڑ رہا ہوں اور ہاں پلوشہ بہن کو کچھ مت بتایئے گا۔'' سمیر نے اسے سوال جواب کا موقعہ دیئے بغیر فون بند کر دیا۔ ارباز نے ساتھ پڑی پلوشہ کی طرف دیکھا وہ بے سدھ سو رہی تھی دائیں طرف اس کے چند ماہ کے بیٹے کا بستر پڑا تھا وہ بھی سو رہا تھا۔ ارباز نے کپڑے بدل کر گاڑی کلینک کی طرف دوڑالی۔ سمیر کے ساتھ ثناء کو دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوا۔ صحیح معنوں میں ارباز کے سر پر جیسے بم پھٹا۔ موی کو دیکھ کر۔

''یہ...... یہ تمہیں کہاں سے ملی۔'' حیرت کی زیادتی کے باعث اس کی آواز سرگوشی میں ڈوب گئی۔

''ارباز بھائی سب بتادوں گا، پہلے اسے دیکھ لیں۔''

ثناء بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ دیوار گیر گھڑی پر بھی نظر دوڑا لیتی جہاں اس وقت رات کے تین بج رہے تھے اس کی طرح

سمیر بھی بے چین تھا۔ کتنے گھنٹے گزر گئے۔ ارباز باہر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ پو پھٹنے لگی۔ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں مگن تھے۔ دھیرے سے دروازہ کھلا ارباز برآمد ہوا۔

''تم لوگ گھر جاؤ نیند پوری کرو شام کو آنا میں نے ڈاکٹر نصر کو فون کر دیا ہے۔'' اس نے ساتھی ڈاکٹر کا نام لیا۔

''کیا پوزیشن ہے۔'' سمیر بے تابی سے بولا۔

''میں کہہ رہا ہوں نا گھر جاؤ شام کو آنا آرام سے بات کریں گے۔'' اس نے سمیر کا کندھا سہلایا۔

''ارباز بھائی پلوشہ بھابی یا شیر کو علم نہ ہونے پائے میں آپ کو ساری بات بتا دوں گا۔'' جاتے جاتے وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر التجائیہ انداز میں بولا۔ سات بجے کے قریب وہ لوٹے تو انتظار کرتی بہن کو دیکھ کر انہیں بے حد شرمندگی ہوئی۔ سمیر نے انہیں سچ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

''آپا، مومنہ ان کی بہن مل گئی ہے۔ ہم اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کروا کر آ رہے ہیں۔'' وہ باقی قصہ گول کر گیا۔ تھکے تھکے جسم کے ساتھ ثناء لیٹ گئی۔ رت جگے کے باوجود نیند آنکھوں سے روٹھی رہی حالانکہ گزشتہ رات اس کی زندگی کی انوکھی ترین رات تھی۔ بھیانک اور رازوں سے پردہ اٹھانے والی رات، دل کو چیر کر رکھ دینے والی رات، لہو رگوں میں جما دینے والی رات۔ اس نے تھوڑی دیر پیشتر سمیر سے عہد کیا تھا کہ وہ اب نہیں روئے گی مگر کیا واقعی یہ اتنا آسان تھا۔ وہ بدعہدی کر گئی تھی موی کا موت کی زردی سے پتھرایا چہرہ آنکھوں کی پتلیوں میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ ادھر سمیر بھی اسی قسم کے احساسات سے دوچار تھا اس نے جب مومنہ کو اٹھایا تو یوں محسوس ہوا جیسے ہڈیوں کے ڈھیر کو اٹھا لیا ہو۔ اس کے جسم پر برائے نام گوشت تھا۔ جیسے ہڈیوں پر کھال چپکی ہو۔ یہ وہ والی موی تو نہیں تھی جس اس نے فٹ پاتھ پر کھڑے بے فکری سے مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ والی موی تو سراپا زندگی تھی امنگ تھی، امید تھی۔ یہ والی موی کیا تھی موت کی طرح تاریک اور خاموش تھی۔ اس موی کو دیکھ کر زندگی انگڑائی لیتی محسوس ہوتی تھی اس موی کو دیکھ کر زندگی شرما گئی تھی وہ والی موی تو ستاروں، کلیوں، پھولوں، صبا، چاندنی اور کہشاں سے گندھی لگتی تھی اس کی گلابی رنگت میں کتنے دیئے جگمگ کرتے نظر آتے تھے۔ اس کے لبوں پہ زندگی رقصاں تھی پلوشہ کی شادی میں اسے دیکھ کر کتنے نوجوانوں کے لبوں سے ٹھنڈی آہیں خارج ہوتی تھیں۔

''شیر میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں پورا بدلہ لوں گا تم اتنے شقی القلب تو نہ تھے میں سمجھتا تھا کہ تمہیں نرمی و مروت اور حلاوت کے خمیر سے گوندھا گیا ہے تم تو کسی کو ناحق تکلیف پہنچانے کے قائل نہیں تھے قدم بچا بچا کر چلتے کہ کوئی چیونٹی پاؤں کے نیچے نہ آ جائے۔ تم کتنا دھیان رکھتے تھے کہ تمہاری وجہ سے کسی کا دل نہ دکھے، کسی کی آنکھ میں آنسو نہ آئیں۔ میں تمہارے ساتھ رہا ہوں مگر پھر بھی تمہیں پہچان نہ سکا شاید میں انسان شناس نہیں ہوں۔ موی کو تو ناقابل تلافی نقصان پہنچ چکا ہے مگر میں تمہیں ایسا عظیم نقصان پہنچاؤں گا کہ تم تمام عمر یاد کرو گے۔ موی پہ اذیتوں کے پہاڑ توڑ کر تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔ بظاہر تو تم کتنے اونچے اور ناقابل تسخیر لگتے ہو مگر درحقیقت کتنے بودے ہو۔ ایک عورت بلکہ ایک نازک لڑکی کو مشق ستم بنایا تف ہے تمہاری مردانگی پر لعنت ہے تمہاری جوانی پر حیف ہے تمہاری طاقت پر۔'' وہ بار بار مٹھیاں کھول اور بند کر رہا تھا۔

☆☆☆

شیر افگن نے کئی بار ہارن بجایا مگر گیٹ کھلنے کے کوئی آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ کبھی کبھار بادشاہ سگریٹ خریدنے قریبی سٹور پر چلا جاتا تھا مگر ایسی صورت میں اس کی کرسی گیٹ کے باہر رکھی نظر آتی تھی۔ آج وہ بھی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر نیچے اترا چھوٹا درمیانہ گیٹ کھلا ہوا تھا۔ شیر افگن بادشاہ گل کی پناہ گاہ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اسے بندھے پڑا دیکھ کر اس کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا وہ یہ تھا کہ شاید اس کے گھر میں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ اطراف میں سرسری دیکھنے پر ایسے کوئی آثار لگ تو نہیں رہے تھے۔ شیر افگن نے اس کے منہ پر چپکا ٹیپ ہٹایا اور جلدی جلدی ہاتھ پاؤں کی بندشیں کھولیں۔

''بادشاہ گل یہ سب کیا ہے کس نے تمہارا یہ حال کیا ہے۔'' وہ جانتا تھا کہ چوکیدار بے خبری کی مار کھانے والا نہیں ہے۔ ہٹا کٹا تندرست و توانا تھا۔ دو تین آدمیوں سے تو آرام سے بھڑ سکتا تھا۔ بادشاہ گل نے لمبے لمبے سانس بے تابی سے بھرے۔

''صاب! وہ آپ کا دوست سمیر صاب آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھا۔'' اس نے تفصیل بتائی تو شیر افگن سوچوں میں ڈوب گیا۔ سمیر چوروں کی طرح کیوں آیا تھا۔ پھر اس کے ساتھ وہ لڑکی کون تھی۔ ان کا یوں آنے کا مقصد کیا تھا وہ تو کہہ رہا تھا کہ وہ لڑکی پہلے بھی اس کا پتہ کرنے آئی تھی، تیر کی طرح ایک خیال آیا۔ وہ بے تحاشا گیراج کی طرف بھاگا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا تہ خانے کے دروازے پر سے سامان ہٹا ہوا تھا۔ افراتفری کا سا سامان تھا۔ اس کی پیشانی کی لکیروں میں اضافہ ہو گیا۔ ایمرجنسی لائٹ لے کر وہ تہ خانے کی سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ زمین پہ بچھی دری خالی تھی۔ پنجرہ خالی تھا، پنچھی اڑ چکا تھا۔

''سمیر میرے پرسنل افیئرز میں کوئی بھی انٹر فیئر نہیں کر سکتا۔ میں اس مداخلت کا مزہ چکھا دوں گا۔ اب جو ہو گا تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔'' اس کے لبوں پہ سنگدلانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆☆☆

''آپا سمیر کہاں ہے۔'' وہ آرام کیے بغیر اس کے گھر چلا آیا تھا۔

''افگن وہ ہاسپٹل گیا ہوا ہے۔''

''کون سے ہاسپٹل میں؟'' اس کا لہجہ کسی بھی تجسس سے خالی تھا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتہ۔'' اور واقعی اس بار وہ سچ بول رہی تھیں۔

''اچھا آپ کے گھر مہمان کون آیا ہوا ہے؟'' اس نے ترپ کا پتہ پھینکا۔

''وہ ثناء آئی ہے بے چاری بڑی مظلوم لڑکی ہے۔'' بات کہہ جانے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ کچھ غلط ہو گیا ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

''میں بیٹھ کر سمیر کا انتظار کر لوں۔''

''ہاں! ہاں کیوں نہیں تمہارا اپنا گھر ہے۔ بیٹھو میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ خوش دلی سے بولتیں کچن میں گھس گئیں شیر افگن نے سامنے پڑا

میگزین اٹھالایا اور ورق گردانی کرنے لگا۔اس سے دل بھر گیا تو ٹی وی کھول لیا جہاں موسیقی کا پروگرام چل رہا تھا۔وہ مارے باندھے دلچسپی لے رہا تھا گلوکار کیا گا رہا تھا اسے کوئی غرض نہیں تھی۔ذہن سمیر کی طرف اٹک گیا تھا۔نہ جانے وہ اسٹوپڈ سی لڑکی کس حال میں ہوگی جو اسے ہاسپٹل لے جانا پڑ گیا ہے۔دردِ سر بنتی جا رہی ہے۔مجھے حیدر آباد میں شاید زیادہ دیر لگ گئی ہے۔مجھے جلدی واپس آنا چاہئے تھا۔''وہ اندر ہی اندر سوچ رہا تھا اسی حالت میں اڑھائی گھنٹے گزر گئے۔

ثومیہ رات کے کھانے کے لیے چکن صاف کر رہی تھیں لہسن اور پیاز پہلے سے انہوں نے کاٹ لیا تھا۔شیر افگن کی موجودگی کے خیال سے انہوں نے کباب اور چکن بریانی بھی تیار کر لی تھی۔چاول صاف کیے رکھے تھے۔کبابوں کو صرف تلنا تھا۔باہر گاڑی کی آواز سن کر شیر افگن نے اطمینان کی سانس لی ثومیہ نے سمیر کو بتایا کہ اندر تمہارا انتظار ہو رہا ہے۔

''صبر نہیں ہو سکا صاحب بہادر سے۔''وہ آہستگی سے ثناء سے مخاطب ہوا ذہن پہ پہلے ہی بوجھ تھا۔اب جان جلانے کو یہ چلا آیا تھا اریاز موی کے بارے میں زیادہ پرامید نہیں تھا۔اس نے کہا کہ''مومنہ کے ذہن پہ بہت برا اثر پڑا ہے۔ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ عرصہ تک کسی کو پہچانے ہی نہیں۔''شیر افگن نے اسے دنیا سے کاٹ کر اچھا نہیں کیا تھا۔اگر کسی اچھے بھلے امنگوں بھرے انسان کو جنگل میں چھوڑ دیا جائے یا کسی اکیلی جگہ محدود کر دیا جائے تو بہت جلد وہ انسان تہذیب فراموش کر دے گا۔تنہائی،مایوسی،اندھیرا انسانی ذہن پہ بہت برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔کال کوٹھڑی میں پڑا پھانسی پانے والا اور ایک اندھیرے کمرے میں قید انسان کے احساسات میں زیادہ فرق نہیں ہوتا پھانسی پانے والا پہلے ہی لمحہ بہ لمحہ مرتا ہے حقیقی موت کی نوبت تو کہیں بعد میں آتی ہے۔جب موت کا یقین ہو جائے تو پھر انسان پرسکون ہو جاتا ہے۔موی کو امید ہی نہیں ہوگی کہ وہ دنیا دوبارہ بھی دیکھ سکے گی۔اریاز کے مطابق وہ خوراک کی کمی کا بھی شکار تھی۔شدید خوف محرومی اور احساس تنہائی نے پہلے ہی اس کی ساری توانائی چوس لی تھی۔

ثناء رات ہر حال میں اس کے پاس رکنا چاہتی تھی،اس لیے وہ کپڑے تبدیل کرنے گھر آئی تھی۔مومنہ کی حالت دیکھ کر اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ شیر افگن جیسے شقی القلب آدمی کو فوراً سے پیشتر قتل کر دے۔وہ اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر اس وقت سمیر کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف جا رہی تھی کیونکہ شیر افگن اچھے ارادوں سے تو نہیں آیا ہوگا۔ثناء کو دیکھ کر وہ بالکل نہیں چونکا بلکہ بڑے دوستانہ انداز میں خیریت دریافت کی۔

''ہاں!تو سمیر تم قانون کے محافظ ہو مگر تمہیں تو شاید قانون کی الف بے بھی نہیں پتہ ہے۔اس طرح کسی کے گھر میں چوروں کی طرح گھسنے پر معلوم ہے کونسی دفعہ لگتی ہے۔''بظاہر بے ضرر سے لہجے میں طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔

''شیر لگتا ہے کہ تمہیں بھی نہیں پتہ کہ کسی کو حبس بے جا میں رکھنے پر کون سی دفعہ لگتی ہے۔''سمیر کا لہجہ پرسکون ہی تھا۔

''سمیر ملک وہ میری بیوی ہے اس کی خواہش پر میں نے شادی کی ہے۔معلوم ہے تمہیں وہ مجھے چاہتی ہے،محبت کرتی ہے مجھ سے پاگلوں کی طرح۔اس وقت سے جب ثناء کے ساتھ میرے پروپوزل کی بات بھی نہیں چلی تھی۔''

''اچھا جواب ہے محبت کرنے والوں کے ساتھ یہی سلوک تو کیا جاتا ہے انہیں اندھیری کوٹھڑی میں رکھا جاتا ہے۔بھوک پیاس سے

اذیت دی جاتی ہے۔اچھا صلہ دیا تم نے اس کی چاہت کا۔"

"میں یہاں اخلاقیات کا سبق پڑھنے نہیں آیا ہوں مجھے بتاؤ مومنہ کہاں ہے، کون سے ہاسپٹل لے کر گئے ہو اسے؟" وہ کینہ توز نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"تمہارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" سمیر نے شانے جھٹکے تو شیر افگن نے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

ثناء نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ وہیں پکڑ لیا اور سمیر کے سامنے آ گئی۔

"آپ کی زبان پر اب مومنہ کا نام نہیں آنا چاہیے۔اپنی طرف سے آپ اسے مار ہی چکے تھے پھر اب اسے مردہ تصور کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔کاش! میں یہاں سے نہ جاتی زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا کہ اس کی جگہ میں ہوتی میں بہت سخت جان ہوں۔افگن صاحب موی موم کی طرح نازک و نرم ہے۔آپ کے لیے بہت بڑی نیوز ہے میرے پاس۔اس خبر سے حاصل ہونے والے فوائد سے آپ کے کندھوں پر پھولوں کا بوجھ بڑھ جائے گا۔آپ کی افسری کا دائرہ کار بڑھے گا۔آپ کی فرعونیت کے غرور میں اضافہ ہو گا، اس لیے کہ آپ کے باپ کے قاتل کی بیٹی مومنہ حسن نہیں بلکہ ثناء زبیر ہے۔" اس نے دھاکہ کیا شیر افگن جیسا مضبوط اعصاب کا مالک مرد بھی سناٹے میں آ گیا۔

"ثناء آپ اتنا بڑا دعویٰ کس بل بوتے پر کر رہی ہیں؟"

"سمیر آپ انہیں ثبوت دکھائیے۔" وہ روتی ہوئی ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔

"یہ کیس انکل سے متعلق ہے ایم شیور کہ تمہارے حوالے ہی کیا جائے گا، اس لیے بہتر ہے کہ انہیں دیکھ لو۔" سمیر نے سرد وسپاٹ انداز میں موٹا خاکی لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"ثناء کی حفاظت کے لیے میں، دو بندے اور گھر کے باہر سول ڈریس میں ایک بندہ صبح ہی چھوڑ دوں گا۔معاملہ میری توقع سے زیادہ سیریس ہے۔" اب کے شیر افگن کے لہجے میں پہلے والی تیزی نہیں تھی۔

"سمیر مجھے ہاسپٹل چھوڑ آئیں۔" وہ چہرہ دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔

"او کے شیر افگن ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں تم کھانا کھا کر جانا۔" شیر افگن کو نگاہیں ملانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

☆☆☆

"میرے بھائی نے ایسا کیا کر دیا ہے؟"

"جاننا چاہتی ہو۔"

"بالکل۔"

"تو پھر آؤ میرے ساتھ تمہیں بھی تو علم ہونا چاہیے تمہارے لائق فائق بھائی جان نے کیا کیا ہے۔" ارباز واش روم میں گھس گیا چند منٹ بعد وہ اسے کلینک لے جا رہا تھا۔ثناء کو وہاں پا کر پلوشہ کو بیک وقت حیرانی و خوشی نے آ گھیرا۔وہ اشتیاق سے اس کے گلے لگ گئی۔

"بھائی جان نے تمہیں بے قراری سے ہر جگہ تلاش کیا۔ تم کہاں چلی گئی تھیں۔" اس نے ایک سانس میں پوچھا۔

"آپ کے بھائی کو میرے لیے پریشان ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ہے اور میں بنکاک میں چلی گئی تھی۔" وہ اجنبی مگر کاٹ دار لہجے میں بولی۔

"بند کر دو یہ روشنی میں کہتی ہوں کہ اندھیرا کر دو۔ روشنی میری آنکھوں میں چبھ رہی ہے۔" سامنے سفید براق بستر پر پڑے وجود میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے چادر اتار دی۔

"اُف خدایا یہ تو مومی ہے۔" پلوشہ اس کا حال دیکھ کر گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"جی ہاں! یہ مومی ہے۔" ثناء چبا کر بولی اور اس کے بستر کے قریب چلی گئی۔

"اب تمہیں روشنی میں ڈر نہیں لگے گا میں ہوں ناں تمہارے ساتھ شاباش سو جاؤ۔" ثناء نے بہلا پھسلا کر اس کا سر تکیے پر رکھا اور ارباز کو بلایا جب سے وہ ہوش میں آئی تھی اس کا یہی حال تھا۔

"یہ تو بھاگ گئی تھی۔" پلوشہ دھیرے سے ارباز کے کان میں بولی جو مومی کو انجکشن لگا کر ہٹا تھا۔

"یہ کہاں بھاگ گئی تھی اپنے عزت مآب بھائی سے پوچھنا یہ تمہارے گھر کے نیچے بنے تہ خانے میں بھاگ گئی تھی۔" ثناء کے لفظ لفظ سے آگ برسنے لگی تھی۔ ارباز دھیرے دھیرے اسے بتانے لگے۔ "نہیں بھائی ایسا نہیں کر سکتے مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"وہ ایسا کر چکے ہیں۔ نتیجہ تم دیکھ رہی ہو اپنے بھائی سے کہو کہ اب میرے اوپر بھی کوئی چارج لگا دیں۔"

"پلیز ثناء تم تو یوں مت کہو میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔" پلوشہ کی آنکھیں اور سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ثناء کے آگے ہاتھ جوڑ دیے ڈبڈبائی آنکھوں سے دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔

"ثناء پتہ نہیں اللہ ہمیں معاف کرے گا یا نہیں ہم نے مومی کے ساتھ اچھا نہیں کیا ہے۔" روتے ہوئے وہ بار بار یہی جملہ دُہرا رہی تھی۔

ارباز نے آ کر انہیں الگ کیا۔ "مجھے اس بچکانہ رویے کی امید نہیں تھی کچھ تو مومی کا خیال کر لو اللہ سے اس کی صحت یابی کی دعا مانگو۔"

"ارباز بھائی آج کل میری ساری دعاؤں کا محور مومی ہے ہاں مگر میں شیر افگن کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

☆☆☆

ان لوگوں کی مسلسل توجہ سے اب اس کی حالت قدرے بہتر تھی۔ وہ ہوش و شناسائی کی وادی میں لوٹ آئی تھی۔ ارباز نے کہا تھا کہ کوشش کر و اس کے ذہن پہ بوجھ نہ پڑے یمیر بھی روز آتا اسے نئے نئے لطیفے سناتا اجڑی اجڑی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ ہی جاتی۔

☆☆☆

مونٹی کارلو کے جوئے خانوں میں موٹی موٹی رقمیں ہارنے کے بعد جب زبیر بنکاک لوٹا تو ثناء کی پاکستان روانگی نے اسے بھڑکا دیا۔ اٹلی میں تو وہ غلط عورتوں کی بے باک مسکراہٹوں میں اسے بھول بیٹھا تھا یہاں کی صورتِ حال نے اس کے دماغ کی چولیں ہی ہلا ڈالیں۔ ثناء ریڈ فائل لے کر گئی تھی جس میں اس کے زیر زمین اڈوں کی سرگرمیاں کارندوں کے نام و پتے بینک اکاؤنٹس لاکرز نمبر دولت و جائیداد کی تفصیل و ذرائع اور اس طرح کے دوسرے خطرناک راز تھے۔ اگر وہ فائل کسی کے ہاتھ لگ جاتی تو اس کی عبرتناک موت یقینی تھی۔ اس نے فوراً پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے دست راست نے اسے روکا۔"وہاں بہت خطرہ ہے۔"

"خطرہ کیسا میں بڑے دھڑلے سے پاکستان میں رہا ہوں۔ کسی کو میرے اوپر شک نہیں ہے۔ پھر وہ میری بیٹی ہے غداری نہیں کر سکتی۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ میرے ہاتھ کتنے لمبے ہیں۔ میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔" زبیر کے لبوں پہ مکارانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔"معلوم کرو کہ وہ کہاں ہے؟ چوبیس گھنٹے میں پتہ لگ جانا چاہئے کہ وہ کس جگہ ہے۔ اگر اس کا کانٹیکٹ نمبر ملے تو فوراً مجھے بتاؤ۔"

☆☆☆

"ہیلو۔" اس نے فون اٹھایا۔

"کیسی ہے ہماری بیٹی؟" وہ زبیر کی آواز فوراً پہچان گئی۔

"ٹھیک ہوں ڈیڈی۔" اس نے اندرونی نفرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"وہ فائل تمہارے پاس ہی رہے ورنہ مجبوراً مجھے ایک گولی ضائع کرنے پڑے گی۔ میں پرسوں آ رہا ہوں۔ ایئر پورٹ آ جانا میں نے کمرہ میریٹ ہوٹل میں بک کروالیا ہے۔ ڈبل روم ہے جب ایئر پورٹ آؤ تو وہ فائل ساتھ لانا ہم دونوں اکٹھے ہوٹل چلیں گے۔ باپ کی موجودگی میں بیٹی غیروں کے در پر پڑی اچھی نہیں لگتی۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ ثناء ریسیور کریڈل پر ڈال کر ہٹی تو چہرے پہ پسینہ چمک رہا تھا۔

"کیا بات ہے کس کا فون ہے۔" سمیر اس کی غیر معمولی حرکات وسکنات سے چونک گیا۔

"زبیر کا فون تھا۔" وہ اسے باقی تفصیل بتانے لگی۔

"میں تھانے جا رہا ہوں شیر کو بتانا ضروری ہے۔" وہ یونیفارم بدلنے چلا گیا۔

☆☆☆

مسافر کسٹم سے فارغ ہو کر ایئر پورٹ کی عمارت سے باہر آ رہے تھے۔ ثناء گاڑیوں کی قطار سے ذرا ہٹ کر کھڑی تھی۔ ایئر پورٹ کے چاروں طرف پولیس پھیلی ہوئی تھی۔ خود شیر افگن اور سمیر چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ ان کا مطلوبہ شخص آتا دکھائی دیا تو وہ چوکنا ہو گئے۔

"کیسی ہو بیٹی؟" زبیر نے اسے گلے لگایا۔

پورٹر اس کا سامان لا رہا تھا اس سے پہلے کہ وہ گاڑی میں بیٹھتا۔ سمیر نے اس کی کنپٹی پر ریوالور رکھ دیا۔ باہر جہاں سول ڈریس میں پولیس کے جوان تھے وہاں زبیر کے آدمی بھی تھے۔ وہ فوراً سنبھلتا ہوا مڑا تو زبیر نے گولی چلا دی جو اس کے بازو کے گوشت کو ادھیڑتی نکل گئی۔ سمیر نے دائیں ہاتھ سے زبیر پر فائر کر دیا۔ وہ زمین پر جھومتا ہوا گر پڑا۔ سرخ ہوتا فرش یہ بتا رہا تھا کہ اس کا کھیل ختم ہو چکا ہے۔ ثناء کے آنسو پلکوں کی سرحد توڑ کر گالوں پہ آ گئے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

جس نے زبیر کو پکڑوانے میں مدد کی تھی۔ وہ ایک محبِ وطن لڑکی تھی اور ابھی جو رو رہی تھی وہ ایک بیٹی تھی۔ برے سے برے باپ کی موت پر بھی بیٹیاں روتی ہیں کیا اسے رونے کا حق حاصل نہیں تھا؟

☆☆☆

''ثناء تم نے جو کام کیا ہے وہ آج تک کسی بیٹی نے نہ کیا ہوگا۔ میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا ایسی بیٹی ہر کسی کو دے۔ جب تک تم جیسی لڑکیاں زندہ رہیں گی ہمارا ملک بھی سلامت رہے گا۔'' سمیر بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''میرے باپ کے جرائم کا بوجھ تھا میرے کندھوں پر جب مجھے خبر ہوئی کہ میرا باپ وطن فروش ہے، قاتل ہے تو اسی روز سے میرا دکھ سوا ہو گیا۔ میرا دل بجھ گیا تھا۔ سب کہتے کہ موٹی کے مقابلے میں تم اتنی سنجیدہ کیوں ہو تمہاری عمر کی لڑکیاں تو ہشاش بشاش ہوتی ہیں۔ مسکراہٹ ان کے لبوں سے جدا ہی نہیں ہوتی...... جن بیٹیوں کے باپ زبیر جیسے ہوتے ہیں ناں، وہ اندر ہی اندر مر جاتی ہیں۔ انہیں گھن کھائے جاتا ہے۔ ایسی بیٹیوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں ملنا چاہئے۔ انہیں تو ٹھوکروں میں رکھنا چاہئے۔ ایسے باپ، اولاد پیدا کرتے ہی کیوں ہیں جو ذلت و رسوائی ان کے مقدر میں لکھنی ہے تو انہیں سانس کیوں لینے دیتے ہیں بتائیں ناں بتائیں ناں۔'' وہ ہذیانی انداز میں چیخ پڑی۔

''ثناء آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ تو ملک کے ساتھ فیئر ہیں ناں۔ پھر یہ مایوسی اور آنسو کیوں، سر اٹھا کر چلیں نارمل انسانوں کی طرح رہیں۔ زبیر کے باب کو آپ یہیں دفن کر دیں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں اگر میں کہوں کہ اے عظیم لڑکی مجھے قبول کر لے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟''

وہ آج دل کا راز آشکارا کر دینا چاہتا تھا۔ حقیقتاً ثناء کی بہادری اور جذبے نے اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اتنے روز سے وہ اس کے گھر میں رہ رہی تھی بالکل ثومیہ کی طرح گھر کے ہر کام میں حصہ لیتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ پریشان ہوتی وہ اس کے دل میں گھر کر گئی تھی آپا اور گھر والوں کو بتانے سے پہلے وہ ثناء سے اس کی مرضی پوچھنا چاہتا تھا۔

''مجھ جیسی کم مایہ لڑکی کو اپنے گھر میں پناہ دے کر آپ نے جو احسان کیا ہے میرے لیے وہی بہت ہے مگر میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گی کہ آپ میرے اوپر ترس کھائیں۔''

''تو کیا میں یہ سمجھوں کہ موٹی کے بارے میں مجھے دھوکہ ہوا ہے۔'' موٹی کے لیے اس کی اتنی شدید پریشانی دیکھ کر وہ جان گئی تھی کہ یہ سب بے سبب نہیں ہے۔

''ہاں کبھی میں نے اس کے بارے میں سوچا تھا جب اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ میں پرائی امانتوں پر نظر رکھنے والا شخص نہیں ہوں۔ ایک انسان ہونے کے ناطے میری پریشانی فطری ہے۔ دوئم مجھے اس لیے بھی دکھ ہے کہ مومنہ معصوم اور بے گناہ ہے۔'' ثناء نے آسودہ سی سانس لی۔

''ثناء بدگمانی کو دل میں جگہ مت دیجئے گا۔ اس لیے کہ مومنہ ایک سراب تھی اور آپ ایک حقیقت ہیں۔ میں سرابوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتا۔ بڑا عملی بندہ ہوں اب تو آپ کی تسلی ہوگئی ہے ناں۔'' اس نے تائید چاہی۔

☆☆☆

''میری جان شکر ہے کہ تم ٹھیک ہوگئی ہو۔'' فرط مسرت سے ثناء نے موٹی کو لپٹا لیا ارباز نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ سمیر اور ثومیہ دونوں کی محبت دیکھ کر آبدیدہ سے ہوگئے۔ ثناء کتنی بے تابی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیے پیار کر رہی تھی جس طرح اس نے اس کی تیمار داری کی تھی وہ اس کی معترف ہوگئے تھے۔ کتنی راتیں اس نے جاگ کر موٹی کے سرہانے گزاری تھیں۔ بے قراری سے دعائیں مانگتے ہوئے پل پل

تڑپی تھی۔ موی نے جب آنکھیں کھولیں تو اس نے کتنے شکرانے کے نوافل پڑھ ڈالے تھے اور آج جب وہ خود اٹھ کھڑی ہوئی تھی تو اس کی خوشیوں کا ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔ بار ہا اسے چھو کر دیکھتی اس کے ہونے کا یقین کرتی۔ ارباز اور سمیر اس کی بچکانہ بے قراری دیکھ کر ہنسے جا رہے تھے۔

''موی! تم اس تہ خانے میں کیسے پہنچیں؟'' حقیقت تلخ سہی مگر اس سے آگاہی ضروری تھی۔ وہ اس کے سوال پہ ماضی میں پہنچ گئی تھی۔

صرف ایک سال پیچھے جو اس کے وجود پہ اپنی بے رحمی ثابت کر گیا تھا۔ اسے کچھ بھولا تو نہیں تھا۔ پل پل کی داستان یاد تھی۔ شیر افگن کے تھپڑ سے اس کے چہرے پر اس کی انگلیاں اور آدھی ہتھیلی چھپ گئی تھی۔ اسے بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

''مجھ سے سچ بولو۔'' اس نے موی کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''سچ وہی تھا جو میں نے ابھی کہا ہے۔'' نہ جانے وہ کیوں اتنی بہادری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

شیر افگن نے اس کے شانے پر پوری قوت سے دباؤ ڈالا اس کی فولادی اُنگلیاں میخ کی طرح نرم گوشت میں دھنس گئیں۔

''چھوڑیں مجھے۔'' اسے بے پناہ تکلیف محسوس ہوئی۔ ساتھ ہی اس نے اس کے ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹانے چاہے۔

''مجھے بھی تمہیں پکڑنے کا شوق نہیں ہے۔ ذرا میرے ساتھ آؤ۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ گیراج کی طرف لے آیا۔ وہ حیران تھی کہ آخر وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ پھر اس نے تہ خانے کا دروازہ کھول کر اسے بھی اندر گھسیٹ لیا۔ اب اسے کچھ کچھ ڈر سا لگنے لگا تھا۔ اس نے موم بتی جلائی تو تاریکی قدرے کم ہوگئی۔

''پھر وہ مجھے وہاں چھوڑ کر نکل آئے میں بہت چیخی روئی چلائی واسطے دیئے التجائیں کیں مگر دروازہ نہیں کھلا وقت کا احساس ہی میرے نزدیک ختم ہو گیا تھا۔ میں نے خوف کی اتنی صورتیں دیکھیں کہ مجھے خوف کے معنی ہی بھول گئے۔ وہاں خوراک بند ڈبوں کی صورت میں تھی اور پانی نلکے سے آتا روشنی کے لیے موم بتی تھی۔ میں نے خود کو زمانہ قدیم کا کردار محسوس کیا۔ میں نے ایک سال تک کسی انسان کی صورت نہیں دیکھی، نہ آواز سنی مجھے یقین تھا کہ میں گھٹ گھٹ کر اسی قبر میں مر جاؤں گی اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ایک لڑکی مومنہ حسن بھی ہوتی تھی، ثناء کیا سب کو محبت کرنے کی اتنی کڑی سزا ملتی ہے۔'' وہ روتے روتے معصومیت سے بولی تو اس نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''پتہ نہیں، میں نے کونسی نیکی کی تھی جو تم دوبارہ مل گئی ہو۔'' ثناء نے اس کا ماتھا چوما ''تم اور سمیر بھائی کوششیں نہ کرتے تو اس وقت میں نے اللہ میاں کے پاس ہونا تھا۔''

''خبردار! ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' ثناء نے خفگی سے اسے ٹوکا اور اسے ہولے ہولے ننھے بچے کی طرح تھپکنے لگی۔

☆☆☆

''موی چند روز میں میری شادی ہونے والی ہے۔''

''ہائیں کب کس کے ساتھ کب ہوا یہ حادثہ۔'' جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''مجھے کسی نے بتانے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اتنی ہی فالتو ہوں ناں۔'' وہ سیکنڈوں میں ناراض ہو گئی۔ اشتیاق و ناراضگی کی ملی جلی کیفیت میں ثناء کو وہ بڑی معصوم لگی۔

''ناراض مت ہونا اب کسی کی بھی ناراضگی میرے اندر برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ بات زیادہ پرانی نہیں۔ سمیر نے مجھے پرپوز کیا ہے۔''

''ویٹس گریٹ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

ثناء اور موی نے ایک بنگلہ کرائے پر لے لیا تھا اب وہ وہیں رہائش پذیر تھیں۔ سمیر کے والدین گاؤں سے ڈائریکٹ ادھر ہی پہنچے تھے۔ سمیر نے کہا تھا کہ وہ جہیز کے نام پر ایک روپیہ تک نہیں لے گا اس کے گھر اور زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ وہ اپنے زور بازو پہ بھروسہ رکھتا ہے۔ ان لڑکوں میں سے نہیں ہے جو اپنی بیویوں کے لائے ہوئے مال پر نظر رکھتے ہیں۔'' سمیر کے ماں، باپ بھی قانع اور سادہ زندگی گزارنے والے صاف گو لوگ تھے۔ انہیں بیٹے کی باتوں سے پورا اتفاق تھا۔

موی نے ثناء سے کہا کہ ''ایک بہترین لڑکا تمہارا شریک سفر بن رہا ہے۔ اس کی قدر کرنا ایسے ہیرے جیسے کھرے لوگ کم ہی ملتے ہیں۔''

☆☆☆

بیک وقت موی اور سمیر کی طرف سے دعوتی کارڈ ملا تھا۔ پلوشہ حیران تھی اس سے پہلے کہ وہ اُلجھتی سمیر مٹھائی لے کر خود ہی چلا آیا۔ ''شیر گھر میں نہیں ہے تین بار جا چکا ہوں مگر موصوف غائب ہوتے ہیں۔'' اس نے اس کے بارے میں پوچھا۔

''پتہ نہیں میں تو ہفتے بھر سے گئی ہی نہیں گھر کے بکھیڑے ہی ختم ہونے میں نہیں آتے۔''

''اچھا ایک کارڈ اسے بھی دے دیجئے گا۔ میں خود بھی آؤں گا فی الحال تو مصروف ہوں ابا جان نے گاؤں بلوایا ہے اب میں چلتا ہوں۔''

وہ اجازت لے کر چلا آیا۔

تھانے سے نکلنے کے بعد شیر یونہی گاڑی دوڑاتا رہا تھا۔ آج کل وہ بہت اپ سیٹ تھا۔ لگتا تھا ہر شخص اسے شرمندہ کرنے کی کوششوں میں ہے۔ وہ خواہش کے باوجود موی کو دیکھنے نہیں جا سکا تھا۔ اس کا سبب اس کا رویہ تھا جو لاعلمی کے باعث اس نے اپنایا تھا۔ دھند چھٹ جانے کے بعد وہ بے حد اپنی لگنے لگی تھی۔ موی کے پلس پوائنٹ ایک ایک کر کے سامنے آ رہے تھے۔ وہ سب سے معذرت کرنے کے لیے حوصلے جمع کر رہا تھا مگر سب سے بڑی رکاوٹ جو راہ میں حائل تھی وہ اس کی ضدی، خودسر، منہ زور انا تھی جو اس کے ہاتھ پیر باندھے ہوئے تھی۔

سمیر کی مہندی لے جانے کے لیے مومنہ کے گھر ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ سب نے سمیر کے گاؤں جانا تھا جو اڑھائی تین گھنٹے کی مسافت پر تھا۔ ثناء اور مومنہ کا حلقہ احباب خاصا وسیع تھا۔ مہندی اور موم بتیوں کے تھال لیے لڑکیاں بسوں، گاڑیوں میں سوار ہو رہی تھیں۔ پھر بیٹھتے ہی گانوں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ غزلوں اور انگلش گانوں تک کو نہیں بخشا گیا تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت کے بعد کچی سڑک شروع ہو گئی۔ اردگرد گھنے درخت، جھاڑیاں اور کھیتوں کے سلسلے پھیلے ہوئے تھے جو رات کے اندھیرے میں بڑے انوکھے لگ رہے تھے۔ سمیر کے گھر والوں نے ان کا پر جوش استقبال کیا اور بھنے مرغ سے ان کی تواضع کی ساتھ تندوری روٹی نے بہت مزا دیا کھا پی کر لڑکیاں، لڑکے مقابلے پر اتر آئے۔ سمیر کی کزنز ان لوگوں سے ذرہ بھی مرعوب نہیں ہوئیں۔ وہ کہیں سے بھی پینڈو نہیں لگ رہے تھے۔ کہیں بھی ان سے ہار نہیں مانی وہ سب اپنے غلط اندازوں پر بڑا شرمندہ ہوئے۔ سمیر کی بھابھیاں اور رشتے کی بہنیں تلے سے بھرے آنچل کی چھاؤں میں اسے مہندی کی چوکی پر لائیں ساتھ اس کے دوستوں کے لیے بھی

کرسیاں رکھی گئیں۔

''موی مہندی لگانے کا پچاس ہزار سے کم نہ لینا بڑا پیسہ ہوتا ہے ان لوگوں کے پاس۔'' اس کی دوست اس کے کان میں گھسی بول رہی تھی۔سمیر کے کزن چلا رہے تھے۔

''سمیر بھائی ان لڑکیوں کو پانچ پانچ روپے سے کم نہیں دینا ہے بڑی لالچی لگ رہی ہیں۔دیکھیں سرگوشیاں کر رہی ہیں یقیناً آپ کی جیب پر شریفانہ ڈاکہ مارنے کا پروگرام بنا رہی ہیں۔'' دوسری طرف سے وقار اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور لڑکیوں کی سرگرمیوں کا آنکھوں دیکھا حال بھی نشر کر رہا تھا۔ بالآخر موی لڑکیوں کے جلو میں سمیر کے لیے سجائی گئی چوکی کی طرف بڑھی۔

''سٹائل تو دیکھو جیسے دنیا فتح کرنے نکلی ہیں۔'' سمیر کے کزن ساجد نے لقمہ دیا تو موی نے پلٹ کر کرارا سا جواب دیا اور اس سمیت سب کی بولتی بند کر دی۔

''سمیر بھائی آگے کریں ہاتھ۔'' وہ رنگ برنگی بولیوں کے شور میں چوتھی بار بلند آواز میں بولی مگر نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا اوپر سے سمیر کے کزنز نے آفت مچائی ہوئی تھی۔سمیر کو ہاتھ آگے کرنے ہی نہیں دیتے۔''یہ دنیا کی مہنگی ترین مہندی آپ لگوا رہے ہیں یہ محترمہ مہندی لگاتے ہی ہزاروں کا مطالبہ کریں گی جائیں ہم نے نہیں لگوانی وکی اندر سے کون تولا۔'' ساجد اس سے مخاطب ہو کر اندر کی طرف ہانک لگانے لگا جانے کہاں سے مہندی کا ایک گولہ اڑتا ہوا آیا اور ساجد صاحب کا سوٹ رنگین کر گیا۔ یہ شرارت ازما کی تھی جواب معصوم سی شکل بنائی ہوئی تھی۔''جیو کون مہندی مانگی تھی یہ نہیں کہا تھا کہ پوری پرات ہی دے دو۔'' وہ اپنے نئے سوٹ کا حشر دیکھ کر غش کھا رہا تھا۔

موی موقعہ غنیمت جان کر کسی نہ کسی طرح سمیر کے قریب پہنچ ہی گئی۔وہ گرد و پیش سے یکسر بے خبر مہندی لگانے کی ٹرک پر غور کر رہی تھی کیونکہ اس نے نوٹ کیا تھا کہ سمیر ان لڑکوں کے ساتھ ہے اس کی جرأت کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا گیا۔سب اس کے ساتھ تھے۔موی نے سکے برابر مہندی سمیر کی ہتھیلی پر رکھی اور پھر پیچھے سے اشارہ پاتے ہی تھال سے مٹھی بھر کے گیلی مہندی اٹھائی جس کا رخ سمیر کے چہرے کی طرف تھا۔مگر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتی اس کا ہاتھ فضا میں ہی روک لیا گیا۔

''یہ بے ایمانی نہیں چلے گی۔'' یہ آواز یہ لہجہ وہ لاکھوں میں بھی شناخت کر سکتی تھی۔شیر افگن سمیر کے برابر بیٹھا اپنے جان لیوا انداز میں مسکرا رہا تھا۔موی کے ہاتھ سے مہندی کر گئی۔اس کی آنکھوں میں نمکین پانی کا سمندر جمع ہو چلا تھا۔بھیڑ کو چیرتی،عورتوں سے الجھتی وہ وہاں سے بھاگ کر آ گئی۔

''یہ ابھی تک کھلا پھر رہا ہے۔'' وہ طویل دالان سے گزر کر گھنے درختوں کے نیچے آ گئی جہاں اب اسے کوئی آسانی سے ڈھونڈ نہیں سکتا تھا۔ ادھر اس کی گمشدگی سے ہلچل مچ گئی تھی۔''ارے موی کہاں چلی گئی نیگ بھی نہیں لیا ڈھونڈو اسے۔'' طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں۔شیر افگن بھی چپکے سے نکل آیا اس کی آنکھوں میں چمکتے ستارے وہ دیکھ چکا تھا۔چوڑیوں کی ہلکی ہلکی گنگناہٹ اسے پاس کے درختوں میں محسوس ہوئی۔موی رو رہی تھی۔بار بار دوپٹے سے آنکھیں رگڑتی تو چوڑیاں جلترنگ سا بجاتیں اسی آواز نے شیر افگن کی رہنمائی کی وہ دبے قدموں اس کی پشت پہ پہنچا۔

''وہاں سے بھاگ کیوں آئیں میں تمہیں کھا تو نہیں جاتا۔'' وہ لہجے میں غصہ بھر کے بولا تو وہ اچھل پڑی۔

''کیوں آئے ہیں میرے پیچھے آپ، مر چکی ہوں میں آپ کے لیے اگر ہو سکے تو مومنہ حسن کی روح کو تہ خانے میں تلاش کریں۔'' اس کا کرب آنسو بھری آواز میں سمٹ آیا تھا۔

''تمہاری روح کو نہیں تمہیں تلاش کروں گا وہاں، بھاگی کیوں وہاں سے، جن لوگوں نے تمہاری مدد کی ہے میں انہیں دیکھ لوں گا یہ مت سمجھنا کہ تمہیں اس پنجرے سے رہائی مل گئی ہے۔ لے جاؤں گا تمہیں دوبارہ، اب کی بار ایسا پکا کام کروں گا کہ تمہیں نکلنے کی جرأت نہیں ہوگی۔'' مومی سن ہوگئی ایک دم اس کی آنکھوں میں اندھیرا سا اترا۔ اس نے حواسوں کو بیدار رکھا اور دوڑ لگا دی وہ لڑکیوں کے جھرمٹ میں گھس گئی دل خوف سے دھک دھک کر رہا تھا۔

گھر واپس آ کر اس نے مہندی کے ہنگامے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی اور سوگئی۔ رات بھر وہ ڈراؤنے خواب دیکھتی رہی۔ بعد میں وہ سمیر کے ولیمے پر بھی نہیں گئی اسے یقین ہوگیا تھا کہ شیر افگن اسے کسی نہ کسی طرح اٹھوا لے گا۔

☆☆☆

''مومی ایک بار بھی اس نے معذرت نہیں کی نہ تمہیں دیکھنے ہاسپٹل آیا۔ اسے تمہارا کوئی خیال نہیں ہے الٹا خوش ہوگا کہ جان چھوٹ رہی ہے۔ تم بھی لعنت بھیجو اس پر۔ اب تو اس پر دو کیس دائر ہوں گے۔ ایک تمہیں حبس بے جا میں رکھنے کا اور دوسرا طلاق کا۔'' مومی لرز گئی۔

''کل وکیل صاحب سائن کروانے آئیں گے۔ انہیں سمیر کے ابو نے بلایا ہے۔ ڈرنا مت کچھ نہیں ہوگا ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔'' ثناء اسے تسلی دے رہی تھی۔ طلاق کا سن کر مومی کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ عدالت اسے مومی کو حبس بے جا میں رکھنے پر اندر کر دے گی۔ نوکری سے اسے جواب ملے گا وہ ہتھکڑی پہنے جھکے سر کے ساتھ اسے دیکھ سکے گی۔ پھر عدالت کے ذریعے اسے طلاق مل جائے گی۔ یہ لوگ اس کی شادی کسی اور سے کر دیں گے۔ تو کیا وہ برداشت کر سکے گی۔

وہ کسی کو بھی شیر افگن جیسی اہمیت و حیثیت نہیں دے سکتی تھی کاش! کہ وہ سب کو بتا سکتی۔

سمیر کی نائٹ ڈیوٹی تھی ثناء نے مومنہ کو بلایا تھا۔ شادی کے ایک ہفتے بعد سمیر ثناء کو لے کر گاؤں سے آ گیا تھا۔ آپا واپس گاؤں چلی گئی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اب سمیر کا خیال رکھنے والی آ گئی ہے۔ وہی اس کے ناز اٹھائے ہم نے بہت دن گاؤں سے دور رہ لیے مزید دوری گوارا نہیں ہے اور واقعی ایسا ہی تھا وہ تو بھائی کے کھانے پینے کے خیال سے شہر آ گئی تھیں۔ اب یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا انہیں اپنی موجودگی بیکار سی لگی سو وہ سدھار گئیں۔

''ثناء خوش ہو۔'' مومی نے قصداً اپنا ذہن اِدھر اُدھر کیا۔

''بہت زیادہ۔'' وہ بے جھجک بولی پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا۔

''صبح وکیل صاحب کی طرف چلنا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ نو بجے تک تمہیں لے آؤں زیدی صاحب آ چکے ہوں گے۔''

''شیر افگن نے تمہارے اوپر کوئی تشدد وغیرہ تو نہیں کیا کبھی؟'' ثناء اطمینان سے بیڈ پر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے اسٹائل سے لگ رہا تھا کہ وہ اسے چھوڑے گی نہیں۔

''نہیں۔''

''تو وہ تھپڑ کیسا تھا جو اس نے تمہیں مارا تھا۔'' ثناء چمک کر بولی۔

''ایک تھپڑ بھی کبھی تشدد ہوتا ہے ہزاروں لاکھوں بیویوں کو شوہر بے دردی سے مارتے ہیں مگر وہ تو عدالتوں میں نہیں جاتیں انہوں نے ایک تھپڑ مار کر کیا ظلم کیا ہے میرے اوپر۔'' وہ جھلا گئی ثناء نے اس کی بدلتی کیفیت بغور نوٹ کی۔

''اچھا کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تم دونوں کے درمیان۔'' اب مومی بچی نہیں تھی جو اس ''ایسی ویسی بات'' کا مطلب ہی نہیں سمجھتی۔ ''ثناء کیسے بیہودہ سال کر رہی ہو تم؟'' اس کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔

''اور عدالت میں اس کا وکیل جب اس سے بھی زیادہ بے ہودہ سوال کرے گا تو اسے کیسے فیس کرو گی میں تمہارے بھلے کے لیے ہی پوچھ رہی ہوں۔ فرض کرتے ہیں اگر ایسا کچھ نہیں ہوا ہے تو یہ بات ہمارے فائدے میں جاتی ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ملزم مؤکلہ کے ازدواجی حقوق ادا کرتا ہی نہیں تھا یا اس قابل ہی نہ تھا۔ اس بات کو ہم ایک نئے رخ سے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ ملزم اس لیے ایسا نہیں کرتا کہ اسے مؤکلہ سے محبت ہی نہیں تھی وہ تو محض اسے اتفاقاً بیاہ لایا تھا۔'' ثناء کی باتوں پر اس کا دماغ گھوم گیا۔ ''یہ بہت اسٹرونگ پوائنٹ ہے بلکہ پلس پوائنٹ بھی اسی بیس پر تمہیں آرام سے آزادی مل سکتی ہے۔'' ثناء وکیلوں کی طرح بول رہی تھی۔ مومی نے چہرہ دیوار کی طرف کر لیا۔ اُف اتنی شرمناک باتیں جنہیں ثناء پلس پوائنٹ کہہ رہی تھی۔ وہ ابھی سے شرما گئی تھی۔ بھری عدالت کے بیچ اس کا کیا حشر ہوتا اس سے بہتر ہے کہ وہ کیس دائر کرے ہی نہیں اور ساری زندگی ایسے ہی گزار دے۔ اس بدنامی اور رسوائی سے تو بچ جائے گی۔

☆☆☆

اقابلا

اقابلا ...... تاریک اور پراسرار براعظم افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں آباد ایک غیر مہذب قبیلہ ...... جو اقابلا نامی دیوی کے پجاری تھے۔ بحری جہاز کی تباہی کے بعد مہذب دُنیا کے چند افراد اس قبیلے کے چنگل میں جا پھنسے۔ شوالا ...... جنگلی قبیلے کا ایک سردار جسے دیوی اقابلا نے تمام حشرات الارض کا مختار بنا دیا تھا۔ کالاری ...... جنگلی قبیلے کا دوسرا سردار جس کی تمام درندوں پر حکمرانی تھی۔ کیا مہذب انسانوں کی اس جنگلی خونخوار قبیلے سے واپسی ممکن ہو سکی؟ انور صدیقی کے جادوں بیان قلم کی یہ طویل اور دلچسپ داستان آپ **کتاب گھر** کے **ایکشن ایڈونچر ناول** سیکشن میں پڑھ سکتے ہیں۔

گل بادشاہ نے مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر شیر افگن کو خبر کی وہ اسٹڈی روم میں تھا اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ زیدی صاحب کو دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوا۔ وہ بار ایسوسی ایشن کے نائب صدر بھی رہ چکے تھے۔ دیوانی مقدمات لڑنے میں بھی بڑی صاف ستھری شہرت رکھتے تھے۔

''بیٹھئے زیدی صاحب کیسے آنا ہوا۔'' اس نے خود کو کمپوز کر کے انہیں بیٹھنے کا کہا۔

''شیر افگن صاحب میں بیٹھنے نہیں آیا ہوں آپ سے دوٹوک بات کرنے آیا ہوں۔''

''جی مجھے معلوم ہو چکا ہے آگے بولئے۔'' شیر افگن نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید تفصیلات بتانے سے روکا۔

''مجھے مومنہ حسن کا وکیل مقرر کیا گیا ہے میں ان کی طرف سے دو مقدمات اکٹھے لڑوں گا۔ ایک آپ کی طرف سے انہیں حبس بے جا میں رکھنے کا دوسرا..... طلاق کا کل پرسوں تک لیگل نوٹس آپ کو مل جائے گا۔'' شیر افگن نے دماغ میں آگ بھرتی محسوس کی۔

''اس بیوقوف سی لڑکی کو کس نے یہ ہمت دلائی ہے نوٹ از امپاسبل وہ ایسا نہیں کر سکتی قیامت تک نہیں۔'' اس کے لہجے میں بے پناہ یقین تھا۔

''جب ان کی طرف سے آپ کو لیگل نوٹس ملے گا تو پھر آپ کو یقین آجائے گا۔ زیدی نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا پھر اس نے پینترا بدلا۔'' افگن صاحب! بات آپس میں ہی طے کر لیتے ہیں آپ اتنے بڑے آفیسر ہیں۔ آپ کا نام ہے جب کورٹ میں آپ کا نام اچھالا جائے گا تو آپ برداشت کر سکیں گے؟ اس حبس بے جا کی غیر معمولی حرکت پر آپ کی نوکری اور عزت بھی جا سکتی ہے۔ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر بات ختم ہو سکتی ہے۔ یعنی آپ مومنہ حسن کو یہاں ہی طلاق دے دیں تو ہم بھی بات یہیں ختم کر دیں گے دیٹس آل۔''

شیر افگن نے بڑی مشکل سے خود کو روکا ورنہ اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دے۔

''بڑے شوق سے مقدمہ دائر کریں ہاں اچھی طرح سن لیں کہ ایک مقدمہ میری طرف سے بھی ہوگا اپنی قانونی وجائز منکوحہ کو اغوا کرنے اور شوہر کے خلاف بھڑکانے کا۔'' شیر افگن نے طنزیہ نگاہوں سے زیدی کو گھورا۔

''آپ کے اس بودے مقدمے کی پہلی پیشی پر ہی پرخچے اڑ جائیں گے۔ جب مومنہ حسن بیان دینے آئیں گی۔'' زیدی نے اس کا وار لوٹایا۔

''میں ایک بار مومنہ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''یہ تو ناممکن ہے مومنہ حسن آپ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتیں وہ آپ سے سخت خوفزدہ ہیں۔''

''زیدی صاحب آپ بار بار مومنہ حسن کہہ کر میری توہین کر رہے ہیں درستگی کر لیجئے مومنہ شیر افگن اور وہ مجھ سے ملنے سے کیوں خوفزدہ ہے مجھے یقین نہیں آرہا۔''

''شیر افگن صاحب آپ منہ کی کھائے بغیر باز نہیں آئیں گے ایسا کریں کل نو بجے آپ سمیر کے گھر پہنچ جائیں ہم آپ کو دوسرے کمرے میں بٹھائیں گے مومنہ کے خیالات سن کر بھی اگر آپ بضد رہے تو آپ کی مرضی ہم کیا کر سکتے ہیں۔ بہر حال میں چلتا ہوں کل کے لیے ضروری کارروائی کرنی ہے۔ ہاں! آپ کا ارادہ بدل جائے تو مجھے نو بجے سے پہلے فون کر لیجئے گا۔'' زیدی نے ایک کارڈ اس کے سامنے ٹیبل پر رکھا اور طنزیہ مسکراتے ہوئے دروازے سے نکلا۔

شیر افگن نے سر ہاتھوں میں گرا لیا گل بادشاہ کے احساس دلانے پر وہ چونکا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے وہ تین گھنٹے سے اسی پوزیشن میں

تھا جس میں زیدی چھوڑ کر گیا تھا۔ گل بادشاہ کو دروازے لاک کرنے کا کہہ کر وہ بیڈ روم میں چلا آیا۔

کئی بار اس بیڈ پر لیٹے لیٹے اسے حنائی ہتھیلیوں کی خوشبو اور لباس کی سرسراہٹیں محسوس ہوئی تھیں۔ گھٹی گھٹی سسکیوں نے کئی بار اسے بے چین کیا تھا۔ اسے بند کرنے کے بعد دل و دماغ نے کتنی ملامت کی تھی اسے بے ضمیر اور بے حس کہا تھا۔ اس نے دل کا گلا گھونٹ دیا تھا دماغ نے کتنی بار کہا تھا۔ ''باپ کے کیے کی سزا اسے کیوں دے رہے ہو اس کا جرم اتنا ہے کہ اس کی آنکھیں اور پیشانی جلیل کی طرح ہے اس نے تو کچھ نہیں کیا ہے وہ بے گناہ ہے اسے یوں مت مارو۔'' وہ دماغ کو بھی تھپک تھپک کر سلا دیتا اور ابھی کچھ عرصے پہلے جب بات کھلی تو تو اس نے خود کو دنیا کا حقیر ترین انسان قرار دیا تھا۔ باپ کی بے وقت موت نے اسے قبل از وقت ہی بردبار بنا دیا تھا۔ اس نے صنف نازک کے حوالے سے کوئی خواب وغیرہ نہیں پالا اسے معلوم تھا کہ خاندان اور دیگر ملنے جلنے والی لڑکیاں اسے بڑا سراہتی ہیں اسے پرسنالٹی کے حوالے سے آئیڈیل ترین قرار دیتی ہیں۔ پھر گھر والوں نے اس کی لاپروائی و بے نیازی سے تنگ آ کر شاء سے اس کی بات چلانی شروع کر دی۔ تب بھی اس کے ساتھ کے حوالے سے اس کے دل میں کوئی پھول نہیں کھلا۔ ہاں! مومنہ کی پسندیدگی بھانپ کر اسے عجیب سا احساس ہوا تھا جسے وہ کوئی نام دینے سے قاصر رہا تھا۔ شاء کی گمشدگی سے اسے کوئی خاص دکھ نہیں ہوا۔ وہ اس کے ساتھ احساسات کی ڈور سے بندھا جو نہیں تھا لاتعلق ہی رہا پھر موی اس کی زندگی میں آ گئی جس کی آنکھیں دیکھ کر اسے جلیل یاد آ تا تھا۔ ان چند ماہ میں بارہا اس نے خود سے اپنے نامناسب رویے کا اقرار کیا تھا۔ وہ ایک تھپڑ کھا کر ہی سہم گئی تھی۔ شیر افگن اسے ہٹ دھرم اور ضدی لڑکی سمجھتا تھا احمق ہی تو تھی اس سے دل لگا یا تھا جو ان جذبوں سے کوسوں دور تھا۔

پلوشہ اور ارباز نے اس کی حالت کا بہت بھیانک نقشہ کھینچا تھا۔ پلوشہ اپنے سلوک پر شرمندہ تھی چاہتی تھی کہ وہ بھی معذرت کر کے موی کو گھر لے آئے۔ سمیر نے منتیں کر کے اپنی مہندی پر اسے بلایا تھا تو وہاں اسے دکھائی دی ہنستی مسکراتی شرارتیں کرتی یوں لگ رہا تھا وہ بھیانک وقت اس کی زندگی میں آہٹ چھوڑے بنا گزرا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس کے ساتھ اس کا بندھن بہت مضبوط ہے۔ کبھی نہ ٹوٹنے والا وہ بہت اچھی لگ رہی تھی یوں سجے بنے دیکھ کر بہت سارے جوانوں کی نظریں اس پر ٹھہری تھیں۔ شیر افگن سمیر کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اسے موی کی لاپروائی بہت کھلی وہ اس کے وجود سے یکسر انجان تھی۔ اپنی کلائی پکڑے جانے پر پہلے اسے حیرت اور پھر آنسوؤں نے گھیرا تھا۔ وہ بھاگ گئی تھی جیسے یہ سب اس کی برداشت سے زیادہ ہو وہ بھی اپنے مزاج کے ہاتھوں مجبور تھا۔ لطیف جذبوں کو دھمکی کا پیراہن پہنا کر پیش کیا جس سے وہ ہرنی کی مانند خوفزدہ ہوئی اسے درختوں کے نیچے روتے دیکھ کر اس نے پھر خود پر نفرین کی تھی۔ اس نے اس لڑکی کو آنسوؤں کے سوا دیا ہی کیا تھا۔ بالآخر اس نے جھکنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ سمیر کو ساتھ لے کر اس روٹھی موی کو پورے مان وچاہت کے ساتھ لائے گا۔ اس فیصلے پہ عمل درآمد کرنے سے پہلے ہی زیدی صاحب چلے آئے۔

''کتنی مکار ہو تم تمہاری وہ چاہت کہاں گئی جو میں نے بارہا تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے محسوس کی تھی۔ بس ایک امتحان سے ہی گھبرا گئیں۔ شیر افگن کے ساتھ محبت امتحان کا دوسرا نام ہے خیر تم سے ملنے کے بعد دیکھوں گا کہاں غلطی ہوئی یہ تو طے ہے کہ میں تمہیں چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ یہ سہانے خواب کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔'' شیر افگن نے تکیے کو دہرا کر دیا اسے کسی پہلو قرار نہیں تھا۔

☆☆☆

''موی ڈٹ کر ناشتہ کرو مقابلہ کا وقت آ پہنچا ہے۔'' سمیر نے اسے یونہی سلائس دانتوں سے کترتے دیکھ کر کہا اور خود چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔ وہ کرسی دھکیل کر اٹھ گئی یہ کہتے ہوئے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔

''بیگم صاحبہ مجھے تو بہت بھوک لگی ہے۔ ذرا میری آنکھوں کے سامنے ہی رہیں۔'' سمیر نے کچن سے گرم گرم پراٹھے لاتی ثناء کا آنچل پکڑا۔ ثناء نے قہر آلود نگاہوں سے اسے گھورا۔

''ہوش کریں موی ادھر ہی ہے۔''

''اسے کیا پتہ بچی ہے۔'' وہ مزے سے بولا تو باہر کھڑی موی کا دل جل کر سیاہ ہو گیا۔

''ہاں بچی ہی تو ہوں جبھی سب مجھ سے کھیل رہے ہیں۔'' اس نے آنسو چھپانے کے لیے باتھ روم کا رخ کیا۔

''مومنہ سے کہو تیار ہو جائے۔'' اب اس کا چہرہ بے انتہا سنجیدہ ہو گیا تھا۔ ثناء نے واش روم کا دروازہ بجایا۔

''موی جلدی کرو۔'' اس نے ہانک لگائی۔

''سمیر میں بھی چلوں گی۔'' وہ غائب دماغی سے سر ہلا کر رہ گیا۔

موی سوجی آنکھوں کو دباتی بالوں میں برش کیے بغیر ان کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔

''یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے وکیل کے سامنے تمہیں پر اعتماد نظر آنا چاہئے۔'' اس نے ٹوکا۔

موی نوٹس لیے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی اس کی کائنات لٹ رہی تھی اور کسی کو ہوش ہی نہیں تھا۔

آشیاں لٹ گیا گلستاں جل گیا
ہم قفس سے نکل کے کدھر جائیں گے
اتنے مانوس صیاد سے ہو گئے
اب رہائی ملے گی تو مر جائیں گے

اس کے ہر موئے تن سے یہی صدا آ رہی تھی۔

☆☆☆

''آؤ بیٹا! زیدی کب سے انتظار کر رہا ہے۔'' احمد کمال (سمیر کے ابا) اسے ڈرائنگ روم میں لے آئے۔ ساتھ سمیر اور ثناء بھی تھے۔

''ہاں! بیٹا بتائیں یہ شیر افگن کتنے عرصے، آپ پر تشدد کرتا رہا۔'' انہوں نے زیرک نگاہیں اس کے چہرے پر ٹکائیں۔

''انہوں نے میرے اوپر کوئی تشدد نہیں کیا۔'' اس کے جواب پہ سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''مومنہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اب تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا زیدی کو سچ سچ بتاؤ۔'' ثناء نے اس کا شانہ تھپکا اس کا حوصلہ بڑھایا دو تین بار پوچھنے پر وہ خاموش رہی تو زیدی نے دوسرا سوال کیا۔

''انہوں نے کتنا عرصہ آپ کو تہ خانے میں رکھا۔''

''ایک سال۔''

''کیا ان کے اور عورتوں سے روابط تھے یا لڑکیوں کے فون ان کے لیے آتے تھے۔''

''جی نہیں! وہ ایسے نہیں تھے وہ تو لڑکیوں کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ مجھے بھی شادی کے بعد انہوں نے کوئی بات کہنے کے بجائے تھپڑ مارا تھا۔'' مومنہ بے دھیانی میں تھی تھپڑ والی بات اس کے منہ سے نکل گئی۔

''اس سے اندازہ ہوا کہ مسٹر شیر افگن ان پر جسمانی و روحانی تشدد کرتے رہے ہیں۔ انہوں خود اقرار کیا ہے۔''

مومنہ کو اب تردید کی ہمت نہیں پڑی۔

''بیٹا سب سچ سچ بتاؤ تا کہ ہم عدالت میں اپنی بات سچ ثابت کر سکیں۔'' زیدی نے کہا تو مومنہ کی آنکھیں برسنے لگیں۔

''مومنہ مسٹر افگن نے سمیر ملک کی مہندی کے روز آپ کو کیا دھمکی دی تھی۔''

''انہوں نے کہا تھا کہ اب کی بار میں ایسا پکا کام کروں گا کہ تمہیں بھاگنے کی ہمت نہیں ہوگی۔''

''بات صاف ہے مسٹر افگن مومنہ کو دوبارہ اس عقوبت خانے میں بند کرنا چاہتے ہیں۔ مومنہ آپ وکالت نامے پر سائن کر دیں۔'' زیدی نے سامنے پڑے بریف کیس سے کاغذ نکال کر ٹیبل پہ اس کے سامنے رکھا اور پین زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا۔ مومنہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

''نن نہیں۔'' وہ پین تھامے تھامے کھڑی ہو گئی۔ اس لمحے ملحقہ دروازے سے تپتا ہوا شیر افگن نکلا اور کسی کے سوچنے سمجھنے سے پیشتر ہی لگاتار تین چار تھپڑ مومنہ کے منہ پر مارے۔ وہ صوفے پر جا پڑی۔

''اب وکالت نامے پر سائن کرنے میں کیا تکلیف ہے یو ایڈیٹ گرل۔'' وہ دوبارہ خشونت سے مومنہ کی طرف بڑھا تو سمیر نے پکڑ لیا۔

''افگن یہ کیا جنگلی پن ہے۔''

''میں جو کر رہا ہوں ٹھیک کر رہا ہوں تم لوگ اسے مجھ سے چھیننے کی دور کرنے کی سازشیں کر رہے ہو اور اسے ذرا عقل نہیں ہے نان سینس لڑکی۔''

زیدی منہ کھولے بیٹھے رہ گئے۔ ''مجھے تو یہ اور ہی چکر لگتا ہے۔ مومنہ اس سے آزادی نہیں چاہتی اور نہ یہ اسے آزادی دینا چاہتا ہے۔ بات صاف ہے دونوں ایک دوسرے سے دور نہیں رہ سکتے، ہمیں خواہ مخواہ یہ ظلم نہیں کرنا چاہئے۔'' زیدی سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔

''آپ لوگ مومنہ کو اس کے ساتھ بھیج دیں یہی بہترین فیصلہ ہے۔'' زیدی اٹھ کھڑے ہوئے ان کا کام ختم ہو چکا تھا۔ مومنہ کو ثناء پہلے ہی لے گئی تھی سمیر اور شیر افگن فیصلے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''کیا گھامڑ آدمی ہے یہ زیدی بھی بیٹیوں کو کبھی ایسے بھی رخصت کیا جاتا ہے۔'' وہ بڑبڑائے اور شیر افگن کی طرف رخ کیا۔

''برخوردار تمہیں مومنہ سے محبت ہے۔'' ایک بزرگ کی زبان سے یہ سوال سن کر شیر افگن جھینپا۔

''جی ہاں!'' اسے اقرار کرنا پڑا۔

''تبھی تم نے اسے میرے سامنے مارا ہے تمہاری محبت کا یہ عالم ہے تو نفرت کا کیا ہوگا۔'' انہوں نے طنز کیا تو وہ پانی پانی ہو گیا۔

''ایم سوری سر آئندہ یہ نہیں ہوگا۔'' وہ واقعی بہت شرمندہ لگ رہا تھا۔

''سر کے بچے میں مومنہ کے باپ کی جگہ ہوں تم بھی چاہو تو مجھے ابو کہہ سکتے ہو۔'' انہوں نے تمام کس بل نکالنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

سمیر اس کی شامت اعمال پہ مسکرائے جا رہا تھا۔ سچ ہے کہ انسان جتنی بھی عمر کا ہو جائے بزرگوں کے سامنے بچہ ہی رہتا ہے۔ وہ جب چاہیں اس کی گوشمالی کر سکتے ہیں۔

''پندرہ روز ہیں تمہارے پاس مجھے بھی مومنہ کے لیے بہت کچھ لینا ہے۔ مہمانوں کی لسٹ بنانی ہے۔'' وہ بیک وقت سمیر اور اس سے مخاطب تھے۔

☆☆☆

''ثناء موی کہاں ہے؟'' سمیر نے پوچھا۔

ثناء نے بیڈ پہ لیٹے سر تا پا چادر میں ملفوف وجود کی طرف اشارہ کیا۔ بس گلابی دوپٹے کے کونے کی جھلک نظر آ رہی تھی جو چادر سے باہر رہ گیا تھا۔ ثناء نے شیر افگن کو کرسی پیش کی۔

''سمیر بھائی آپ اپنے دوست سے کہیں کہ فوراً انکل کے پاس چلا جائے اسے اپنے جراثیم کہیں انہیں بھی نہ لگا جائے۔ یہ نہ ہو کہ وہ مجھے ہی مارنے لگیں۔'' چادر کے اندر سے ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی وہ سمجھ رہی تھی کہ سمیر اکیلا ہی آیا ہے۔ دبی دبی مسکراہٹیں ابھریں موی چادر پھینک کر بیڈ سے چھلانگ لگا کر اتری اور پھر وہیں جم گئی جیسے فرشتے کوچ کر گئے ہوں۔ شیر افگن عین سامنے بیٹھا لبوں میں مسکراہٹ دبائے بڑی جاندار نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔

''موی شیر برائیڈل ڈریس کا کلر پوچھنے آیا ہے۔'' سمیر مزے سے بولا تو وہ تپ گئی۔

''کفن لے آئیں سفید رنگ کا۔'' سب کے سامنے یہ سوال پوچھے جانے پر اسے شدید غصہ آیا۔ ثناء نے نامحسوس انداز میں سمیر کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ موی بے خبری میں ماری گئی۔ سمیر اور ثناء بیک وقت نکلے اس سے پہلے کہ وہ چھلانگ لگا کر دروازے تک پہنچتی شیر افگن نے اسے پکڑ لیا اور دائیں ہاتھ سے دروازہ بھی بند کر دیا۔

''اب کیا تکلیف ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''جناب! انکل نے ہماری درخواست کی منظوری دے دی ہے۔ دیکھنا تو اب ہم نے آپ کو ہے وہ بھی ساری زندگی۔''

''مجھے معلوم ہے سب، رہنے دیں اس اداکاری کو اس کے بغیر بھی آپ کی بات بن جائے گی۔ یہ لوگ پھر مجھے اسی جہنم میں بھیج رہے ہیں آپ کو تو خوش ہونا چاہئے۔ آپ دوبارہ سے اپنی حسرت نکال سکیں گے نہ کوئی آپ کا ہاتھ روکنے والا ہوگا نہ زبان پکڑنے والا۔'' موی کی پلکیں آنسوؤں کے بوجھ سے لرز رہی تھیں۔

''بے وقوف پاگل احمق لڑکی۔'' شیر افگن نے دائیں بازو کے گھیرے میں اسے سمیٹ لیا اور بڑی نرمی سے اُنگلیوں سے اس کے آنسو صاف کیے۔ ''یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں ہے کہ تمہیں میرے رویے نے بہت ہرٹ کیا ہے کیونکہ جو ہوا اس کا پس منظر بہت پرانا ہے جو میرے ڈیڈی کی شہادت سے شروع ہوتا ہے۔ میں میٹرک کا طالب علم تھا جب ان کی خون آلود لاش گھر آئی تھی اخبارات میں بطور قاتل جلیل کا نام اُچھالا گیا۔ میں تعلیم مکمل کر کے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں آ گیا میری زندگی کا ایک ہی مشن تھا جلیل کی تلاش اور اسے کیفر کردار تک پہنچانا ریکارڈ میں اس کی بیٹی کی جو تصویر اور نشانیاں تھیں تم ہو بہو ان پر پوری اترتی تھیں۔ میں تمہارے ذریعے سے اس تک پہنچنا چاہتا تھا اور پہنچ بھی گیا جو کہ میری بھول تھی۔ قاتل تو کوئی اور تھا اگر وہ انتقام کا آتش فشاں میرے اندر دہک نہ رہا ہوتا تو تمہیں ان المناک واقعات سے شاید نہ گزرنا پڑتا۔ میں تم سے تمہارے والد کی موت کی تعزیت کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتے تو مجھے معاف کر دو۔'' وہ اسے ہنوز اپنی گرفت میں لیے ہوئے بولا۔

''مجھے پپا کی موت کا اب کوئی غم نہیں رہا ہے پہلے بہت زیادہ تھا اب نہیں ہے۔ شاید اس طرح کی موت سے ہمکنار ہو کر انہوں نے اپنے جرائم و گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میری ذات کی حد تک ذلت کے تمام داغ دھو دیے ہیں۔ میری امی کا کیا قصور تھا میرا کیا قصور تھا مجھے کن گناہوں کی سزا ملی ہم تو پل پل مرتے رہے۔ میرے پپا موت سے پہلے کئی بار مرے ہوں گے اور یہ موت کتنی بھیانک ہوتی ہے اندازہ ہے آپ کو وہ کتنے عرصے بعد آئے تھے ہماری خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے۔ آپ کے ڈیڈی کو توپوں کی سلامی دے کر قومی پرچم میں لپیٹ کر دفن کیا گیا واہ واہ ہوئی آہ میرا باپ کتنی حسرت میں مرا جو لمحہ لمحہ کفارہ ادا کرتا رہا ہوا سے اتنا نہ گرائیں اسے اتنی حقارت سے نہ دیکھیں محبت نہیں کر سکتے تو نفرت بھی مت کریں۔'' موی بری طرح بکھر رہی تھی۔

شیر افگن کے پاس اس کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ آج وہ لاجواب ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے اسے، کیسے بہلائے ابھی اس کے رونے کی آواز سن کر کوئی اس طرف آ گیا تو یقیناً اسے ہی ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔

''موی بس کرو دیکھو تو میری شرٹ بھیگ گئی ہے۔ تمہارے گھر والے واقعی مجھے نہیں بخشیں گے۔ اب چپ کر جاؤ۔ میں تو تمہارے لیے خوشیوں کی نوید اور صلح کا پیغام لے کر آیا تھا۔ تم نے سمندر بہانے شروع کر دیے ہیں۔ میں تم سے ایک بات شیئر کرنے آیا تھا۔''

''کیا؟'' موی فوراً رونا بھول گئی۔

''میں تمہارے پپا کی قبر پر گیا تھا فاتحہ پڑھنے موی وہ اتنی نفرت کے قابل نہیں تھے۔ وہ تو ایک کٹھ پتلی تھے جو دوسروں کے اشارے پر ناچتے تھے۔ کٹھ پتلی بذات خود بے جان ہوتی ہے اس کے پیچھے جو ہاتھ ہوتے ہیں وہ جاندار ہوتے ہیں تمہارے پپا اور زبیر کا کٹھ پتلی اور ہاتھ والا رشتہ تھا۔''

''آپ اتنی دیر سے تمہارے پپا کہے جا رہے ہیں آپ کے کچھ نہیں لگتے۔'' وہ آنسو صاف کر رہی تھی۔

''بھول ہو گئی وہ میرے سر ہیں بلکہ ہوتے تھے۔'' شیر افگن نے اس کا لٹکتا دوپٹہ اس کے شانے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''دوپٹہ مجھے تمہیں اوڑھنا سکھانا پڑے گا جب بھی دیکھا زمین پہ سجدے کرتے پایا ہے اسے اور ہاں وکیل کو وہ دھمکی والی بات کیوں بتائی تھی۔ میں نے تو دوسرے معنوں میں کہا تھا کہ تمہارا پکا کام کرنے پڑے گا۔''

''کن معنوں میں سمجھا دیں ناں میں بڑی نالائق ہوں۔'' موی گھبرائی۔

''چند روز اور میری جان فقط چند روز اور..... ابھی موقعہ نہیں ہے۔'' شیر افگن نے دوبارہ اسے قریب کرنے کی کوشش کی وہ چکنی مچھلی کی طرح گرفت سے پھسل گئی۔

''سمیر بھائی انہیں لے جائیں ورنہ میں انکل سے کہتی ہوں۔'' وہ زور سے بولی تو جھٹ دروازہ کھول کر سمیر اندر آ گیا۔

''چلیے۔'' اس نے شیر افگن کا بازو پکڑا تو اس نے کونے میں کھڑی موی کو نگاہوں کی زبان میں دھمکی دی۔ وہ پھر زور سے ہنسنے لگی۔ شیر افگن کو آج اس کے ہنسنے پر غصہ نہیں آیا وہ خود بھی تو اس کے لبوں پہ مسکراہٹیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

ختم شد

☆☆☆☆☆☆

من و سلویٰ (معاشرتی رومانی ناول)

من و سلویٰ آپ کی پسندیدہ مصنفہ **عمیرہ احمد** کی ایک نہایت عمدہ تحریر ہے جو انہوں نے حرام، حلال رزق کے حصول جیسے اہم موضوع پر تحریر کی ہے۔ ہمارے معاشرے میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ایک وہ جو اپنی روزی کمانے کے لئے رزق حلال کا راستہ چنتے ہیں اور دوسرے وہ جو کامیاب ہونے کے لئے شارٹ کٹ کی تلاش میں رہتے ہیں اور حرام ذرائع سے دولت اکٹھی کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔ اس ناول میں مصنفہ نے جائز اور ناجائز کا فرق بہت خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ حلال کی کمائی ہمیں برائی پر جانے سے روکتی رہتی ہے اور حرام کا ایک لقمہ بھی اگر ہمارے خون میں شامل ہو جائے تو وہ کس طرح ہمیں بربادی کے کنارے لے جاتا ہے۔ **عمیرہ احمد** کے یہ ناول کتاب گھر کے **معاشرتی رومانی ناول** سیکشن میں دستیاب ہے۔